فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی

فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون
KITABOSUNNAT.COM
المکتبۃ الرحمانیۃ
فتاویٰ علمائے حدیث
جلد ہفتم
کتاب الزکوٰۃ
ترتیب : ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان
ناشر
مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ

فتاویٰ نذیریہ دہلی
فتاویٰ ثنائیہ امرتسر
فتاویٰ غزنویہ 〃
فتاویٰ ستاریہ کراچی
فتاویٰ عبدالحی لکھنوی
فتاویٰ اخبار محمدی دہلی
فتاویٰ اخبار الاعتصام لاہور

فتاویٰ اخبار اہلحدیث سوہدرہ
فتاویٰ اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور
فتاویٰ اخبار اہلحدیث دہلی
فتاویٰ محدث دہلی
فتاویٰ اہلحدیث گزٹ دہلی
فتاویٰ اخبار اہلحدیث لاہور
متفرق رسائل

نام کتاب :- ــــــــــ فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ

نام مرتب :- ــــــــــ ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت :- ــــــــــ ہمایوں فیض رسول آزاد ولد نذیر احمد منیر رقم چک ۵۴۳ ای بی ضلع وہاڑی

طباعت :- ــــــــــ شاہ اینڈ سنز پروسس پرنٹرز چرچ روڈ لاہور

تاریخ اشاعت اول :- ــــــــــ ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء

تاریخ اشاعت الثانی :- ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۸ء

تعداد :- ــــــــــ ۱۰۰۰

ناشر :- ــــــــــ مکتبہ سعیدیہ خانیوال

قیمت ــــــــــ ۳۵/۰۰

مکمل سیٹ ۸ جلد :- ــــــــــ ۱۹۵/۰۰

ملنے کا پتہ :- مکتبہ سعیدیہ خانیوال :- ضلع ملتان

لاہور میں ملنے کا پتہ :- اسلامی اکادمی اردو بازار - لاہور

فہرست مفتیان فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ م سنہ ۱۳۲۰ھ

مولانا عبد الحق محدث ملتانی تلمیذ میاں صاحب مرحوم م سنہ ۱۳۶۵ھ

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری محدث تلمیذ 〃 〃 سنہ ۱۳۵۳ھ

مولانا عبد العزیز محدث 〃 〃 〃 〃 سنہ ۱۳۳۹ھ

مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی 〃 〃 〃 سنہ ۱۳۰۴ھ

مولانا عبد الوہاب پنجابی ملتانی 〃 〃 〃 〃 〃 سنہ ۱۳ھ

مولانا سید عبد السلام محدث 〃 〃 〃 〃 〃 سنہ ۱۳ھ

مولانا محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی رح

مولانا تلطف حسین محدث دہلوی رح تلمیذ میاں صاحب مرحوم

مولانا محمد طاہر سلہٹی رح 〃 〃

مولانا محمد یٰسین رحیم آبادی عظیم آبادی 〃 〃 رح

مولانا حفیظ اللہ دہلوی 〃 〃 〃

مولانا سید عبد الحفیظ دہلوی 〃 〃 سنہ ۱۳۳۹ھ

مولانا ابو محمد عبد الحق 〃 〃 〃

مولانا عبد الجبار غزنوی امرتسری 〃 〃 سنہ ۱۳۳۱ھ

مولانا ابو سعید محمد شرف الدین محدث دہلوی 〃 〃 سنہ ۱۳۸۱ھ

مولانا عبد الاحد خانپوری محدث 〃 〃 〃

مولانا عبد الواحد غزنوی لاہوری 〃 سنہ ۱۳۴۷ھ سنہ ۱۹۲۸ء

مولانا عبد التواب محدث ملتانی 〃 سنہ ۱۳۶۸ھ 〃

مولانا عبد العزیز محدث رحیم آبادی تلمیذ میاں صاحب رح سنہ ۱۳۳۸ھ سنہ ۱۹۱۸ء

مولانا حسین بن محسن انصاری بھوپالی سنہ ۱۳۲۷ھ

مولانا عبد الجلیل سامرودی 〃

مولانا احمد اللہ محدث دہلوی سنہ ۱۹۴۳ء

مولانا محمد یونس 〃 〃 سنہ ۱۳۸۶ھ سنہ ۱۹۶۶ء

مولانا نور محمد پنجابی مدرسہ رائیکورٹ ضلع لدھیانہ 〃

مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی سنہ ۱۹۴۱ء سنہ ۱۳۶۰ھ

مولانا عبد السلام مبارکپوری سنہ ۱۳۴۲ھ

مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی امرتسری سنہ ۱۳۸۴ھ

مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ سنہ ۱۳۸۷ھ

حافظ محمد عبد اللہ غازی پوری سنہ ۱۳۳۷ھ

ابو محمد عبد الستار کراچی دہلوی سنہ ۱۳۸۶ھ

مولانا محمد بشیر سہسوانی تلمیذ میاں صاحب مرحوم سنہ ۱۳۲۶ھ

مولانا سلامت اللہ 〃

مولانا عبد المجید سوہدروی گوجرانوالہ سنہ ۱۳۷۹ھ

مولانا عبد السلام بستوی دہلوی سنہ ۱۳۹۴ھ

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی 〃

مولانا عبد الغفور غزنوی 〃

مولانا قاضی محمد سلیمان مجسٹریٹ درجہ اول ریاست پٹیالہ پنجاب سنہ ۱۹۳۵ء

مولانا محمد ابوالقاسم بنارسی رح
مولانا خالد بھوپال شہر 〃
مولانا محمد طاہر شاکر میاں صاحب مرحوم 〃
مولانا داؤد غزنوی امرتسری ۱۳۸۳ھ
مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۹۴۸ء
مولانا نیک محمد مدرس مدرسہ غزنویہ امرتسر ۱۹۵۴ء
مولانا عبدالغفور ملا فاضل لیسکوہری 〃
مولانا فضل اللہ مدراسی عمر آبادی 〃
حکیم عبدالشکور شکراوی 〃
مولانا محمد منیر خاں جامعہ رحمانیہ بنارس 〃
مولانا سید عابد علی ضلع بستی 〃
ابو شحمہ خاں فاضل رحمانیہ مقام سپاٹو پور 〃
مولنا محمد یوسف محمدی الحدیث مدیر اہل الذکر فیض آباد 〃
مولانا ضیاء الدین جامع الحدیث کلکتہ 〃
مولنا کبیر احمد سرادہ میرٹھ 〃
مولانا محمد صدیق شہر آگرہ 〃
مولانا علم الدین حصاری 〃
مولانا عبدالرؤف بہاری 〃
مولانا محمد حسین خاں خورجوی 〃
مولانا عبداللطیف 〃
مولانا سید ابوالحسن 〃
مولانا ابوالقاسم عبدالرحمن لاہوری 〃

مولانا محمد شمس الدین رح
مولانا احمد 〃
مولانا محمد فقیر اللہ 〃
مولانا محمد ظفر احمد ضلع مظفر نگر 〃
مولانا عبدالرزاق مدرسہ ریاض العلوم دہلی 〃
مولانا مفتی کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی 〃
مولانا عبدالرحمن حنفی محمدی 〃
مولانا محمد میاں حنفی مدرسہ حسین بخش دہلی 〃
مولانا عبدالقدیر مدرسہ ریاض العلوم 〃 〃
مولانا عبدالرحمن مدرسہ فتحپوری 〃 〃
مولانا محمد شفیع مدرسہ مولوی عبدالرب 〃 〃
مولانا عبدالشکور دیوبندی 〃 〃
مولانا ضیاء الحق مدرسہ امینیہ 〃 〃
مولانا سکندر الدین 〃 〃
مولانا مسعود احمد دارالعلوم دیوبند 〃
مولانا عبدالرب دہلی 〃
مولانا اشفاق الرحمن فتحپوری 〃 〃
مولانا محمد عبداللہ ریاض العلوم 〃 〃
مولانا محمد حسین مدرسہ نعمانیہ 〃 〃
مولانا عبدالمالک مدرسہ نعمانیہ 〃 〃
مولانا شاہ سید لطاف الرحمن مدرسہ 〃 〃
مولانا ضیاء احمد مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور 〃

مولانا سید عبد المجید	مدرسہ نعمانیہ	دہلی	رح
مولانا عبد الجلیل	〃 〃	〃	〃
مولانا محمد اسحاق	〃 حسینیہ	〃	〃
مولانا عبد الغفار	〃 یعقوبیہ	〃	〃
مولانا محمد یحییٰ	〃 حسینیہ	〃	〃
مولانا محمد شریف فتحپوری		〃	〃
مولانا سلطان محمود	〃	〃	〃
مولانا نور الحسن	مدرسہ حسین بخش	〃	〃
مولانا اعزاز علی	دار العلوم دیوبند		〃
مولانا ابو طاہر بہاری			〃

مولانا سید احمد علی سعید دار العلوم دیوبند	رح
مولانا عبد الرحمٰن فتحپوری دہلی	〃
حافظ محمد حسین میرٹھی	〃
مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری	مدظلہ
مولانا حافظ محمد اسحٰق مدرس مدرسہ غزنویہ لاہور	〃
مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈے نگر ریاست نیپال	〃
مولانا عبید اللہ عفیف لاہور	〃
مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ	〃
مولانا حافظ عبد القادر روپڑی	〃
مولانا عطاء اللہ حنیف لاہور	〃

فہرست مضامین "فتاویٰ علمائے حدیث" جلد ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِفتتاحیہ

از قلم

مقبولِ ربّ العالمین حضرت قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی مصنف رحمۃ للعالمین

علم الاقتصاد یا تمدن یا پولیٹکل اکانومی کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افرادِ قوم میں بلحاظ فقر و دولت کیوں کر ایک تناسب قائم کیا جائے، حکیم سولون کے عہد سے لے کر آج تک کوئی انسانی دماغ اس عقیدہ کی گرہ کشائی نہیں کر سکا۔ یورپ میں نہلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ جملہ املاک و امتیازات پر افرادِ قوم کا مساوی حق تصرف اور یکساں حق ملکیت ہو، نیشلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے۔ سوشلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے، اور جمہور کی مِلک میں کر دیا جائے۔ فرقے اس لئے پیدا ہو گئے کہ اس مسئلہ کا حل کر سکیں۔

املاک پر سے حق ملکیت، مالکان کا اٹھا دیا جانا اس قدر عملاً محال ہے۔ کہ دنیا میں کبھی بھی اس کا رواج نہ ہو گا۔ اسی لئے قرآن مجید نے اس بارہ میں پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ (نحل) رزق میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو برتری دی ہے، اور جن کو یہ برتری ملی ہے، وہ اپنا حصہ ان لوگوں کو جن کے وہ مالک ہو چکے ہیں، (اسلئے) واپس نہ کریں گے۔ کہ سب آپس میں برابر ہو جائیں۔ اسلام نے جو مسلمانوں کو دنیا کی برترین متمدن قوم بنانا چاہتا ہے، اس مسئلہ پر توجہ کی اور اسے ہمیشہ کیلئے طے کر دیا، اور اسی کا نام فرضیتِ زکوٰۃ ہے۔

۲۔ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی سے مسکینوں کا ہمدرد غریبوں پر رحم کرنیوالا، اور دردمندوں کا غمگسار تھا، اور اسلام میں شروع ہی سے مساکین اور غرباء کی دستگیری ہر مسلمان کو خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تھی، اور ان کی ہمدردی کو غرباء کا رفیق بنایا جاتا تھا، اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غرباء و مساکین کے لئے بہت کچھ کیا بھی کرتے تھے، تاہم ایسا کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا۔ جس پر بطور آئین و ضبط کے عمل کیا جاتا ہو۔ اس لئے دولت مند جو کچھ بھی کرتے تھے، اپنی فیاضی دنیک دلی سے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض اور اسلام کا ایک رکن کلمہ شہادت اور نماز کے بعد قرار دیا۔

زکوٰۃ:۔ درحقیقت اس صفت ہمدردی اور رحم کے استعمال کا نام ہے جو انسان کے دل میں اپنے ابنائے

جنس کے ساتھ قدرتاً وفطرتاً موجود ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے، کہ مال کی محبت اخلاقِ انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی اور بخل امساک کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے۔ اور یہ فائدہ بھی کہ غریب اور مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا رہتا ہے، اور اس لئے بے حد دولت کا جمع ہونا بھی اس میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ بھی فائدہ ہے کہ غرباء کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک اُنس و محبت اور اس کی دولت و ثروت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی پیدا ہو جاتی ہے، کیوں کہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود و قائم سمجھتے ہیں، گویا دولت مند مسلمان کی ایک ایسی کمپنی کی مثال پیدا کر دیتی ہے۔ جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کے حصے دار شامل ہوتے ہیں۔

قوم کو یہ فائدہ ہے کہ بھیک مانگنے کی رسم قوم سے بالکل مفقود ہو جاتی ہے، اسلام نے مساکین کا حق امراء کی دولت میں بنام زکوٰۃ اموال نامیہ یعنی ترقی کرنے والے مالوں میں مقرر کیا ہے، جن میں سے ادا کرنا کبھی ناگوار نہیں گزرتا۔ اموال نامیہ میں تجارت، زراعت اور مواشی (بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے) نقدیت معادن اور دفائن شمار ہوتے ہیں۔ اب یہ دکھلانا ضروری ہے، کہ جو نقد و جنس زکوٰۃ سے حاصل ہو اس کے مستحق کون کون لوگ ہیں، قرآن مجید میں ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ (سورۃ توبہ) زکوٰۃ اور صدقات کا مال ۱؎ فقیروں ۲؎ مسکینوں کے لئے ہے۔ فقیروں اور مسکینوں کا فرق کتب فقہ میں دیکھو ۳؎ تحصیلداران زکوٰۃ کے لئے جن کی تنخواہیں ادا ہوں گی ۴؎ اور ان لوگوں کے لئے جن کی دل افزائی اسلام میں منظور ہو، یعنی نو مسلم لوگ ۵؎ غلاموں کو آزادی دلانے کے لئے ۶؎ اور ایسے قرضداروں کا قرضہ چکانے کے لئے جو قرض نہ اُتار سکتے ہوں، ۷؎ اور اللہ کے رستہ میں یعنی دیگر نیک کاموں کے لئے اس کی تفصیل بھی کتب فقہ میں دیکھئے، اور ۸؎ اور مسافروں کے لئے ہے، جن آٹھ مدات پر زکوٰۃ تقسیم کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہے۔ کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے ملک اور قوم اور افراد کی نوعی و شخصی ضروریات کو کیسی خوبی سے پورا کر دیا گیا ہے۔ (رحمۃ للعالمین ص۲۳)

شر فیہ:۔ نہلسٹ کا مقصد یہ ہے، کہ جملہ املاک امتیازات پر افراد و قوم کا مساوی حق تصرف و مساوی حق ملکیت ہو۔ سوشیالسٹ کا مقصد یہ ہے، کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملکیت میں کر دیا جائے، نیشنلسٹ کا مقصد یہ ہے، کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے، میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت، رزاقیت، الوہیت وحدانیت وارسال رسل وغیرہ صفات کے قائل نہیں جو ان کو قرآن مجید یا حدیث نبویہ سے قائل

کیا جائے۔ لہٰذا ان پر برہانِ عقلی پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی امر ملکیت اراضی و اسباب معیشت وغیرہ کل شے میں شخصی حق تصرف نہیں صرف جمہور یا حکومت کا حق ہے، جس کو جتنا چاہے دے باقی سب پہ در تصرف بند ہے، سو یہ قول بالکل خلافِ عقل ہے۔ کہ اولاً تو یہ مساوات اس امر پہ موقوف ہے، کہ تمام افراد قوم عقل و ہمت خلق قوت کسب انتظام نفسانی خواہش وغیرہ امور نظام صالح میں یکساں ہو، اور تجربہ شاہد عدل ہے کہ مساوات مطلقاً ثابت نہیں، ان میں بے حد اختلاف ہے، اگر اختلاف نہ ہو تو پھر حکومت کی ضرورت ہی نہیں رہتی حکومت بے کار ہے، اور یہ امر بھی بدیہی ہے لہٰذا مساوات ناممکن ہے، دوم جب مزاجوں میں اختلاف شدید ہے، تو فساد فی الارض لازم ہے، پھر اگر جمہور یا حکومت نے جبراً ان کو دبا کر ان کی خواہشات سے روکا تو ان کا قانون مساوات ٹوٹ گیا کہ جبراً ان کے حق مساوات کو سلب کیا، ثابت ہوا کہ ان کا یہ قانون باطل ہے، اس لئے کہ اگر تمام افراد قوم امور مذکورہ بالا میں یکساں ہوتے تو واقعی ملکیت املاک و حق تصرف تمام اشیاء میں مساوات کے مستحق ہوتے وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ۔ سوم اگر تمام افراد قوم کی رضامندی سے ہر شخص کو صحیح طور پہ جمہور کی انتخاب یعنی ارباب حکومت کا ہو تو واقعی حکومت کا ان پر حکم بجا ہے، مگر جب ثابت ہو چکا کہ سب کے مزاجوں میں امور مذکور بالا میں اختلاف شدید ہے، تو رضامندی سے سب کا اتفاق ناممکن ہے، اور جبر سے ان کا قانون مذکورہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۵ بات وہ منہ سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے۔
بوجھ وہ سر پہ لیا ہے کہ اٹھائے نہ اُٹھے۔

چہارم املاک و اسباب معیشت میں ہر شخص کا سامان ضروری لباس مرکب مکان رہائش۔ حتّٰی کہ ملک منافعہ بضعہ یعنی تصرف زوجہ پر بھی ایک قسم کی ملکیت ہے، پھر کیا ہر شخص کو افراد قوم سے اختیار ہے کہ جب چاہے اشیاء مذکورہ میں سے جس شخص کا ان پر قبضہ ہے، وہ بھی اس پہ قابض ہو جائے، اور اپنے تصرف میں لائے۔ حتّٰی کہ اس کی زوجہ کو بھی اس لئے کہ ہر شخص کا ہر شے میں حق تصرف مساوی ہے، ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اگر حکومت رد کرے تو ان کے حق تصرف کو سلب کرنا ظلم ہے، اور قانون بھی ٹوٹتا ہے، اور اگر نہ رد کرے تو فساد فی الارض لازم ہوتا ہے۔ اسی فساد فی الارض کی اصلاح اور نظام صالح کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہتا ہے، اگر انسانی عقل ہی نظام صالح کے لئے کافی ہوتی تو پھر ارسال انبیاء کی ضرورت نہ ہوتی وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ۔ پنجم اگر کوئی شخص اشیائے مذکورہ بالا میں سے جو ارباب حکومت کے تصرف میں ہیں، ان

ہیں بلا اجازت ان پر اپنا قبضہ کرے تو کیا ارباب حکومت اس کو روا رکھیں گے، اور گوارا کریں گے، ہرگز نہیں تو کیوں اس لئے ہر شخص کا افراد قوم میں سے ہر شئے پر خواہ کسی کی ہو، ارباب حکومت ہوں، یا کوئی اور یکساں ہر شئے میں حق تصرف مساوی ہے، کسی کی تخصیص نہیں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہے جو باطل ہے، ششم جب ثابت ہو چکا کہ تمام افراد قوم کے مزاجوں اور خواہشوں میں شدید اختلاف ہے، اور رضامندی سے قوانین مذکورہ بالا پر صحیح انتخاب ناممکن ہیں تو پھر جمہور کی حکومت ہی خلاف عقل وصریح ظلم ہے کہ بلا وجہ سب پر حکومت کریں، جب کہ ان کو کسی پر فوقیت کی کوئی وجہ نہیں تو یہ مساوات نہ ہوئی۔ صریح ظلم اور بے انصافی اور مساوات کا ابطال ہوا۔ ہفتم۔ اگر بالفرض ان قوانین مذکورہ بالا پر عمل کیا جاوے، تو پھر ہر شخص کی محرمات ابدیہ کے علاوہ اس کی زوجہ پر بھی ہر شخص کا حق تصرف ثابت ہوگا، تو پھر حلال وحرام حلال زادہ میں کیا فرق ہوگا۔ کچھ بھی نہ ہوگا۔ کسی کی نسل صحیح نہ ہوگی۔ حرام زادگی کے علاوہ دیوثی کا بازار بھی گرم ہوگا۔ اخلاق حسنہ کا نام ونشان نہ ہوگا۔ بدمعاشی سے فساد فی الارض کا دور دورہ ہوگا۔ پھر ایسے ہی بدمعاشوں پر قیامت قائم ہوگی۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہستی اور خالقیت وغیرہ شرائع کے قائل نہیں تو بتایئے آپ ماں۔ بہن۔ بیٹی اور بیوی وغیرہ میں کیا فرق ہے کہ بعض سے رفع حاجت یا خواہش نفسانی جائز اور بعض سے ناجائز تو پھر اس پر کون سا برہان عقلی ہے، بَيِّنُوْا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ ہشتم۔ جب یہ لوگ دہریہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت خالقیت رزاقیت قیامت وغیرہ کے قائل ہی نہیں، تو پھر ان میں خدا ترسی یا رغبت ثواب یا خوف عذاب نہ ہوگا۔ اور خواہشات نفسانیہ اور شہوات کا زور ہوگا۔ تو وہ بلا خوف بدمعاشی کریں گے۔ چنانچہ ارباب حکومت ہی سب سے زیادہ حصہ اس میں لیں گے۔ تو پھر مساوات کہاں رہے گی۔ اور ابھی تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ جہاں اس کا چرچا ہے وہاں رعایا کو حکومت نے قید کر رکھا ہے، املاک جبراً سلب کر لئے ہیں، فدا کسی نے انکار کیا مار مار کر بھس بھر دیا۔ سخت سے سخت سزا قید وغیرہ دی۔ ان کی ساری آزادی سلب کر رکھی ہے، جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں۔ اور وہ بے چارے بے بس ہیں۔ نہم۔ اول تو یہ لوگ حلال وحرام جائز وناجائز کو جانتے ہی نہیں۔ نہ یہ جانتے ہیں کہ انصاف وعدل کیا ہے، اور بے انصافی وظلم کیا ہے، اس لئے کہ ان امور کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا کہ آپس میں ایک دوسرے سے کیا کیا حقوق ہیں۔ کیا کیا مراتب ہیں، عدل کیا ہے ظلم کیا ہے، عدل اور ظلم کا علم مراتب حقوق پر موقوف ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جو خالق الکل ہے، ایسے ہی مساوات کا علم بھی اسی کو ہے، اس لئے کہ یہ حقوق، مراتب اس کے علم پر موقوف ہیں، اور

یہ اسی وحدہٗ لا شریک لہ کو حاصل ہیں۔ اسی لئے اس نے انبیاء کو بھیج کر ان پر کتب نازل کر کے سب امور کی تفصیل بتا دی، جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ ہیں ہے بس مساوات عقلی بھی اور شرعی بھی کہ ہر ذی حق کو جس جس کو اللہ تعالیٰ نے جو جو حقوق عطا کیے ہیں وہ ان کو دیئے جائیں، یہ ہے انصاف اور مساوات وہم۔ یہ لوگ جن قوانین پہ چلانا چاہتے ہیں کیا یہ تاریخ سے ثابت کر سکتے ہیں، جہاں کہیں بھی شبہ ہو گا وہاں صریح جبر واستبداد و ظلم ثابت ہو گا، اور بس یہ قوانین کیا ہیں، وسواس شیاطین ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا علاج بتایا ہے، پڑھو۔ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ وایضًا، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ ابو سعید شرف الدین دہلوی۔

روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے اسلام نے بڑے اہم پروگرام بنائے ہیں، جب سوسائٹی غیر منظم ہو تو خیرات پر زور دیا ہے، اور ساتھ ہی زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی بہتر تقسیم کی صورت پیدا کی ہے، یہاں تک زور دیا ہے کہ قرب وجوار کے ننگوں اور بھوکوں کو کھانا کپڑا دینے کو اللہ تعالیٰ نے خود اللہ کو کھانا کپڑا دینے کے مترادف قرار دیا ہے، ایک حدیث میں آیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا۔ اس پر لوگ کہیں گے کہ اے اللہ تو تو بھوک سے بے نیاز ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو بھوکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرے بندے بھوکے تھے، تو گویا میں ہی بھوکا تھا، ان کو تم نے کھانا نہیں دیا گویا مجھے نہیں دیا۔ اسی روٹی کے مسئلے پر زور دینے کے لئے اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ (خلق اللہ کا خاندان ہے) کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ یہاں ایک اور اصولی بات کی طرف اشارہ ضروری ہے، قرآن کی ایک آیت ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ زمین پر کوئی ذی حیات چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ اس کا مطلب عام طور پر یہ لیا جاتا ہے کہ رزق کی فکر فضول ہے، کیونکہ اس کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے اس آیت کا رائج الوقت مطلب تو ظاہراً غلط ہے، کیونکہ ۱۹۴۳ء کے بنگال کے قحط میں ۴۵ لاکھ آدمی بھوک سے مر گئے، ان میں مسلم ومشرک نیک وبد عورت اور بچے سب ہی تھے، اور یوں بھی دنیا کے ہر گوشہ میں آج کل کھانا نہ ملنے سے مرا ہی کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ جو مطلب آیت کا لیا گیا وہ غلط تھا، اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہ رزق کی ذمہ داری ضرور ہے، مگر یہ ذمہ داری خلافت الٰہیہ کے ذریعہ پوری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پہ خلیفۃ اللہ بنایا ہے، اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً

ہم نے زمین پر انسان کو اپنا نائب بنایا، پس زمین پر خلافت الآلٰہیہ قائم کرنی چاہیئے، اس خلافتِ الآلٰہیہ پر رزق کی ذمہ داری آجاتی ہے، یاد رہے کہ یہ ذمہ داری انسان پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ قوانین الٰہی کے مطابق اپنا نظام درست کرے، اگر وہ ایسا کرے گا، تو بنی نوع انسان میں روٹی کا سوال حل ہو جائے گا، اور ہر انسان کے رزق کی ذمہ داری قانون الٰہی کیمطابق پوری ہوتی رہے گی، لیکن اگر انسان نے بغاوت کی، اور اللہ کے خلاف نظام طاغوتی بنانا شروع کر دیا تو یہ ذمہ داری پوری کرنے والوں کی مشنری ٹوٹ جاتی ہے، اور بھوک کی مصیبت عذاب بن کر نازل ہونے لگتی ہے، سوسائٹی کو سزا ملتی ہے، جن قوانین الٰہیہ پر چلنا رزق کے عام حصول کے لئے خلافت الٰہیہ کے اصول پر ضروری تھا کہ ان کے توڑنے سے قحط واقع ہو جاتا ہے، اور لوگ مرتے ہیں۔ قحط عموماً بلکہ ہمیشہ انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے، جو قحط برسات کی کمی کے باعث پڑتا ہے، اس کی ذمہ داری بھی حضرتِ انسان پر آتی ہے، کیوں کہ وہ آبپاشی کے دوسرے ذرائع نقل وحمل کے وسائل نہیں استعمال کرتا۔ تصور یہ ہے کہ انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے، اللہ تعالیٰ نے خلافتِ الٰہیہ کے قوانین بنا دیئے ہیں، ان پر عمل کرنے کے بعد دنیا میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا، جب سوسائٹی غیر منظم ہو یعنی روٹی کا مسئلہ الجھا ہوا ہو تو ضروری امداد (ریلیف) کے لئے قرآن نے بھی اور حدیث میں بھی بھوکوں کو کھانا کھلانے کی اہمیت نماز سے زیادہ رکھی ہے، قرآن کی مشہور آیت ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ الخ (ترجمہ) ایمان یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ ایمان تو یہ ہے کہ آدمی اللہ پر ایمان لائے، اور یوم آخر ملائکہ اور کتاب اور نبیین اور اپنا مال اللہ کی محبت میں ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین مسافروں، اور سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے دے، اور نماز قائم کرے اور زکواۃ دے۔ الخ

اس آیت میں نماز سے بھی پہلے عزیز واقارب اور مساکین وغیرہ کو دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور نماز وزکواۃ سے بھی پہلے ان چیزوں کو ایمان بتایا گیا ہے، حدیث میں لفظ "بر"، کی تشریح ایمان ہی سے کی گئی ہے، اس آیت میں ایمان کی تشریح میں نماز کو غرباء اور مساکین کی امداد کے بعد کا درجہ دیا گیا ہے، اس آیت کی بنیاد پر ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت ہنگامہ برپا کیا تھا۔ بعض صحابہ نے رائے دی تھی، کہ جس شخص نے زکواۃ اپنے مال کی دے دی، اور کچھ [illegible]

دے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن ابوذر اسی آیت کا حوالہ دے کر کہتے تھے کہ نہیں زکوٰۃ سے پہلے سے ذوی القربیٰ مساکین وغیرہ کے مرحلوں سے گزرنا ہوگا، اگر اس نے اس دینے میں کمی کی تو اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ حضرت ابوذر کا استدلال صحیح تھا یہ کھلی حقیقت ہے، دوسرے صحابہ کا استدلال ان احادیث پر مبنی تھا، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ دینے کے بعد سارا مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور اسے جمع کیا جائے تو وہ کنز نہیں کہلائے گا، اور اس کے لئے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ استدلال صرف اسی حالت میں صحیح ہو سکتا ہے، جب کہ ذوی القربیٰ مساکین اور دوسرے گروہ احتیاج کی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں، اگر یہ لوگ محتاج ہیں تو صرف زکوٰۃ کافی نہیں بلکہ انسان کو اس سے زیادہ بھی دینا پڑے گا۔ اور ایسا بھی ایک وقت آ سکتا ہے، کہ اسٹیٹ یا جماعت انسان کا سب کچھ چھین لے، اور صرف فوری خرچ کے لئے چھوڑ دے، قرآن مجید کی آیت بالکل واضح ہے يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ اے رسول وہ تجھ سے پوچھتے ہیں، کہ کیا دے دیں، ان سے کہہ دو کہ جتنا فوری ذاتی ضروریات سے زیادہ ہو وہ سب دے ڈالو اس آیت میں روٹی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اور اس اصول کو قائم کرنے کے لئے کہ تمام ملکیت کی مالک دراصل قوم ہے، ایک انتہائی علاج تجویز کیا ہے، صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یکے بعد دیگرے سوالات کئے تھے۔ کہ یا رسول اللہ جس کے پاس فلاں فلاں چیز ہو وہ بھی دے دے۔ آپ ہر مرتبہ یہی جواب دیتے رہے کہ ہاں یہ بھی دے دے وہ بھی دے دے۔ آخر صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول ہم سمجھ گئے کہ ہمارا مالکانہ حق صرف ہماری فوری ضروریات پوری کرنے والی چیزوں پر ہے، باقی سب اللہ کے لئے ہے۔

اسلام روٹی کے مسئلہ کو حل کرنے پر انتہائی اقدام کا حکم دیتا ہے، اگر کوئی اسٹیٹ روٹی کے مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی وہ اسلامی اسٹیٹ کہلانے کی مستحق نہیں ہے کیونکہ خلافت الٰہیہ کا پہلا فرض دنیا میں رزق کی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے صرف اصول طے پائے تھے، اتنا موقعہ نہیں ملا کہ تفصیلات طے پا جائیں۔ لیکن حضرت عمر کے دور میں بعض تفصیلات کی تعیین ہوئی۔ لیکن تفصیلات ہر دور میں اصول کے تحت بدلا کرتی ہیں۔ آج کے حالات میں یہ تفصیلات اور ہوں گی۔ یہ کام ارباب حل وعقد کا ہے کہ خلافت الٰہیہ کے مقصد کی تکمیل کے لئے جدوجہد کریں۔ پروگرام بنائیں، اور ان پروگراموں پر عمل کرنے کیلئے عوام و خواص کو تیار کریں۔ روٹی کا مسئلہ اسلامی زندگی میں بنیادی مسئلہ ہے، اور جو لوگ اسے اللہ پر چھوڑ کر پہلوتہی کرنا چاہتے ہیں، وہ خلافت الٰہیہ کی مشینری کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ از قلم مولوی حافظ علی بہادر صاحب بمبئی (پیام اسلام) (فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۳۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریحات

از مولانا حافظ محمد اسحاق شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ شیش محل روڈ لاہور

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ اسلام کی ایک عبادت اور اس کے ارکان خمسہ سے تیسرا اہم رکن ہے، جس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے، اسے انکار زکوٰۃ سے فوراً توبہ کرنی چاہیئے ورنہ قتل کا مستوجب ہے۔ یُستَتَابُ ثَلَاثًا فَاِنْ تَابَ وَاِنْ لَّا قُتِلَ (مغنی لابن قدامہ)

زکوٰۃ کی فرضیت

کتاب و سنت میں زکوٰۃ کی فرضیت پر دلالت کرنے والی اس قدر آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں، کہ ان سب کے بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی آیات

(۱) اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ۔ (البقرۃ)

"نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو" (جماعت سے ملکر نماز پڑھو)

۲:۔ کفار کے متعلق فرمایا:۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ (توبہ)

"اگر یہ کفر سے توبہ کریں نماز کے پابند ہو جائیں۔ اور زکوٰۃ دیں، تو ان کا راستہ چھوڑ دو"

یعنی اب وہ تمہارے ہم مذہب اور مسلمان ہیں، ان کے قتل سے ہاتھ روک لو، جیسا کہ آگے چل کر فرمایا:۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (توبۃ) "اگر یہ لوگ کفر چھوڑ دیں، نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں، تو پھر یہ دین میں تمہارے بھائی ہیں" (ان کا حکم وہی ہے جو تمہارا ہے)

۳:۔ خدا خوف لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ) "اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں، جو دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں"

فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی احادیث

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری شریف) "عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام کی بنا پانچ ستونوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا، (۳) زکوٰۃ دینا، (۴) حج کرنا، (۵) رمضان شریف کے روزے رکھنا۔"

۲:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا تم ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو، جو اہل کتاب ہے۔ پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور میری رسالت قبول کرنے کی دعوت دینا، اگر مان لیں تو انہیں بتانا کہ، اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر یہ بھی تسلیم کر لیں تو انہیں اطلاع دینا، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لے کر غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی جائے گی، اگر وہ اس پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے بہترین مال لینے سے پرہیز کرنا۔ اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قبولیت میں کوئی پردہ نہیں (متفق علیہ)

۳:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور کہنے لگا، یا حضرت! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ اس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، فرض نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ دو، اور رمضان شریف کے روزے رکھو، یہ سنکر اعرابی بولا، جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی قسم! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کروں گا، جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جسے جنتی آدمی دیکھنا پسند ہو، وہ اسے دیکھ لے (بخاری شریف)

۴:- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے پر حضرت صدیق اکبرؓ نے بعض عرب قبائل کے خلاف اعلان جنگ کا فیصلہ کیا، تو حضرت عمرؓ نے مزاحمت کی، اور کہا آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اسلام میں داخل نہیں ہو جاتے جس نے یہ کلمہ کہہ لیا، اس نے بجز اسلام کے حقوق کے اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کر لیا، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ

کے سپرد ہوگیا، اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بخدا! جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے، میں ان سے لڑوں گا، زکوٰۃ مال کا حق ہے، جو کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا، بخدا! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے، تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے لڑوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم! یہ سنکر میں مطمئن ہوگیا، اور مجھے یقین آگیا، کہ یہی بات حق ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے (بخاری شریف)

زکوٰۃ کا معنیٰ

لغت میں زکوٰۃ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، بڑھنا، اور پاک وصاف ہونا، سال گزرنے کے بعد جو حصہ بطور وجوب اور فرض ادا کیا جاتا ہے، ان ہی دو معنوں کے پیش نظر اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس سے دینے والے کی نیکیاں بڑھتی ہیں، اور اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، نیز وہ خود گناہ ورذیلہ بخل سے اور اس کا مال غرباء ومساکین کا حق نکل جانے کی بنا پر خبث وحرام سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ (پارہ توبہ) "اے نبی! زکوٰۃ لے کر ان کے جان ومال کا تزکیہ کرو، اور ان کو پاک وصاف بنا دو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے باقی ماندہ مال کو پاک وصاف کرنے کیلئے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے"

ایک اور حدیث میں آیا ہے:۔ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ فِي تَارِيخِهِ وَقَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ ۔ (مشکوٰۃ) "زکوٰۃ کسی مال میں بھی مخلوط نہیں ہوتی، مگر اسے ہلاک کر ڈالتی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے، کہ واجب ہو جانے کے بعد جس مال سے تم زکوٰۃ نہیں نکالتے، اس میں حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے، جو کسی وقت بھی حلال مال کو لے ڈوبے گی"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے کلام سے معلوم ہوا، کہ وجوب کے بعد زکوٰۃ نہ دینے سے مال ناپاک ہو جاتا ہے، اور حرام سے مخلوط مال کا نتیجہ ندر دیا بدیر ہلاکت ہے، اور زکوٰۃ دینے سے نہ صرف مال پاک وصاف ہو جاتا ہے، بلکہ معنوی طور پر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔

فرضی ونفلی صدقہ دینے سے مال میں برکت

جو شخص خدا اور رسول کے حکم کے مطابق اپنے مال سے غرباء ومساکین

کا حق نکال دیتا ہے، عام اس سے کہ وہ حق فرض زکوٰۃ کی شکل میں ہو، یا نفلی صدقہ وخیرات کی صورت میں اس کے مال میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔ صبح وشام ملائکہ اس کے مال میں زیادتی کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، جو کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس ترقی کا وعدہ فرمایا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں اس کو دہرایا ہے، قرآن حکیم میں ہے:۔

۱:۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (بقرہ) ”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات وخیرات کو بڑھاتا ہے“۔

۲:۔ سورت روم میں اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی ہے:۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

”اور لوگوں کے مال میں زیادتی کرنے کے لئے جو سود تم دیتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادتی نہیں ہوتی، ہاں اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے تم جو زکوٰۃ دیتے ہو، تو ایسے لوگ کئی گنا مال اور کئی گنا اجر وثواب کے مستحق ہیں“۔

۳:۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ)

”جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانہ بو یا جائے جس سے سات بالیں نکلیں، اور ہر بال میں سو دانے ہوں، (ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوئے) اور اللہ تعالیٰ جس کے مال کو چاہتا ہے، اس سے بھی کئی گنا زیادہ کر دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ وسعت اور علم والا ہے“۔

حدیث پاک میں آیا ہے:۔

۱:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دفعہ ایک آدمی بیابان جنگل سے گزر رہا تھا۔ اس نے بادل سے آواز سنی ”فلاں شخص کے باغ کو پانی دو“، پھر دیکھتا ہے کہ بادل ایک طرف ہٹ گیا، اور کھلے میدان میں برسنے لگا۔ وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ اس میدان کی تمام چھوٹی موٹی ندی نالوں کا پانی جمع ہو کر ایک بڑے نالے میں بہنے لگا ہے، وہ بھی اس پانی کے پیچھے ہو لیا، آگے چل کر ایک باغ آیا۔ اس نے دیکھا کہ باغ کا مالک اپنے کھیتوں کو پانی دے رہا ہے، ایک کھیت بھر جاتا ہے، تو پانی دوسرے کھیت کی طرف پھیر دیتا ہے۔ مسافر نے اس سے پوچھا، بھائی باغ والے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتایا، جو مسافر نے بادل سے سنا تھا، پھر باغ والا بولا، اللہ کے بندے

آپ نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ مسافر نے کہا جس بادل کا یہ پانی آ رہا ہے، اس سے میں نے سنا کہ کوئی تمہارا نام لے کر کہہ رہا ہے "فلاں آدمی کے باغ کو پانی دو" اب بتایئے، آپ اس میں کیا عمل کرتے ہیں، کہ اس کو پانی دینے کے لئے بادلوں کو حکم مل رہا ہے، باغ کے مالک نے کہا، جب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے، تو سنیئے! میں اس کی پیداوار کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ سائلین، مسافروں اور مسکینوں میں خرچ کرتا ہوں، ایک حصہ سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں، تیسرا حصہ اس باغ کی اصلاح اور دیکھ بھال میں لگا دیتا ہوں، (مشکوٰۃ از صحیح مسلم)

۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو تمیم کے ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، یارسول اللہ میں مالدار ہوں، اہل و عیال بھی رکھتا ہوں، اور میرے گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت بھی اکثر رہتی ہے، فرمایئے میں اپنا مال کس طرح خرچ کروں، اور اس میں کیا طریقہ اختیار کروں آپ نے فرمایا، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو، یہ تمہارے مال کو خبث و ناپاکی سے اور تمہیں بخل اور گناہوں سے پاک کر دے گی، اس کے علاوہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، سائلین، ہمسایوں اور مسکینوں کے حقوق کی نگاہ داشت رکھو، وہ بولا یارسول اللہ! ذرا مختصر بیان فرمایئے، آپ نے فرمایا۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (الاسراء) یعنی "قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو، اور فضول خرچی کے نزدیک مت جاؤ" اس نے پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! جب میں اپنے مال کی پوری پوری زکوٰۃ آپ کے قاصد کے حوالہ کر دوں، تو کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل سے بری الذمہ ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! جب تم اپنی زکوٰۃ میرے قاصد کو دے دو گے، تو تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر پاؤ گے، پھر جو لوگ اسے صحیح مصرف میں خرچ نہیں کریں گے، اس کا گناہ ان کے ذمہ ہوگا (مسند احمد بحوالہ تبویب المسند ص ۲۸۷)

۳: حضرت ابو کبشہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تین چیزوں پر قسم کھاتا ہوں انہیں یاد رکھو، ایک یہ کہ صدقہ کرنے سے کبھی مال میں کمی نہیں آتی، دوسرے یہ کہ کسی پر ظلم کیا جائے، اور وہ اس پر صبر کرے، تو اللہ تعالیٰ اس پر عزت کا دروازہ کھول دیتا ہے، تیسرے یہ کہ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی اور محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے (ترمذی)

۴: حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ دائیں بائیں دو فرشتے ہوتے ہیں، وہ منادی کرتے ہیں، جسے جنوں اور انسانوں کے بغیر تمام اہل زمین سنتے ہیں، اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ (اپنے فالتو مال اس کی راہ میں خرچ کرو، زکوٰۃ

وخیرات کے بعد) جو تھوڑا بہت بچ جائے، اور صاحب مال کی ضرورت پورا کرنے کے لئے کافی ہو، وہ اس کثیر سرمائے سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور نیکیوں میں صرف کرنے سے غافل کر دے اسی طرح جب سورج غروب ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ دائیں بائیں دو فرشتے منادی کرتے ہیں، جسے جنوں اور انسانوں کے بغیر تمام اہل زمین سنتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَّاَعْطِ مُمْسِكًا مَالًا تَلَفًا۔ "یعنی اے اللہ! اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو خلیفہ (ثواب اور مال دے) اور بخل کی بنا پر مال بند رکھنے والے کو ضائع کر" (مسند امام احمد و ابن حبان وحاکم، بحوالہ تبویب المسند ص ۱۸۵/۸)۔

۵: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ صدقات قبول فرماتا ہے، اور ان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس طرح بڑھاتا ہے، جس طرح تم اپنے بچھیرے یا اونٹ کے بچے کو پالتے ہو (جو تھوڑے عرصہ کے بعد ایک تنو مند اور قوی ہیکل گھوڑا یا اونٹ بن جاتا ہے، اسی طرح ایک حقیر لقمہ احد پہاڑ جتنا بڑا ہو جاتا ہے، امام وکیع کہتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن حکیم میں موجود ہے، جو یہ ہے:۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَيَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ "اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، اور ان کے صدقات کو پکڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے" (تبویب المسند بحوالہ مسند احمد و ترمذی)

۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی مومن حلال مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حلال مال ہی کو قبول فرماتا ہے، اور حلال مال ہی آسمان پر پہنچ کر شرف پذیرائی حاصل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، اور اس کو اسی طرح بڑھاتا ہے، جس طرح تم اپنے بچھیرے یا اونٹ کے بچے کو پالتے ہو، حتیٰ کہ ایک کھجور ایک پہاڑ جتنی بڑی ہو جاتی ہے۔ (صحیحین)

چند مبادیات

زکوٰۃ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی مالی عبادت ہے، اور اسلام کا ایک اہم رکن لیکن واقعاتی اعتبار سے دیکھا جائے، تو اس کو اجتماعی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی قوم مالی استحکام کے بغیر متمدن اور ترقی یافتہ کہلانے کی مستحق نہیں ہے، لہٰذا تفصیلات اور احکام بیان کرنے سے پہلے چند مبادی کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، جن کے ذہن نشین کرنے سے بصیرت پیدا ہوگی، اور آئندہ بیان

ہونے والے مسائل کے سمجھنے میں مدد ملے گی،

اولاً: شریعت اسلامیہ نے مندرجہ ذیل چار قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جن کے ساتھ انسانی ضروریات وابستہ ہیں، اور زندگی میں ہر آدمی ان کا محتاج ہے۔

۱:- بہائم، چار پائے جانور، اونٹ، گائے، بکری وغیرہ۔

۲:- سونا، چاندی، نقود اور زیورات وغیرہ۔

۳:- ہر قسم کا تجارتی مال، جس میں تجارت کی شرعاً اجازت ہے،

۴:- زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں، اجناس خوردنی، پھل اور تیل نکالنے کے بیج۔

ثانیاً:- چونکہ شریعت نے زکوٰۃ مالداروں پر فرض کی ہے، تاکہ ان کے مال کا کچھ حصہ ہر سال غرباء و مساکین کی ضروریات پر صرف کیا جا سکے، لہٰذا ہر قسم کے مال زکوٰۃ کا نصاب مقرر کر دیا گیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص کسی قسم کے نصاب کا مالک ہے، وہ غنی ہے، اور اس پر اپنے مال کی زکوٰۃ دینا فرض ہے، اور جس کے پاس کوئی بھی نصاب نہیں، وہ فقیر ہے، اور مصرف زکوٰۃ ہے،

مذکورہ بالا چار قسم کے مال کے نصاب کی تفصیل یہ ہے۔

۱:- اونٹ کے لئے پانچ اونٹ، گائے کے لئے تیس گائے، بھیڑ، بکری اور دنبہ کے لئے چالیس بکریاں جسامت اور حجم کے اختلاف کی بنا پر ان جانوروں کے نصاب میں بھی اختلاف ہے۔

۲:- چاندی کے لئے ۲۰۰ درہم (تقریباً ۵۲½ تولہ) اور سونے کے لئے ۲۰ دینار (تقریباً ۷½ تولہ)

۳:- مال تجارت کی قیمت جس نقدی سے لگائی جائے، اس کا نصاب اسی نقدی کا نصاب ہے، اگر اس کی قیمت دراہم سے لگائی جائے، تو نصاب ۲۰۰ درہم ہے، اور اگر دینار سے لگائی جائے تو نصاب ۲۰ دینار ہے۔

۴:- زمین سے پیدا ہونے والے غلہ کا نصاب ۵ وسق ہے جس کا وزن تقریباً ۲۰ من ہے۔

ثالثاً:- شریعت مطہرہ نے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی ہے، اور اس میں اغنیاء اور غرباء و مساکین دونوں کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھا ہے اگر یہ مدت مثلاً ایک ہفتہ یا ایک مہینہ مقرر کی جاتی، تو اس صورت میں مالداروں پر ناقابل برداشت بوجھ پڑتا، اور اگر حج کی طرح زکوٰۃ عمر میں صرف ایک دفعہ فرض کی جاتی، تو غرباء و مساکین کے لئے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنا مشکل ہو جاتا۔

ملحوظہ: یاد رہے، سال کی مدت کا اطلاق زمین سے نکلنے والی اشیاء کے علاوہ باقی تین قسم کے اموال پر ہوتا ہے، زمین سے پیدا ہونے والے غلہ یا زمین سے نکلنے والی معدنیات (سونا، چاندی، لوہا

تانبہ، قلعی، کوئلہ اور نمک وغیرہ) یا دفینہ کی زکوٰۃ اسی وقت دینی پڑتی ہے، جب یہ چیزیں حاصل ہوں، ان میں سال کی شرط نہیں۔

رابعاً۔ زکوٰۃ شرعی کی مقدار میں کمی بیشی، مال کی تحصیل میں سہولت اور مشقت پر مبنی ہے، جس مال کے حصول میں بآسانی اور سہولت پائی جاتی ہے، اس میں مقدار زکوٰۃ زیادہ ہے، اور جس کے حصول میں مشقت اور تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، اس میں زکوٰۃ کی مقدار کم ہے، جیسے کسی کو کنواں یا گڑھا کھودتے وقت دفینہ مل جائے، تو اسے یہ مال مفت میں مل گیا ہے، کوئی تکلیف نہیں اٹھانا پڑی، اس لئے دفینہ پانے والے کو کل مال کا پانچواں حصہ (۲۰٪) دینا پڑتا ہے، کھیتی باڑی میں چونکہ مشقت زیادہ کرنا پڑتی ہے، لہٰذا اس کی پیداوار میں مقدار زکوٰۃ پانچویں حصہ سے کم کر کے دسواں حصہ (۱۰٪) مقرر کر دی گئی ہے، بشرطیکہ کھیتی بارش یا چشمہ کے پانی سے تیار ہوئی ہو، اور اگر کھیتی تیار کرنے کے لئے ٹیوب ویل یا رہٹ وغیرہ مصنوعی آلات کے ذریعہ آبپاشی کی گئی ہے، تو مقدار زکوٰۃ دسویں حصہ سے بھی کم ہو کر بیسواں حصہ (۵٪) رہ جاتی ہے۔

مال تجارت کے حصول میں ان تمام مذکورہ صورتوں سے زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے، مال خریدنے یا بیچنے کے لئے مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کرنا پڑتا ہے، جس سے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے، خسارے، سرقہ اور ڈاکے وغیرہ کا خطرہ اس کے علاوہ ہے، نیز تاجر کی یہ دوڑ دھوپ مسلسل اور متواتر جاری رہتی ہے، اسے آرام کا وقفہ کم ہی ملتا ہے، لہٰذا ان تمام آلام و مصائب کے پیش نظر تاجر کے مال میں زکوٰۃ بیسویں حصہ سے گھٹا کر چالیسواں (۲½٪) حصہ فرض کی گئی ہے۔

احکام زکوٰۃ کی تفصیل

ان مبادی کے ذہن نشین کر لینے کے بعد اب مذکورہ بالا چار قسم کے اموال کی زکوٰۃ سے متعلق مختصر تفصیلی احکام ترتیب وار ملاحظہ فرمائیے۔

ا۔ بہائم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت مندوں کی ضرورتوں کو رفع کرنے، اور اسلام کا معاشی نظام مضبوط بنانے کے لئے جہاں سونے، چاندی کے مالکوں، زراعت پیشہ لوگوں، اور تجارتی کاروبار کرنے والوں کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، وہاں مویشیوں کے ریوڑ پالنے والوں کو بھی فراموش نہیں کیا، ان کے مال میں بھی زکوٰۃ فرض کی ہے، کیونکہ یہ ریوڑ ان لوگوں کی خوشحالی اور دولت مندی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، یہ لوگ دودھ، گھی، اون، چمڑے اور فالتو جانور بیچ کر ہر سال لاکھوں روپے کماتے ہیں، اور بڑی فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے ہیں، لہٰذا دوسرے لوگوں کی طرح یہ بھی زکوٰۃ سے کسی صورت مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

مویشیوں میں زکوٰۃ فرض ہونے کی شرطیں

ہر قسم کے مویشیوں میں زکوٰۃ فرض ہونے کی دو شرطیں ہیں، یہ دونوں پائی جائیں، تو زکوٰۃ

فرض ہوگی، ورنہ نہیں، پہلی شرط یہ ہے، کہ نصاب کو پہنچنے کے بعد ان پر ایک سال گزر جائے، دوسری یہ کہ ان کی زندگی اور بقا کا انحصار سارا سال یا سال کا بیشتر حصہ وادیوں، جنگلوں اور پہاڑوں میں خود رو گھاس چرنے پر ہو، اگر کچھ دن یا نصف سال سے کم عرصہ کے لئے گھر پہ چارہ ڈالا جائے، تو زکوٰۃ کی فرضیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ہاں اگر سال بھر یا سال کا بیشتر حصہ گھر پر چارہ ڈالا جائے، یا مالک نے ان کو (بیلوں یا اونٹوں کی صورت میں) زرعی کاروبار یا بوجھ برداری کے لئے رکھا ہوا ہے، تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

بعض ائمہ پورا سال جنگل میں چرنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے نزدیک اگر چند دن بھی گھر پر چارہ ڈالا گیا، تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، مگر یہ مسلک صحیح نہیں اس سے زکوٰۃ سے گریز کرنے والے بڑی آسانی کے ساتھ حیلہ سازی کریں گے، اور اپنے جانوروں کو چند دن گھر پر چارہ ڈال کر زکوٰۃ کے بارے سبکدوش ہو جائیں گے۔

مویشیوں سے زکوٰۃ نہ دینے پر وعید

دوسرے اموال کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مویشیوں میں بھی زکوٰۃ فرض کی ہے، اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے، ان سے زکوٰۃ نہ دینے والے کے حق میں حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے:-

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَکُوْنُ لَہٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا یُؤَدِّیْ حَقَّہَا اِلَّا اُتِیَ بِہَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْظَمَ مَا یَکُوْنُ وَاَسْمَنَہٗ تَطَأُہٗ بِاَخْفَافِہَا وَتَنْطَحُہٗ بِقُرُوْنِہَا کُلَّمَا جَازَتْ اُخْرَاہَا رُدَّتْ عَلَیْہِ اُوْلٰہَا حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ (صحیحین) حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ، گائے یا بکریوں کا مالک اگر ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، تو قیامت کے دن یہ جانور دنیا کی نسبت زیادہ قد آور اور زیادہ فربہ اس کے سامنے لائے جائیں گے، وہ اس کو سینگوں سے مارتے ہوئے، اور پیروں تلے کچلتے ہوئے گذریں گے، جب آخر والے ختم ہو جائیں گے، تو پہلے پھر اسی طرح گذرنا شروع ہو جائیں گے، اور لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک اس کا یہی حال ہوتا رہے گا۔

ایک دوسری حدیث میں، جو حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے، اس کی زیادہ تفصیل ہے (مشکوٰۃ)

قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللہِ فَالْاِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا وَمِنْ حَقِّہَا حَلَبُہَا یَوْمَ وِرْدِہَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ بُطِحَ لَہٗ بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْفَرَ مَا کَانَتْ لَا یَفْقِدُ مِنْہَا فَصِیْلًا وَاحِدًا تَطَؤُہٗ بِاَخْفَافِہَا وَتَعَضُّہٗ بِاَفْوَاہِہَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ اُوْلٰہَا رُدَّ عَلَیْہِ اُخْرٰہَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ

فَیُرٰی سَبِیْلُہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ فَقَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ بُطِحَ لَہٗ بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَا یَفْقِدُ مِنْہَا شَیْئًا لَیْسَ فِیْہَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُہٗ بِقُرُوْنِہَا وَتَطَؤُہٗ بِاَظْلَافِہَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ اُوْلٰہَا رُدَّ عَلَیْہِ اُخْرٰہَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلُہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اموال سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق وعید بیان فرما رہے تھے، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جو مالک اپنے اونٹوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، اور ان کے نفلی حقوق میں سے پانی پینے کے دن ان کا دودھ دوہ کر غرباء میں تقسیم کرنا بھی ایک حق ہے، قیامت کے دن اسے ان کے سامنے ایک چٹیل میدان میں منہ کے بل لٹا دیا جائے گا، اور وہ اونٹ دنیا کی نسبت بہت موٹے تازے ہوں گے، ان میں سے ایک بچہ بھی غائب نہیں ہوگا۔ وہ اسے پیروں تلے روندیں گے، اور دانتوں سے کاٹیں گے، جب ایک دفعہ پوری قطار اس پر گذر جائے گی تو پلٹ کر آخر کی طرف سے پھر اس پر مخالف سمت کو گذرنا شروع کر دیں گے، اور لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک، پچاس ہزار سال کے دن میں اس کا یہی حشر ہوتا رہے گا، پھر معلوم نہیں کہ اس کو جنت کا راستہ دکھایا جائے گا، یا جہنم کا، پھر کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ! گائیوں اور بکریوں کے متعلق فرمایئے، ان کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا، گائیوں اور بکریوں کا مالک بھی اگر ان کی زکوٰۃ نہیں دے گا، تو قیامت کے دن ان کے آگے چٹیل میدان میں منہ کے بل گرا دیا جائے گا، سب گائیں اور بکریاں موجود ہوں گی، ان میں سے کوئی گائے یا بکری غائب نہیں ہوگی، ان میں کوئی گائے یا بکری خمیدہ سینگوں والی نہیں ہوگی، نہ کوئی بغیر سینگوں کے ہوگی۔ اور نہ کسی کے سینگ ٹوٹے ہوں گے، وہ سب اسے اپنے سینگوں سے ماریں گی، اور کھروں سے کچلیں گی، جب ایک دفعہ پوری قطار اس پر گذر جائے گی، تو پلٹ کر آخر کی طرف سے پھر اس پر گذرنا شروع کر دیں گی، لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک پچاس ہزار سال کے دن میں اس کا یہی حال ہوتا رہے گا، پھر معلوم نہیں، کہ اسے جنت کا راستہ دکھایا جائے گا یا جہنم کا۔

وہ بہائم جن کی زکوٰۃ لی جاتی ہے

جن بہائم (چوپائے جانوروں) کی زکوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے وصول کی ہے، اور آج تک اس پر تمام مسلمانوں کا عمل ہے تین قسم پر ہیں، اونٹ، گائے، بکری۔

واضح رہے، کہ زکوٰۃ میں بھینس گائے کی، اور بھیڑ، دنبہ، بکری کی قسم شمار ہوتے ہیں، اس لئے ان کا نصاب

اور زکوٰۃ وہی ہے، جو گائے، اور بکری کا ہے، اب تینوں قسم کے جانوروں کی زکوٰۃ درج ذیل جدولوں میں ملاحظہ فرمالیجئے:۔

اونٹ کی زکوٰۃ کا جدول

تعداد	زکوٰۃ
۵ سے ۹ تک	ایک بکری
۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکری
۱۵ سے ۱۹ تک	تین بکری
۲۰ سے ۲۴ تک	چار بکری
۲۵ " ۳۵ "	ایک بنت مخاض (۱ سال کی اونٹنی)
۳۶ " ۴۵ "	ایک بنت لبون (۲ سال کی اونٹنی)
۴۶ " ۶۰ "	ایک حِقہ (۳ سال کی اونٹنی)
۶۱ " ۷۵ "	ایک جذعہ (۴ سال کی اونٹنی)
۷۶ " ۹۰ "	۲ بنت لبون۔
۹۱ " ۱۲۰ "	۲ حقہ۔

۱۲۰ کے آگے ہر دس کے بعد کل تعداد چالیس اور پچاس کے دو ہندسوں پر تقسیم ہو جاتی ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاِنْ زَادَتْ عَلٰی مِائَۃٍ وَّعِشْرِیْنَ فَفِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِیْ کُلِّ خَمْسِیْنَ حِقَّۃٌ۔ یعنی اگر اونٹ ۱۲۰ سے بڑھ جائیں، تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ ہے، آئندہ بھی یہی حساب ہزاروں لاکھوں تک جاری رہے گا، کسی موقعہ پر بھی ابتدائی نصاب کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ بعض ائمہ کا مذہب ہے، مثلاً ۱۲۰ پر ۱۰ اونٹ زیادہ ہوئے، تو ۱۳۰ ہو جائیں گے، یہ دو دفعہ ۴۰، اور ایک دفعہ ۵۰ پر تقسیم ہو جاتے ہیں، اس لئے ان میں دو بنت لبون اور ایک حقہ زکوٰۃ ہوگی، اور ۱۴۰ دو دفعہ ۵۰، اور ایک دفعہ ۴۰ پر تقسیم ہو جاتے ہیں، اس لئے ان میں دو حقے اور ایک بنت لبون دینا ہوگی، اور ۱۵۰ تین دفعہ ۵۰ پر تقسیم ہو جاتے ہیں، لہٰذا ان میں تین حقے ہونگے وعلیٰ ہذا القیاس۔

نوٹ:۔ اگر زکوٰۃ میں بنت مخاض (ایک سال کی اونٹنی) آتی ہو، اور وہ مالک کے پاس نہیں ہے، اس کے پاس ابن لبون (دو سال کا نر اونٹ) ہے تو وہی لے لیا جائے گا، اور مالک کو کچھ واپس نہیں دیا جائے گا، اور اگر اس کے

۱؎ بکری اگر بھیڑ یا دنبہ کی قسم سے دی جائے، تو جذعہ (ایک سال کی) کفایت کر سکتی ہے، اور اگر بکری کی قسم سے دی جائے، تو مسنہ (جس کے دو دانت ٹوٹ کر آگ چکے ہوں) ضروری ہے، نیز مادہ لی جائے گی، نر قبول نہیں کیا جائے گا ۱۲۔

پاس بنت لبون (دو سال کی اونٹنی) ہے تو وہ بھی قبول کر لی جائے گی، مگر اب عامل مالک کو ۲ بکریاں یا ان کی قیمت واپس کرے گا، اسی طرح اگر زکوٰۃ میں بنت لبون آتی ہے، اور وہ موجود نہیں، تو اس کی جگہ بنت مخاض قبول کر لی جائے گی، لیکن اب مالک کو اس کے ساتھ دو بکریاں یا ان کی قیمت دینا ہوگی، اس سے آگے بھی زکوٰۃ میں لئے جانے والے جانور کی عمر ایک سال کی کمی بیشی کی صورت میں اس طریقہ پر عمل کیا جائے گا، اگر عمر ایک سال کم ہوئی، تو مالک کو اس کے ساتھ ۲ بکریاں یا ان کی قیمت دینا پڑے گی، اور اگر عمر ایک سال زیادہ ہوئی، تو عامل کو یہی کچھ دینا پڑے گا

ملحوظہ ایک سال کی اونٹنی کے عوض دو سال کا نر لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ کسی صورت میں اونٹوں کی زکوٰۃ میں نر قبول نہیں کیا جائیگا، ہمیشہ مادہ ہی لی جائے گی۔

(۲) گائے کی زکوٰۃ

۳۰ سے ۳۹ تک	تبیع یا تبیعہ (ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی)
۴۰ " ۵۹ "	مسن یا مسنہ (۲ سال کا نر یا مادہ جس کے دودھ کے دانت ٹوٹ چکے ہوں)
۶۰ " ۶۹ "	۲ تبیع یا ۲ تبیعہ

اونٹوں کی طرح یہاں بھی ۶۰ سے آگے ہر دس کے بعد کل تعداد ۳۰، اور ۴۰ کے دو ہندسوں پر تقسیم ہو جاتی ہے، للہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق يَأْخُذُ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعًا أَوْ تَبِيْعَةً وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً (مغنی ابن قدامہ ومشکوٰۃ بحوالہ سنن ابی داؤد) یعنی ہر عامل ۳۰ گائیوں سے ایک سال کا نر یا مادہ اور ۴۰ سے مسنہ لے۔ ۷۰ سے ایک ایک سال کا نر یا مادہ اور ایک دو سال کا نر یا مادہ لیا جائے گا، ۸۰ سے ۲ سال کے نر یا مادہ، اور ۹۰ سے ۹۹ تک، ۳ ایک سال کے نر یا مادہ وعلی ہذا القیاس۔

نوٹ:۔ گائے کی زکوٰۃ میں صرف تبیع اور مسن مقرر ہے، دوسرے کسی عمر کے جانور کا ذکر نہیں۔ ہاں مالک اپنی خوشی سے بڑی عمر کا جانور دے، تو جائز ہے اس میں نر اور مادہ کا کوئی امتیاز نہیں، بعض علماء کہتے ہیں، کہ مسنہ ہر حالت میں مادہ ہی ہونی چاہیئے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں مسنہ ہی کا ذکر ہے، مسن کا نہیں، مگر یہ درست نہیں طبرانی میں ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث میں مسن کا ذکر موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فِيْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعٌ وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنٌّ أَوْ مُسِنَّةٌ (مرعاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۶۹) للہٰذا مختار یہی ہے، کہ اونٹ کی طرح زکوٰۃ میں لی جانے والی گائے میں نر و مادہ کا فرق نہیں ہے، جو موجود ہو، مالک ادا کر سکتا ہے،

ملحوظہ دو نصاب کے درمیان واقع ہونے والے عدد وقص کہلاتے ہیں، مثلاً ۳۰ اور ۴۰ کے درمیان، اسی طرح ۴۰ اور ۶۰ کے درمیان (وعلیٰ ہذا القیاس) ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ۴۰ پر ایک گائے بڑھ جائے گی، تو اس میں مسنہ کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا پڑے گی، اگر مسنہ کی قیمت چالیس روپے ہے، تو ۴۰ کے بعد ایک گائے میں ایک روپیہ دینا پڑے گا، اسی طرح گائیں جتنی زیادہ ہوں گی، اتنے روپے دینے پڑیں گے، مگر یہ حدیث پاک کی تصریحات کے خلاف ہے، اس لئے صاحبین نے بھی امام صاحب کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔

(۳) بکریوں کی زکوٰۃ

تعداد	زکوٰۃ
۴۰ سے ۱۲۰ تک	ایک بکری
۱۲۱ 〃 ۲۰۰ 〃	۲ 〃
۲۰۱ 〃 ۳۰۰ 〃	۳ 〃

اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے گی، چنانچہ ۳۹۹ میں بھی ۳ بکریاں ہیں، جیساکہ ۳۰۰ میں تین بکریاں ہیں، ۴۰۰ پوری ہوں گی، تو ۴ بکریاں دینا پڑتی ہیں، ۵۰۰ ہوں گی، تو ۵ بکریاں ہوں گی، اور ۵۰۰ سو سے کم ہوں گی، تو زکوٰۃ میں ۴ ہی بکریاں فرض ہوں گی، وعلیٰ ہذا القیاس، اس کے آگے جتنے سینکڑے پورے ہوں گے، اتنی بکریاں دی جائیں گی، جو سینکڑہ کم ہوگا، اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی،

ملحوظہ بکریوں میں بچے بھی شمار ہوں گے، مگر بچے زکوٰۃ میں قبول نہیں کئے جائیں گے، زکوٰۃ میں صرف بھیڑ جذعہ (ایک سال کی) یا بکری مسنہ لی جائے گی،

زکوٰۃ میں کیسا جانور لیا جائے

مصدق سارے مال کو اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط تین درجوں میں تقسیم کرے، اور متوسط درجہ سے زکوٰۃ لے، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان فَاِیَّاکَ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِہِمْ (مشکوٰۃ از صحیحین) کے مطابق اعلیٰ قسم کا مال لینا منع ہے، اسی طرح آپ کے دوسرے فرمان وَلَا تُخْرَجُ فِی الصَّدَقَۃِ ہَرِمَۃٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَیْسٌ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ الْمُصَدِّقُ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح البخاری) کے مطابق کوئی بوڑھا عیب دار اور سانڈھ قبول نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر مصدق (عامل) ان تینوں قسم کے جانور لینے میں فقراء و مساکین کا بھلا سمجھے، تو لے سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مالک اپنی رضامندی اور خوشی سے اعلیٰ قسم کا جانور دینا چاہے، تو دے سکتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک دفعہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے

کے لئے عامل بنا کر بھیجا، میں اونٹوں کے ایک مالک کے پاس گیا، اور اسے زکوٰۃ دینے کے لئے کہا، اس نے میرے سامنے لاکر اپنے سارے اونٹ جمع کر دیئے، میں نے شمار کر کے کہا، ان کی زکوٰۃ ایک بنت مخاض بنتی ہے، اس پر وہ کہنے لگا، اس کو لے کر کیا کرو گے، نہ یہ سواری کے قابل ہے، اور نہ ہی دودھ دے سکتی ہے، اس کی بجائے یہ موٹی، تازہ، جوان اور قدآور اونٹنی لے جاؤ، میں نے کہا میں یہ بغیر اجازت نہیں لے سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں قریب ہی ہیں، اگر تم چاہو، تو میرے ساتھ چلو، اور یہ اونٹنی آپ پر پیش کرو، اگر آپ نے اجازت دے دی، تو میں قبول کر لوں گا، ورنہ رد کر دوں گا، چنانچہ ہم دونوں وہ اونٹنی ساتھ لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس نے کہا، یا رسول اللہ! آج تک اللہ تعالیٰ کے رسولؐ یا ان کے عامل میرے پاس زکوٰۃ لینے کے لئے نہیں آئے، آج پہلا موقعہ ہے، کہ آپ کے یہ عامل آئے ہیں، اور مجھ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا ہے، میں نے اپنا سارا مال ان کے سامنے لاکر جمع کر دیا، انہوں نے کہا، اس سارے مال کی زکوٰۃ ایک بنت مخاض ہے، میں نے عرض کیا، یہ سواری اور دودھ دینے کے قابل نہیں، اس کی بجائے یہ موٹی، تازہ، جوان اونٹنی لے جاؤ، مگر یہ نہیں مانے، اب میں اسے لے اللہ کے رسول! آپ کی خدمت میں لایا ہوں، آپ اسے قبول فرمایئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے مال کی زکوٰۃ تو وہی بنت مخاض ہے، جو ہمارے عامل نے بتائی ہے، اب اگر تم اپنی مرضی سے یہ اونٹنی دینا چاہتے ہو، تو ہم قبول کر لیتے ہیں، اس کا اجر تم اللہ سے پاؤ گے، وہ بولا یہ لیجئے! اسی لئے تو میں اسے لایا ہوں، آپ نے اسے قبول کرنے کا حکم دیا، اور اس کے مال میں برکت کی دعا فرمائی (ابوداؤد)

مسند امام احمد میں ہے، کہ عمارہ نے کہا، میں حضرت معاویہ رضؓ کے زمانہ میں زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل مقرر تھا، اس وقت اس کے اونٹ بڑھ کر ۱۵۰۰ ہو چکے تھے، چنانچہ میں نے اس سے ۳۰ حقے زکوٰۃ وصول کی، شارح کہتے ہیں یہ اس کے جود و سخا، اخلاص اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں اتنی برکت عطا فرمائی (الفتح الربانی الترتیب مسند الامام احمد الشیبانی ص۲۲۸ ج۸)

ایک ہی قسم کا مال ہو تو اس کا حکم

اگر کسی کا مال اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط تین درجوں میں تقسیم نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے پاس صرف اعلیٰ یا صرف ادنیٰ یا صرف متوسط ہے، اسی طرح اس کے پاس صرف مذکور یعنی نر ہیں، مادہ نہیں ہے، تو ان سب صورتوں میں اس سے اسی قسم کا جانور لیا جائے گا، جو اس کے پاس موجود ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ، ادنیٰ سے ادنیٰ اور مذکور سے نر ہی قبول کر لیا جائے گا، یہاں متوسط اور مادہ کی پابندی نہیں ہے،

مال مخلوط کسے کہتے ہیں

اگر دو یا زیادہ آدمیوں کے علیحدہ علیحدہ مویشی (اونٹ، گائے، بکری) ہوں، لیکن انہوں نے ان کے چرانے کے لئے ایک چرواہا مقرر کر رکھا

ہے، رات کے وقت ان کو ایک ہی باڑہ میں بند کرتے ہیں، نیز ان کی چراگاہ، پانی پلانے کا آلہ، اور نسل کشی کے لئے سانڈ بھی ایک ہے، تو یہ مال مخلوط ہے، اور ان کے مالکوں کو دو ہوں، تو خلیطین، اور دو سے زیادہ ہوں، تو خلطاء کہتے ہیں،

مالِ مخلوط (مشترکہ) کی زکوٰۃ کا طریقہ

سارے شریک کاروں کا مال مل کر نصاب کو پہنچے، یا ان میں سے ہر ایک کا پورا پورا نصاب ہے، مگر اس کو مخلوط کئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے، تو مصدق اس سے اس طرح زکوٰۃ لے گا، جیسے یہ ایک آدمی کا مال ہے، سب مال کو شمار کرے گا، اور اس پر جو زکوٰۃ آئے گی وصول کرے گا، پھر یہ خلیط (جن کا مال مشترک ہو) اپنے اپنے حصہ کے مطابق ایک دوسرے سے حساب لے دے لیں گے، مثال کے طور پر ایک آدمی کی ۲۰ بکریاں اور دوسرے کی ۴۰ ہیں، ان دونوں کو اپنا مال مخلوط کئے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے، تو مصدق ۶۰ بکریوں سے زکوٰۃ کی ایک بکری لے گا، اب اگر یہ بکری ۲۰ والے کی ہے، تو وہ اپنے ساتھی سے اس بکری کی دو ثلث قیمت لے گا، اور اگر وہ بکری ۴۰ والے کی ہے، تو وہ دوسرے سے اس کی ایک ثلث قیمت لے گا، اگر تین آدمی خلیط ہیں، اور ہر ایک کے ملک ہیں ۴۰ بکریاں ہیں تو یہ کل ۱۲۰ ہوئیں، سال کے بعد مصدق ان سے ایک بکری لے گا، مال چونکہ تینوں کا برابر ہے، اس لئے جس کی بکری جائے گی، وہ اپنے دونوں ساتھیوں سے دو ثلث قیمت وصول کرے گا، اس طرح ہر ایک کو ثلث بکری زکوٰۃ پڑی، یہ اختلاط کا فائدہ ہے، اگر وہ باہم خلیط نہ ہوتے، تو ان کو تین بکریاں زکوٰۃ دینا پڑتی، امام مالکؒ کے نزدیک خلیطین یا خلطاء میں سے ہر ایک کا مال نصاب کو پہنچے، تو سب پر زکوٰۃ ہے، اور جس کا مال نصاب کو نہ پہنچے، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں مثلاً دو آدمیوں کی ۴۰، ۴۰ بکریاں ہیں، اور ایک کی بیس ہیں، سب مل کر ۱۰۰ ہو گئیں، ان میں ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے گی، اور یہ ان دونوں پر ہوگی جن کی ۴۰، ۴۰ بکریاں ہیں، ۲۰ بکری والے پر زکوٰۃ نہیں (موطا شریف)

اس کے برعکس امام شافعیؒ، امام احمدؒ، عطاءؒ، اوزاعیؒ، لیثؒ اور اسحاق فرماتے ہیں، کہ سب خلطاء کا مال مل کر نصاب کو پہنچ جائے، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، حتیٰ کہ اگر چالیس آدمیوں کی ۴۰ بکریاں ہیں، تو ان میں ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے گی، پھر جس کی بکری جائے گی، وہ دوسروں سے ان کے حصہ کی قیمت وصول کرے گا، یہی مذہب مختار اور احوط ہے، (مرعاۃ المفاتیح)

زکوٰۃ کے خوف سے مال کی جمع اور تفریق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ (بخاری شریف) "یعنی زکوٰۃ کے ڈر سے علیحدہ علیحدہ مال کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو الگ الگ نہ کیا جائے،" آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت مالک اور عامل دونوں کے لئے ہے، کیونکہ اس

سلسلہ میں دونوں سے کمزوری متوقع ہے، مالک کا ڈر تو یہ ہے، کہ زکوٰۃ کہیں واجب نہ ہو جائے یا زیادہ نہ دینی پڑے، جیسے خلیطین کی ۶۰ بکریاں ہیں، مصدق آئے، تو ہر ایک ۳۰ بکریاں لے کر علیحدہ ہو جائے، اس طرح دونوں زکوٰۃ سے بچ گئے، یا دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ۱۰۱ بکری ہے، دونوں کی بکریاں مل کر ۲۰۲ ہوتی ہیں، ان میں تین بکریاں زکوٰۃ واجب ہے، لیکن مصدق کی آمد سنکر علیحدہ کر لیتے ہیں، اب ہر ایک کو ایک بکری دینا پڑے گی، اور ایک بکری کی بچت ہو جائے گی، اسی طرح دو آدمیوں کے پاس الگ الگ ۴۰ بکریاں ہیں، وہ آپس میں خلیط نہیں ہیں، مگر عامل کے پاس اپنے آپ کو خلیط ظاہر کرتے ہیں، اور اپنے علیحدہ علیحدہ مال کو جمع کر کے پیش کرتے ہیں، اس صورت میں انہیں ایک بکری دینا پڑے گی، اور ایک بکری بچ رہے گی، اس قسم کی گھٹیا حرکات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا فرمان میں منع فرمایا ہے، عامل کا ڈر یہ ہے، کہ کہیں زکوٰۃ ساقط یا کم نہ ہو جائے، اس لئے کوشش کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ وصول کرے، یا کم از کم کوئی مال زکوٰۃ لئے بغیر نہ چھوڑے، مثلاً ۳۰، ۳۰ بکریوں کے دو علیحدہ ریوڑوں کو جمع کر کے مخلوط بنا دے، اور ان میں سے ایک بکری زکوٰۃ لے لے، یا خلیطین کی ۱۱۰ بکریوں کو دو برابر حصوں میں بانٹ کر دو بکریاں وصول کرلے، حالانکہ ان میں ایک بکری زکوٰۃ پڑتی تھی، مصدق کے لئے بھی مذکورہ بالا فرمان عالی کے پیش نظر یہ حرکت ناجائز ہے،

جہاں مال ہے عاملِ زکوٰۃ لینے کے لئے وہاں جائے

عامل کے لئے جائز نہیں کہ ایک جگہ بیٹھ جائے، اور سارے علاقے کے لوگوں کو حکم دے کہ اپنے اپنے مال یہاں لا کر زکوٰۃ دو، اسی طرح اصحاب مال کے لئے بھی جائز نہیں، کہ عامل کی آمد سنکر اپنا مال دس بیس میل دور لے جائیں تاکہ عامل مشقت اٹھا کر زکوٰۃ کے لئے وہاں جائے، یہ حدیث پاک میں آیا ہے:-

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُوْرِهِمْ (ابوداؤد) یعنی آپ نے فرمایا کہ عامل ایک جگہ بیٹھ کر علاقے کے مال اپنے پاس نہ منگوائے اور مویشیوں کے مالک اپنا مال دور نہ لے جائیں، بلکہ جہاں کوئی رہتا ہے، اس کی زکوٰۃ وہیں جا کر لی جائے۔

گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ نہیں

اگر کسی کے پاس سواری یا افزائش نسل کے لئے گھوڑے ہیں، جنگل میں چرتے ہوں، یا گھر پہ پلتے ہوں، ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، یہی حال غلاموں کا ہے، ان میں بھی سوائے صدقۃ الفطر کے زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں اگر گھوڑے یا غلام تجارت کے لئے ہیں تو تجارت کے دوسرے مال کی طرح ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر گھوڑے نر و مادہ یا صرف مادہ جنگل میں چرنے والے ہوں، تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ان سے افزائش نسل ہوتی ہے،

اور یہی ان کے پالنے کا مقصد ہے، اگر صرف نر ہوں، تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اس لئے کہ ان سے نسل نہیں بڑھ سکتی پھر مالک کو اختیار ہے، کہ ہر گھوڑے سے ایک دینار زکوٰۃ دے، یا ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم پر پانچ درہم ادا کرے، مگر یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے، صاحبین نے بھی اس میں جمہور کی موافقت کی ہے، اور محققین علماء احناف کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے :-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِیْ عَبْدِهٖ وَلَا فِیْ فَرَسِهٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَیْسَ فِیْ عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ اِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ (صحیحین)

یعنی "حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں، ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا اس کے غلام میں صدقۃ الفطر کے سوا کوئی زکوٰۃ نہیں "

گدھے اور خچر گدھے اور خچر عموماً مال برداری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے بحکم لَیْسَ عَلَی الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر افزائش نسل کے لئے پالے جائیں، تب بھی احادیث میں ان کی زکوٰۃ کی تصریح نہیں ہے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، وَقَالُوْا فَالْحُمُرُ کہ یارسول اللہ گدھوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے، تو آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ :-

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهَا شَیْئًا اِلَّا هٰذِهِ الْاٰیَةَ الْجَامِعَةَ الْفَاذَّةَ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (مسلم شریف) یعنی ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بجز ایک ہی جامع آیت کے (جو ہر قسم کی نیکی اور برائی کو شامل ہے) کوئی خاص حکم نہیں اتارا کہ جو شخص ذرہ کے برابر نیکی کرے گا، وہ اس کا ثمرہ پائے گا، اور جو شخص ذرہ کے برابر برائی کرے، وہ بھی اس کا اثر ضرور دیکھے گا، مطلب یہ ہے، کہ گدھوں اور خچروں کا مالک اگر ان کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کرے گا، تو اس کا نفلی صدقہ ہوگا، اور اس کا اجر رائیگاں نہیں جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض مَرْفُوْعًا قَالَ عَفَوْتُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْجَبْهَةِ وَالْكُسْعَةِ وَالنُّخَّةِ قَالَ بَقِیَّةُ الْجَبْهَةُ الْخَیْلُ وَالْكُسْعَةُ الْبِغَالُ وَالْحَمِیْرُ وَالنُّخَّةُ الْمُرَبِّیَاتُ فِی الْبُیُوْتِ (البیہقی بحوالہ مرعاۃ المفاتیح ص۹ ج۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے لئے گھوڑے، گدھے، خچر اور گھر میں پلنے والے جانوروں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے، ہاں اگر کوئی شخص ان جانوروں کی تجارت کرے، تو ان میں تجارتی مال کی حیثیت سے زکوٰۃ فرض ہے۔

عامل کی رضامندی اور اس سے متعلقہ تفصیل

ارباب مال کو چاہیئے کہ زکوٰۃ وصول کرنیوالے (عاملوں) کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں، ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کریں، اور وصولی زکوٰۃ کی راہ میں مشکلات پیدا نہ کریں، کیونکہ عامل کو خوش وخرم لوٹانا تکمیل زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَيَأْتِيكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُونَ فَإِذَا جَاؤُكُمْ فَرَحِّبُوا بِهِمْ وَخَلُّوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُونَ فَإِذَا عَدَلُوا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوا فَعَلَيْهِمْ وَأَرْضُوهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكَوٰتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوا لَكُمْ (ابوداؤد) تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے اچھوٹے چھوٹے ناپسندیدہ قافلے آیا کریں گے، جب وہ آئیں، تو انہیں مرحبا اور خوش آمدید کہو، اور جو کچھ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں تم سے طلب کریں، انہیں لینے دو، اگر عدل کریں گے، تو انہیں ثواب ہوگا، اور اگر ظلم کریں گے، تو اس کی سزا پائیں گے، تم ان کو راضی کیا کرو، ان کے خوش ہونے سے تمہاری زکوٰۃ پوری ہوگی، ورنہ ادھوری رہے گی، اور زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد انہیں تمہارے حق میں خیر و برکت کی دعا کرنی چاہیئے۔

نیز آپ نے فرمایا: إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ (مسلم) جب عامل تمہارے پاس زکوٰۃ لینے آئے تو اس سے ایسا برتاؤ کرو کہ وہ تم سے خوش ہو کر واپس جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَنَا فَيَظْلِمُونَنَا فَقَالَ أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ ظَلَمُونَا قَالَ أَرْضُوا مُصَدِّقِيكُمْ وَإِنْ ظُلِمْتُمْ (ابوداؤد) "حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے، کہ دیہات کے رہنے والے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور کہا آپ کے فرستادہ زکوٰۃ وصول کرنے والے (عامل) ہمارے پاس آتے ہیں، وہ ہم پر ظلم کرتے ہیں، اور واجب حق سے بڑھ کر زکوٰۃ لیتے ہیں، یہ سنکر آپ نے فرمایا: زکوٰۃ لینے والوں کو خوش کیا کرو، وہ کہنے لگے، یا رسول اللہ! خواہ وہ ہم پر ظلم کریں، فرمایا: زکوٰۃ لینے والوں کو خوش کیا کرو، اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے"

لیکن یہ بات خاص ذہن میں رہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل قطعاً ظلم نہیں کرتے تھے، اور نہ حق سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے، جیسے کہ اس کی ایک روشن مثال پہلے بیان ہو چکی ہے، اور آپ کے سب عامل (تحصیلدار) ایسے ہی تھے، لیکن چونکہ انسان حب مال اور طبعی بخل کی وجہ سے چاہتا ہے، کہ اسے یا تو سرے سے کچھ دینا ہی نہ پڑے، یا کم سے کم دینے سے خلاصی ہو جائے، اس لئے پورا شرعی حق وصول کرنے کو بھی اپنے حق میں ظلم اور زیادتی سمجھتا ہے، اور پورا پورا حق لینے والے عامل سے بلاوجہ بغض رکھتا ہے، اور

اسے ناپسند کرتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ آپ نے ان کی شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا، اور نہ اسے قابل التفات سمجھا ہے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے فرستادہ عامل زکوٰۃ وصول کرتے کے سلسلہ میں ہرگز ہرگز زیادتی نہیں کرتے ہیں۔

اس کی کچھ مثالیں حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں، مختصراً ایک مثال ملاحظہ فرمائیے سوید بن غفلہ فرماتے ہیں، کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق آیا، میں نے اسے کہتے ہوئے سنا کہ مجھے ہدایت کی گئی ہے، کہ میں کوئی دودھ پینے والا جانور زکوٰۃ میں نہ لوں، اور نہ علیحدہ علیحدہ مال کو جمع کروں، اور نہ اکٹھے مال کو الگ الگ کروں اس مصدق کو ایک آدمی نے اپنے اونٹوں کی زکوٰۃ میں ایک بڑی کوہان والی موٹی تازی اونٹنی لا کر دی، اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے مال سے بہترین اونٹنی قبول کریں، مگر مصدق نے لینے سے انکار کر دیا، پھر وہ اس سے کم درجہ کی اونٹنی لایا، مصدق نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا، پھر وہ اس سے بھی کم درجہ کی اونٹنی لایا، مصدق نے وہ قبول کر لی، اور کہا اب بھی مجھے ڈر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوں گے، اور فرمائیں گے، تم ایک مسلمان کا بہترین مال لے آئے ہو (ابوداود)

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں، کہ اگر کوئی عامل فی الواقع ہٹ دھرمی کرتا ہے، اور حق سے زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے، تو اسے من مانی کاروائی کرنے کی کھلی چھٹی ہے، بلکہ اسے ایسا کرنے سے روکا جائے گا، اور اس کا یہ فعل حاکم اعلیٰ کے نوٹس میں لایا جائے گا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ایسی صورت میں حق سے زیادہ نہ دیا جائے،

کیا ظلم عامل کے خوف سے کچھ مال چھپا لیا جائے

کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا، کہ عامل کے فرضی ظلم سے بچنے کے لئے کچھ مال چھپالے، مثلاً ایک شخص کے پاس ۱۲۰ بکریاں ہیں، سال کے بعد اس میں ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑتی ہے، وہ ڈرتا ہے کہ عامل اس سے دو بکریاں وصول کرے گا، اس لئے وہ عامل کے سامنے صرف ۴۰ بکریاں پیش کرتا ہے، اور ۸۰ بکریاں چھپا لیتا ہے، تاکہ اسے ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے، جو درحقیقت اس کے مال کی زکوٰۃ ہے، ایسا کرنا ناجائز ہے، ایک حدیث میں ہے، کہ صحابہ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَصْحَابَ الصَّدَقَۃِ یَعْتَدُوْنَ عَلَیْنَا اَفَنَکْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا یَعْتَدُوْنَ قَالَ لَا (رواہ ابوداود) یارسول اللہ زکوٰۃ لینے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں، اور اصل حق سے زیادہ مانگتے ہیں (مثلاً ۱۲۰ بکریوں سے ۲ بکریاں مانگتے ہیں) اگر اجازت ہو تو جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں، اس کے مطابق ہم اپنا مال چھپالیں (تاکہ پوری پوری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے، اور ہم ظلم سے بھی محفوظ رہیں، جیسے ۱۲۰ بکریوں میں سے ۸۰ بکریاں چھپالیں) آپ نے فرمایا، نہیں اس کی اجازت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح مال چھپانے کو ناجائز قرار دے کر ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ

بند فرمادیا، ورنہ اکثر لوگ عمال کی زیادتی کا بہانہ بنا کر اپنا اپنا مال چھپا لیتے، اور بہت کم زکوٰۃ وصول ہوتی، اور یوں نظام زکوٰۃ کا پورا ڈھانچہ غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا، رہا عوام کو ظالم عامل کی دستبرد سے بچانے کا مسئلہ تو اس کا حل یہ ہے کہ اگر عوام میں اتنا شعور ہے، کہ وہ زکوٰۃ کے مسائل جانتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ عامل واقعی ظلم کر رہا ہے، اور اپنے حق سے زیادہ مانگ رہا ہے، تو وہ اس کو دلائل و براہین کے ذریعہ صحیح صحیح زکوٰۃ لینے پر مجبور کریں، اور اسے حق سے زیادہ ہرگز نہ دیں، لیکن اگر ظلم و ستم سے باز نہ آئیں، تو اس کا معاملہ اسلامی حاکم اعلیٰ کے روبرو پیش کریں۔

شریعت کے مطابق زکوٰۃ لینے والا عامل

جو عامل حق پر قائم رہے، صدقہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں کسی نوع کی خیانت اور بددیانتی کا ارتکاب نہ کرے ارباب اموال سے واجب حق سے زیادہ وصول نہ کرے، اور نہ کوتاہی سے کام لے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجاہد اور غازی کی طرح اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا ہے، غازی کی طرح یہ بھی گھر سے جانے کے وقت سے واپسی تک برابر اجر و درجہ پاتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِي فِي سَبِيلِ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ (سنن ابی داؤد)

مال مستفاد کی تعریف اور حکم

اگر کسی آدمی کو زکوٰۃ دیتے ہوئے (مثلاً) نصف سال گذر چکا ہے، پھر اسے وراثہ یا ہبہ کی صورت میں کچھ اور مال مل جاتا ہے، یا وہ نیا مال خرید لیتا ہے، تو اس کو مال مستفاد کہتے ہیں، جیسے ایک آدمی کے پاس ۸۰ بکریاں ہیں، زکوٰۃ دینے کے چھ مہینے بعد اسے ۴۰ بکریاں ورثہ میں مل جاتی ہیں، تو یہ ۴۰ بکریاں مال مستفاد ہوں گی، اب سوال یہ ہے، کہ اس مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے سال کے ساتھ ادا کی جائے، یا سال پورا ہونے کے بعد، اس میں اختلاف ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

مال مستفاد کی مختلف صورتیں

الف:۔ مال مستفاد پہلے مال سے حاصل ہوا ہے، مثلاً ۱۰۰ بکریوں کی زکوٰۃ ادا کی گئی، پھر اگلا سال آنے تک وہ بچے دے کر ۲۰۰ ہو گئیں، یا تجارتی مال کی صورت میں ۱۰۰۰ روپے کی زکوٰۃ ادا کی، اگلا سال پورا ہونے تک نفع وغیرہ مل کر وہ ۲۰۰۰ روپے ہو گیا۔

ب:۔ مال مستفاد پہلے مال کی قسم سے نہیں ہے، جیسے کسی کے پاس ۱۰۰ بکریاں تھیں، چھ ماہ کے بعد اسے ۴۰ اونٹ ورثہ یا ہبہ میں مل گئے۔

ج:۔ مال مستفاد پہلے مال کی قسم سے نہیں ہے، جیسے کسی کے پاس پہلے ۱۰۰ بکریاں تھیں، سات آٹھ ماہ

کے بعد اسے مزید ۔۔ ابکریاں ورثہ یا ہبہ میں مل گئیں ۔

پہلی صورت میں بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ دی جائے گی، اس کے لئے علیحدہ سال کا انتظار نہ کیا جائے گا۔

دوسری صورت میں سب کے نزدیک بالاتفاق مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ نہیں دی جائے گی، بلکہ اس کے لئے الگ سال پورا کیا جائے گا، جب اس کا سال پورا ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی ،

تیسری صورت میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ ادا کی جائے گی، اس کے لئے الگ سال اور علیحدہ حساب کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے ائمہ کرام اور محدثین عظام فرماتے ہیں، کہ اس صورت میں الگ سال پورا ہونے کے بعد مال مستفاد کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اس کو پہلے مال میں شامل نہیں کیا جائے گا، اور یہی مذہب حق اور صحیح ہے، حدیث پاک اس کی تائید کرتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَکٰوۃَ عَلَیْہِ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ (ترمذی) یعنی جس کو مال مستفاد ملے، وہ سال گزرنے کے بعد اس کی زکوٰۃ دے ۔

۲۔ سونا، چاندی یا نقدی کی زکوٰۃ

جن چار قسم کے مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے، ان میں دوسری قسم سونا، چاندی ہے، اور اسی کے حکم میں نقدی ہے، ان میں زکوٰۃ کی فرضیت کتاب وسنت سے ثابت ہے جو اس سے انکار کرے، وہ کافر ہے، اسے اس سے فوراً توبہ کرنا چاہیئے، ورنہ شرعاً مستوجب قتل ہے، اور جو انکار نہ کرے، اور ادا بھی نہ کرے، وہ فاسق ہے،

نقدی کی زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر وعید

اس کے متعلق قرآن اور حدیث میں سخت وعید آئی ہے، جس سے بچنا ایک سچے مسلمان کا فرض ہے، حدیث شریف میں آیا ہے،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من صاحب ذھب ولا فضۃ لا یؤدی منہا حقہا الا اذا کان یوم القیامۃ صُفِّحَتْ لَہٗ صفائح من نار فاحمی علیہا فی نار جہنم فیکوی بہا جنبہ وجبینہ وظہرہ کلما رُدّت اعیدت لہٗ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ حتی یقضی بین العباد فیری سبیلہٗ اِمّا الی الجنۃ واما الی النار الخ (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرۃ رض روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے چاندی کا جو مالک ان کا حق ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کے لئے اس سونے چاندی کی چوڑی چوڑی سلاخیں بنائی جائیں گی پھر انہیں جہنم میں آگ کی

طرح سرخ کیا جائے گا، اور ان سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے، جب وہ سرد پڑ جائیں گے، تو جہنم کی آگ میں گرم کر کے دوبارہ داغ دینے شروع کئے جائیں گے، اور لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک پچاس ہزار سال کے دن میں اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا، اس کے بعد اسے جہنم کا راستہ دکھایا جائے گا، یا جنت کا۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی تائید اس طرح نازل فرمائی:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (توبہ) "جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں، جس دن ان کے اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں، اور پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا، یہ وہی مال ہے، جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا اب اپنے جمع کئے ہوئے مال کا مزا چکھو۔"

ان تین اعضاء کو داغ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت مند سوال کرتا ہے، تو سب سے پہلے کراہت اور ناپسندیدگی کے آثار ان کے چہروں میں ظاہر ہوتے ہیں، اپنی پیشانیوں پر شکن ڈالتے ہیں، اور تیوری چڑھا کر سائل کو غضب ناک نظر سے دیکھتے ہیں، تاکہ وہ اپنا حق طلب کرنا چھوڑ دے، اگر ضرورت مند زیادہ توجہ دلائے، تو پہلو بدل کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اگر سائل نے پھر جرأت سے کام لیا، تو پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں، یہ اللہ کے انعام اور فضل کی انتہائی ناسپاسی ہے، جس کا ارتکاب عموماً بخیل سرمایہ دار کرتے ہیں، بخاری شریف میں ہے:۔

مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ فَيَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ وَاَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال (سونا، چاندی) دیا ہو، اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایک نہایت زہریلے سانپ کی شکل دی جائے گی، اور طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ اس کے منہ پر دونوں جانب ڈنگ مارے گا، اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں

جسے تو جمع کر کے دنیا میں چھوڑ آیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کرنے والی قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں بخل سے کام لیتے ہیں، وہ ہرگز نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے حق میں بدتر ہے، جس مال کے ساتھ انہوں نے بخل کیا ہے، قیامت کے دن اسے (سانپ بنا کر) ہار کی طرح ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے، وہ سانپ سے ڈر کر بھاگے گا، سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا، حتیٰ کہ وہ تھک ہار کر اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا، اور وہ اسے اونٹ کی طرح چباتا ہوا نگل جائے گا۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے بخیل کو قیامت کے دن قسم قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، کبھی اس کے سیم وزر کی چوڑی چوڑی سلاخیں بنائی جائیں گی، کبھی اس کو زہریلے سانپ کی شکل دی جائے گی، اور اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا، کبھی وہ اس کے آگے دوڑے گا، اور سانپ اس کے پیچھے پیچھے حتیٰ کہ بخیل تھک ہار کر اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا، جسے وہ چبا کر نگل جائے گا، اور پھر اس کے جسم کو کھا جائے گا، جیسا کہ ثُمَّ يَتْبَعُهُ سَائِرَ جَسَدِهِ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

نقدی اور سونے، چاندی کی زکوٰۃ کے تفصیلی احکام

مال کی دیگر اقسام بہائم، اجناس خوردنی اور مال تجارت کی طرح نقدی اور سونے، چاندی کے مالکوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، اور اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، جو شخص نقدی اور سونے، چاندی کے نصاب کا مالک ہے، اور اس پر سال بھی گذر چکا ہے، پھر ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، اور اس سلسلہ میں غفلت اور سستی سے کام لیتا ہے، اس کے لئے قرآن حکیم اور حدیث پاک میں سخت وعید وارد ہوئی ہے، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، یہ مال، دولت محض اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس میں زکوٰۃ ادا کرنا اس انعام کا شکر ہے، اس لئے کسی مسلمان کو اس نعمت کی ناسپاسی کر کے اللہ تعالیٰ کی وعید کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔

سونے چاندی کا نصاب

بہائم اور اجناس خوردنی کی طرح سونے، چاندی کے لئے بھی نصاب مقرر ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

(الف) عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي الذَّهَبِ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ (ابوداؤد)

"حضرت علیؓ کا بیان ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں، اور ان پر سال بھی گذر جائے، تو ان میں زکوٰۃ پانچ درہم ہو گی، اور جب تمہارے پاس بیس دینار سونا ہو، تو سال کے

بعد اس میں نصف دینار زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ''

(ب) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَۃٌ (احمد، بخاری من حدیث ابی سعید)

"جابرؓ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ۵/اوقیہ (۲۰۰ درہم) سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور ۵ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور ۵/وسق، تقریباً ۲۰ من سے کم غلہ میں زکوٰۃ نہیں ہے "

ان اور کتب احادیث میں مروی دیگر بیسیوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ شارع علیہ السلام نے چاندی کے لئے ۲۰۰ درہم اور سونے کے لئے ۲۰ دینار نصاب مقرر کیا ہے، اور ان پر وجوب زکوٰۃ کے لئے ایک سال کی میعاد کو شرط قرار دیا ہے، ۲۰۰ درہم یعنی ۵۲½ تولہ چاندی علماء ہند و پاک کا اس بات پر عموماً اتفاق ہے، کہ ہمارے ہاں کے رائج اوزان کے مطابق ۲۰۰ درہم چاندی کا وزن ۵۲½ تولہ، اور ۲۰ دینار سونے کا وزن ۷½ تولہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے مالک ہر مسلمان کے لئے اس نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، نقدی کی زکوٰۃ چاندی کی قیمت کے مطابق ہوگی، بنا بریں چونکہ اس وقت چاندی کا نرخ ساڑھے تین روپے تولہ ہے، اس حساب سے ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت رائج الوقت شرح کے لحاظ سے تقریباً ۱۸۴ روپے بنتی ہے، اس لئے نقدی کا نصاب ۱۸۴ روپے ہوگا، آج اگر کسی کے پاس اتنی یا اس سے زیادہ نقدی ہو، اور اس پر ایک سال کا عرصہ بھی گزر چکا ہو، تو اس کو اس تمام رقم سے ۲½ فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

کیا نصاب پورا کرنے کیلئے سونا اور چاندی دونوں کو جمع کیا جائے؟

اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی میں سے کسی کا نصاب بھی پورا نہیں ہے، تو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں کو جمع کر کے نصاب پورا کیا جائے، اور اس سے زکوٰۃ ادا کی جائے، لیکن دوسرے ائمہ اس کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک جب تک سونے اور چاندی میں سے ہر ایک الگ الگ نصاب کو نہ پہنچے، زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ان دونوں کو باہم ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جائے گا، اور یہی مذہب صحیح ہے، کیونکہ یہ دونوں دھاتیں علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں، اور اسی وجہ سے ان کی باہمی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، تو ان کے ضم کرنے کے لئے قوی دلائل چاہئیں جو یہاں ناپید ہیں۔

مال ضمار کی تعریف اور اس کا حکم

اگر کسی شخص کا مال اس طرح اس کے ہاتھ سے نکل جائے، کہ اسے معلوم نہیں، کہ وہ اسے واپس ملے گا، یا نہیں، تو وہ مال ضمار

کہلاتا ہے مثلاً جنگل میں کسی جگہ مال دفن کیا، اور جگہ بھول گیا، یا مال سمندر میں ڈوب گیا، یا کسی نے چھین لیا، اور ثبوت نہیں ہے، یا کسی بادشاہ نے ناحق جرمانہ کر دیا، یا کوئی قرض لے کر مکر گیا، اور اس کے پاس گواہ یا تحریر نہیں ہے۔

ان سب صورتوں میں اگر اسے مال مل جائے خواہ کئی سال کے بعد ملے تو ایک سال کی زکوٰۃ دینا ہوگی، ملنے سے پہلے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دینا پڑے گی، امام مالکؒ موطا میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کسی ظالم حاکم سے چھینا ہوا مال مظلوم کو واپس دلوایا، اور لکھا کہ مال کا مالک گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے، لیکن اس کے بعد معاً دوسرا فرمان بھیجا کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ دی جائے، یہ مال ضمار تھا چنانچہ ہدایہ میں ہے:۔

مَنْ كَانَ لَهُ عَلٰى اٰخَرَ دَيْنٌ فَجَحَدَهُ سِنِيْنَ ثُمَّ قَامَتْ بِهٖ بَيِّنَةٌ لَمْ يُزَكِّهٖ لِمَا مَضٰى مَعْنَاهُ صَارَتْ لَهُ بَيِّنَةٌ بِاَنْ اَقَرَّ عِنْدَ النَّاسِ وَهِيَ مَسْاَلَةُ مَالِ الضِّمَارِ ”جس نے کسی سے قرض لینا ہو، اور مقروض کئی سال تک انکار کرتا رہے پھر اس کا ثبوت مل جائے جس کے نتیجہ میں مال وصول ہو جائے، تو وہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، مصنف کہتے ہیں، کہ ثبوت ملنے کا یہ مطلب ہے کہ مقروض کہیں لوگوں کے سامنے اقرار کر بیٹھے، اور یہ مال ضمار کا مسئلہ ہے۔ (ص ۱۶۹ ج ۱)

قرض کی زکوٰۃ

اگر کسی شخص نے کسی کو قرض دیا، اور کئی سال بعد وصول ہوا، تو اس پر ایک سال کی زکوٰۃ ہے، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دینا پڑے گی، اگر اسے نصاب کے مطابق رقم وصول نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے پاس کچھ نقدی یا مال تجارت موجود ہے، جس میں زکوٰۃ واجب ہے، تو قرض کی رقم اس میں جمع کر کے زکوٰۃ دے، اگر اس کے پاس نقدی وغیرہ کچھ نہیں، تو پھر قرض کی وصول شدہ رقم یاد رکھے، اس کے بعد جب اسے اتنی رقم ملے، کہ پہلی اور پچھلی مل کر ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونے کو پہنچ جائے، تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے، پھر جو رقم اسے تھوڑی بہت ملتی جائے حساب کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کرتا جائے۔

اگر کسی مقروض کے پاس اس قدر سامان ہے، کہ اس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ اس کے پاس نصاب کے مطابق نقد روپیہ بھی ہے، تو وہ نقد روپیہ کی زکوٰۃ دے، اگر قرض اتنا زیادہ ہے، کہ نقد اور اسباب دونوں سے پورا ہو سکتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ نہیں (موطا)

یتیم کے مال میں زکوٰۃ

یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، سرپرست پر لازم ہے، کہ ہر سال اس کے مال سے زکوٰۃ ادا کرے، حدیث شریف میں آیا ہے:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيْمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَاْكُلَهُ الصَّدَقَةُ رواه الترمذي (مشكوٰة)

"عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اور فرمایا، لوگو! آگاہ رہو، جس کی زیرنگرانی کوئی مالدار بچہ ہو، وہ اس کا مال تجارت میں لگائے، ایسا نہ ہو کہ اس کو آہستہ آہستہ زکوٰۃ ختم کر دے۔"

نیز موطا میں ہے۔ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِتَّجِرُوْا فِیْ اَمْوَالِ الْیَتَامٰی لَا تَاْکُلُہَا الزَّکٰوۃُ۔

"حضرت عمرؓ نے فرمایا، یتیموں کے مال میں تجارت کرو، اسے زکوٰۃ نہ کھا جائے۔" (موطا)

عَنِ الْقَاسِمِ کَانَتْ عَائِشَۃُ تَلِیْنِیْ وَاَخًا لِیْ یَتِیْمَیْنِ فِیْ حِجْرِھَا فَکَانَتْ تُخْرِجُ مِنْ اَمْوَالِنَا الزَّکٰوۃَ (موطا) "قاسم کہتے ہیں، میں اور میرا بھائی یتیمی کی حالت میں حضرت عائشہؓ کی زیرنگرانی تھے، وہ ہمارے مال سے زکوٰۃ نکالا کرتی تھیں۔"

نیز قاسم یہ بھی کہتے ہیں، کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی زیرسرپرستی یتیموں کا مال تجارت میں لگا رکھا تھا، مذکورہ بالا احادیث اور آثار سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ان میں چھوٹے اور بڑے کے درمیان فرق نہیں کیا گیا، بلکہ ان میں بتایا گیا ہے، کہ غنی پر زکوٰۃ فرض ہے، جہاں غنا پائی جائے گی، زکوٰۃ فرض ہوگی، اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ امام احمدؒ امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے، کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، امام ابوحنیفہؒ اور چند دیگر علماء کہتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے، لیکن یہ مذہب مرجوح ہے، یہ عجیب بات ہے، کہ امام صاحب یتیم کی کھیتی باڑی میں اور باغات کے پھلوں میں عشر واجب بتاتے ہیں، اور اس کے مال میں صدقۃ الفطر کے وجوب کے بھی قائل ہیں، مگر سونے، چاندی میں زکوٰۃ نہیں مانتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں، کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ تو فرض ہے، مگر سرپرست ہر سال کی زکوٰۃ کا حساب محفوظ رکھے، جب لڑکا بالغ ہو، تو اسے بتا دے، کہ تمہارے مال میں گزشتہ سالوں کی اتنی زکوٰۃ واجب الاداء ہے، اب یہ لڑکے کا کام ہے کہ زکوٰۃ دے یا نہ دے، سرپرست خود زکوٰۃ نہیں دے سکتا، یہ مذہب بھی مرجوح ہے، مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر سرپرست کو چاہیے، کہ وہ ہر سال وقت پر زکوٰۃ ادا کرے۔

زیور کی زکوٰۃ

سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے، اس کے متعلق خاص احادیث و آثار کے علاوہ کتاب و سنت کے عموم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (توبہ) "یعنی جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اے رسول! آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔"

حدیث شریف میں ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِی الرِّقَّۃِ رُبُعُ الْعُشْرِ (بخاری) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاندی میں چالیسواں حصہ (۲½ %) زکوٰۃ فرض ہے۔"
وَقَالَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ فَاِذَا بَلَغَ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ "پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، جب ۲۰۰ درہم ہوجائیں، تو ان میں سے ۵ درہم زکوٰۃ واجب ہے۔"

حدیث کے یہ الفاظ ذکر کر کے حافظ ابن حزم لکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں زکوٰۃ ہے، اور سونے چاندی کے زیور بھی سونا چاندی ہیں، ان کو کسی نص اور اجماع نے زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا (المحلی ص‍ـ)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات سے زکوٰۃ نہ دینے پر بڑی وعید بیان فرمائی ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث میں ہے:-
(الف) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَأَۃً اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَھَا اِبْنَۃٌ لَّھَا وَفِیْ یَدِ ابْنَتِھَا مَسَکَتَانِ غَلِیْظَتَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ لَھَا اَتُعْطِیْنَ زَکوٰۃَ ھٰذَا قَالَتْ لَا قَالَ اَیَسُرُّکِ اَنْ یُّسَوِّرَکِ اللّٰہُ سِوَارًا مِّنْ نَّارٍ قَالَ فَخَلَعَتْھُمَا وَاَلْقَتْھُمَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ ھُمَا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (ابوداؤد، نسائی)
"عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، کہ ایک دفعہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، جس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، اس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے، آپ نے پوچھا، اس کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے، کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے بدلہ میں تمہیں آگ کے کنگن پہنائے، راوی کا بیان ہے، کہ یہ سنتے ہی اس نے دونوں کنگن اتار دیئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیئے، اور بولی کہ میں نے یہ دونوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی راہ میں دے دیئے۔"

(ب) عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَھَبٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَکَنْزٌ ھُوَ؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَکوٰتُہٗ فَزُکِّیَ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ رَوَاہُ مَالِکٌ وَاَبُوْدَاؤدَ (مشکوٰۃ)
"حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میں سونے کی پازیبیں پہنا کرتی تھی، میں نے پوچھا، یا رسول اللہ کیا یہ کنز (سونا چاندی جمع کردہ) ہے؟ آپ نے فرمایا جو زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے، اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے، تو وہ کنز نہیں ہے۔"
(ج) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَاٰی فِیْ یَدِیْ فَتَخَاتٍ فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عَائِشَۃُ؟ فَقُلْتُ صَنَعْتُھُنَّ اَتَزَیَّنُ لَکَ بِھِنَّ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَتُؤَدِّيْنَ زَكٰوتَهُنَّ فَقُلْتُ لَا قَالَ هُنَّ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ (ابوداؤد۔ دارقطنی)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، اور میرے ہاتھ میں بڑی بڑی انگوٹھیاں دیکھیں، اور پوچھا عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ زیور میں نے آپ کی خاطر خوبصورتی حاصل کرنے کے لئے بنوائے ہیں، آپ نے فرمایا، ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو، میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا، پھر آگ کی سزا کے لئے تجھے یہی کافی ہیں۔"

واضح رہے کہ یہ روایات صحیح اور قابل حجت ہیں، تفصیل کے لئے عون المعبود، تحفۃ الاحوذی وغیرہ ملاحظہ ہوں،

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زیورات کی زکوٰۃ دینی لازم ہے، ان کی زکوٰۃ نہ دینے والا بڑے خطرے میں ہے، صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ زیورات میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

اور ائمہ دین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول ہے، ہدایہ میں ہے وَفِيْ تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَأَوَانِيْهِمَا الزَّكٰوةُ۔ "سونے چاندی کی ڈلی، ان کے برتنوں اور زیورات میں زکوٰۃ ہے"

امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام اسحاق رحمہ اللہ اور ایک قول میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہ حضرات قیاس اور بعض صحابہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، مگر صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس اور آثار کا قطعاً اعتبار نہیں ہے، کتاب و سنت کے نصوص کی روشنی میں پہلا مذہب راجح اور دوسرا مذہب مرجوح ہے، اس لئے جن لوگوں کے پاس زیورات ہیں، انہیں ہر سال زیورات کی زکوٰۃ بالالتزام ادا کرنی چاہیئے، وہ اپنے زیورات کا وزن کریں، اگر سونے کے زیورات ½۷ تولہ اور چاندی کے ½۵۲ تولہ یا اس سے زیادہ ہو جائیں تو ان کی قیمت سے ½۲ % کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں۔

متفرق مسائل

(۱) جن کے پاس نصاب کے مطابق رقم ہے، پھر سال پورا ہونے تک اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، نصاب سے کم نہیں ہوتی، تو ہر سال پورا ہونے پر ساری رقم میں زکوٰۃ واجب ہو گی، کیونکہ حولان حول کی شرط نصاب کے لئے ہے، دوران سال میں حاصل ہونے والی رقم کے لئے نہیں، جیسے کسی کے پاس ۲۰۰ سو روپیہ ہے، پھر ماہ بماہ اس میں اضافہ ہوتا جائے، حتی کہ سال پورا ہونے تک وہ رقم دو ہزار ہو جاتی ہے، تو دو ہزار کی زکوٰۃ دی جائے گی،

(۲) جو آدمی نقدی یا تجارتی مال کی زکوٰۃ ادا کرے، پھر چھ ماہ بعد اسے ورثہ یا ہبہ کی صورت میں کچھ رقم مل جائے، تو اسے عرف عام میں مال مستفاد کہتے ہیں، تو اس پر پہلے مال کے ساتھ اس کی زکوٰۃ دینی ضروری نہیں، بلکہ اس کی تحویل میں آنے کے ایک سال بعد اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہو گی، ہاں اگر اپنی آسانی

کے لئے پہلے مال کے ساتھ زکوٰۃ دینا چاہے، تو جائز ہے۔

(۳) :- اگر بیوی کا مال الگ ہے، تو اسے اپنے مال کی زکوٰۃ خود ادا کرنا ہوگی۔ شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی نہ صرف یہ کہ وہ اپنے مال کی خود زکوٰۃ ادا کرتی تھیں، بلکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ! میرا خاوند غریب ہے، میں اپنی زکوٰۃ اسے دوں، تو ادا ہو جائیگی آپ نے اثبات میں جواب دیا، اور فرمایا، بیگانوں کو دینے کے بجائے اپنے خاوند کو دینے میں تمہیں دوگنا ثواب ملے گا، ایک زکوٰۃ دینے کا، دوسرا صلہ رحمی کرنے کا۔

(۳) مال تجارت کی زکوٰۃ

ہر قسم کے تجارتی مال میں زکوٰۃ فرض ہے، اور اس کے ادا کرنے کیلئے حولان حول کی شرط ہے، حدیث شریف میں آتا ہے:۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِيْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ (مشکوٰۃ، ابوداؤد) "سمرہ بن جندب کہتے ہیں، کہ جو مال ہم تجارت کے لئے تیار کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا کرتے تھے"۔

ایک شخص حماس نامی رنگے ہوئے چمڑوں، اور تیر محفوظ رکھنے کے لئے ترکشوں کی تجارت کیا کرتا تھا، وہ کہتا ہے۔

اِنَّ عُمَرَ قَالَ لَهٗ قَوِّمْهَا يَعْنِي الْاُدُمَ وَالْجِعَابَ وَاَدِّ زَكَاتَهَا (کتاب الاموال لابی عبید وسنن البیہقی) "امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اس سے کہا ان چمڑوں اور ترکشوں کی قیمت لگاؤ، اور ان کی زکوٰۃ ادا کرو"

ابن قدامہ کہتے ہیں، اس جیسا واقعہ مشہور ہوتا ہے، چونکہ اس پر کسی صحابی کا انکار مروی نہیں، للہذا اس پر اجماع ہوا (المغنی) ہدایہ میں ہے:۔

اَلزَّكٰوةُ وَاجِبَةٌ فِيْ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَّا كَانَتْ اِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَابًا مِّنَ الْوَرِقِ اَوِ الذَّهَبِ (ص ۱۷۷ ج ۱) "زکوٰۃ ہر قسم کے سامان تجارت میں واجب ہے، جب اس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے"۔

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے تجارتی مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے، حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "معدودے چند افراد کے سوا ائمہ اربعہ اور دیگر تمام ائمہ دین اس بات پر متفق ہیں، کہ تجارت کے سامان میں زکوٰۃ واجب ہے، خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر، ارزانی کے وقت سامان خرید کر گرانی کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں، یا عام دوکاندار جو ہر وقت اور ہر نرخ پر خرید و فروخت میں مصروف رہتے ہیں، تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں، یا کھانے پینے کا سامان، ہر قسم کا غلہ، پھل فروٹ، سبزی

گوشت وغیرہ، مٹی، چینی، دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں غلام، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ، گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں، یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض تجارت کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ (القواعد النورانیہ الفقہیہ لابن تیمیہ صفحہ ۹)

(۴) غلہ کی زکوٰۃ، عُشر یا نصف عُشر

چند ضروری باتیں

(۱) زمین سے پیدا ہونے والے غلہ سے جو حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جاتا ہے عشر کہلاتا ہے، عشر کا معنی ہے، دسواں حصہ، بعض حالات میں زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ واجب الادا ہوتا ہے، اس لئے اس کا نام عشر رکھا گیا ہے۔

۲۔ جو کھیتی یا باغ بارش، چشمہ یا نہر کے پانی سے سیراب ہو، اور اسے تیار کرنے کے لئے کسی آلہ یا مشین سے پانی کھینچ کر دینے کی ضرورت نہ پڑے، یا ایسی زمین میں بوئی جائے، جس میں پانی سطح زمین کے قریب ہے، اور کھیتی یا درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ پانی چوس کر نشوونما حاصل کر لیں، تو ایسی کھیتی یا باغات کے پھلوں میں عشر واجب الاداء ہوتا ہے، اور جس کھیتی یا باغ کے پکانے اور تیار کرنے میں رہٹ، مشین یا کسی دوسرے مصنوعی آلہ کے ذریعہ کھینچ کر پانی دینے کی ضرورت ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے، اس تفصیل کی وضاحت درج ذیل احادیث شریفہ میں کی گئی ہے:۔

(الف) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (رواه البخاری) (مشکوٰۃ)

(ب) أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْأَنْهَارُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي وَالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ رواه النسائی (مشکوٰۃ)

یعنی "عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھیتی، بارش اور چشموں سے سیراب ہوئی ہو، یا وہ بارانی ہو، اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے، اور جو زمین جانوروں کے ذریعہ یا کسی دوسرے طریقہ سے پانی کھینچ کر سیراب کی جائے، اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔"

دونوں حالتوں میں کاشتکار کی محنت کا لحاظ رکھا جاتا ہے، چونکہ پہلی صورت میں محنت کم ہے، اس لئے زکوٰۃ زیادہ ہے، یعنی پیداوار کا دسواں حصہ دوسری صورت میں محنت زیادہ، یا پانی قیمتاً خریدنا پڑتا ہے، جیسے نہری علاقوں میں آبیانہ ادا کیا جاتا ہے، یا اس کے حصول میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں، جیسا کہ بجلی یا انجن سے چلنے والے ٹیوب ویل میں عموماً خرچ ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کم ہے۔ اسے (دسواں حصہ سے گھٹا

کر بیسواں حصہ کر دیا گیا ہے۔ اگر کھیتی یا باغ کے تیار ہونے میں اول یعنی (بارش، نہر، چشمہ) اور دوسری قسم یعنی (رہٹ، ٹیوب ویل وغیرہ) کے ذرائع آبپاشی کا حصہ مساوی ہے، جیسے کچھ بارش ہو گئی، اور کبھی رہٹ وغیرہ چلا کر پانی دینا پڑا، تو اس صورت میں زکوٰۃ دسواں حصہ میں سے تین حصے دینا ہوگی، مثلاً بارانی فصل میں زکوٰۃ دو من ہے، تو اس صورت میں ڈیڑھ من دینا پڑے گی، اگر زیادہ تر بارش ہوتی ہے، لیکن ایک آدھ دفعہ رہٹ یا ٹیوب ویل سے بھی کھیتی سیراب ہوتی ہے، یا زیادہ تر ٹیوب ویل سے کام لیا جاتا ہے اور پانی کھینچ کر دیا جاتا ہے، اور کبھی بارش بھی ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں اکثر کا اعتبار ہوگا، پہلی حالت میں عشر (یعنی دسواں حصہ) اور دوسری صورت میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) لازم ہوگا۔

امام ابن قدامہ لکھتے ہیں، کہ اس مسئلہ میں کوئی مخالف نہیں (المغنی) علامہ زرقانی نے بھی اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ (زرقانی شرح مؤطا ص ۳۵۸ ج ۱)

غلہ کا نصاب (۳) زمین کی پیداوار سے عشر نکالنے کے لئے شریعت نے نصاب مقرر کر دیا ہے، جس کی پابندی لازمی ہے، اگر غلہ اس نصاب کو پہنچ جائے، تو عشر واجب ہوگا، اور اگر نصاب سے کم ہے تو عشر واجب نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے:۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ فِي الْبُرِّ وَالتَّمْرِ زَكوٰةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ وَفِي لَفْظٍ لَيْسَ فِي حَبٍّ وَلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ (نسائی شریف مع التعلیقات السلفیہ ص ۲۸۱ و بخاری اصح المطابع ص ۲۰۱ ج ۱) (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گندم، کھجور اور دانہ جب تک پانچ وسق (تقریباً ۲۰ من) نہ ہو، اس میں زکوٰۃ (عشر) واجب نہیں۔

بعض لوگ آیت قرآن وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ الآیۃ اور حدیث شریف فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ الخ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ زمین سے پیدا ہونے والی اجناس خوردنی میں کوئی نصاب نہیں ہے، بلکہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر تھوڑی یا بہت چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہے، اگر زمین سے دس سیر گندم پیدا ہوئی ہے، تو اس میں سے ایک سیر یا آدھ سیر دینا واجب ہے، مگر یہ مسلک بجز امام ابو حنیفہؒ اور چند دیگر علماء کے کسی نے اختیار نہیں کیا، جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے، کیونکہ آیت کریمہ اور حدیث شریف کے عموم کی پانچ وسق والی حدیث نے تخصیص کر دی ہے، چنانچہ امام بخاری پہلے حدیث فیما سقت السماء والعیون اور اس کے بعد پانچ وسق والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ ھٰذَا تَفْسِیْرًا لِاَوَّلِ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ وَبَیَّنَ فِیْ ھٰذَا وَوَقَّتَ وَالزِّیَادَۃُ مَقْبُوْلَۃٌ وَالْمُفَسَّرُ یَقْضِیْ عَلَی الْمُبْھَمِ اِذَا رَوَاہُ اَھْلُ التَّثَبُّتِ۔

(بخاری شریف اصح المطابع ص۲۰۱) یعنی ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا اس (پانچ وسق والی حدیث) نے ابن عمرؓ کی حدیث (بارش سے پکنے والی کھیتی میں عشر ہے) کی تفسیر کر دی ہے، اور زمین سے پیدا ہونے والی قابل عشر جنس کا نصاب مقرر فرما دیا ہے، یہ ابن عمرؓ کی حدیث سے زائد بات ہے، جو مقبول ہے، جب اہل حفظ و اتقان کوئی مفسر حدیث بیان کریں، تو مبہم روایت کے ابہام کو دور کر دیتی ہے۔''

نصاب سے زائد قلیل و کثیر سب میں زکوٰۃ ہے، وَمَازَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِکَ ۱۹ من میں نصاب سے کم ہونے کی وجہ سے عشر واجب نہیں، لیکن ۲۰ من سے زائد ایک من، بلکہ ۱۰ سیر ۲۰ سیر میں بھی عشر واجب ہے، چنانچہ عشر کی صورت میں ایک من میں ۴ سیر اور نصف عشر میں ۲ سیر دینا لازم ہے۔

کن چیزوں سے عشر ادا کیا جائے

جن اشیاء میں عشر یا زکوٰۃ واجب ہے، ان کی مجمل فہرست مع مختصر احکام ترتیب وار درج ذیل ہے۔

(۱) باغات سے حاصل ہونے والے پھل

احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں پھلوں میں سے صرف کھجور اور انگور کی زکوٰۃ لینے کا ذکر آتا ہے، اس کے علاوہ کسی پھل سے عشر نہیں لیا گیا، چنانچہ امام مالکؒ ان دونوں کے احکام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اَلسُّنَّۃُ الَّتِیْ لَا اخْتِلَافَ فِیْھَا عِنْدَنَا وَالَّذِیْ سَمِعْتُ اَھْلَ الْعِلْمِ اَنَّہٗ لَیْسَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الْفَوَاکِہِ کُلِّھَا صَدَقَۃٌ (موطا مع زرقانی ج ۲ ص ۳۶۹) یعنی ''وہ طریقہ جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں یہ ہے، کہ (کھجور اور انگور کے علاوہ) کسی قسم کے پھل میں عشر واجب نہیں، اور ایسا ہی میں نے اہل علم سے سنا ہے۔''

ان دونوں پھلوں کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے، کہ پھل پکنے کے قریب صاحب فراست عامل باغ میں گھوم پھر کر تمام پھل دیکھے، اور اندازہ لگائے، کہ اس باغ میں تازہ اور تر پھل کتنے من ہے، اور خشک ہونے کے بعد کتنے رہ جائیں گے، مثلاً ایک باغ کا اندازہ لگایا، کہ اس میں تر پھل ۱۵۰ من ہیں، خشک ہوتے کے بعد یہ ایک سو من رہ جائیں گے، سو من میں عشر ۱۰ من اور نصف عشر ۵ من ہے، یہ تفصیل اپنے رجسٹر میں درج کرے، پھر جب پھل کٹ کر خشک ہو جائیں، تو اگر عشر یا نصف عشر وصول کرے، عشر میں خشک کھجور اور منقی لیا جائے گا، تازہ پھل نہیں لئے جائیں گے، یہ تفصیل حدیث میں یوں ہے۔

عَنْ عُتَّابِ بْنِ اُسَیْدٍ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُخْرَصَ

الْعِنَبُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ وَتُؤْخَذُ زَكوٰتُهُ زَبِيبًا كَمَا تُؤْخَذُ صَدَقَةُ النَّخْلِ تَمْرًا۔

(ابوداؤد مع عون المعبود صلہ۲۱ ج۲) یعنی "عتاب بن اسید کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم جاری فرمایا، کہ انگور کا اندازہ کھجور کی طرح لگایا جائے، اور اس کی زکوٰۃ منقہ کی صورت میں لی جائے، جیساکہ کھجور کی زکوٰۃ خشک کھجور سے وصول کی جاتی ہے۔"

کھجور و انگور کا اندازہ کرنے کے بعد اب باغ کا مالک آزاد ہے، کہ اپنا پھل تازہ بتازہ بیچ دے، خود کھائے، یا دوست و احباب کو تحفے میں دے دے۔

عشر کے مال میں اندازہ لگانے کی حکمت

اندازہ کا یہ طریقہ فریقین (فقرا اور اصحاب مال) کی مصلحت کے پیش نظر جاری کیا گیا ہے، کیونکہ یہ پھل خشک اور تازہ دونوں طرح کھائے جاتے ہیں، اس لئے اگر اندازہ کے بغیر ان کے استعمال کی اجازت ہوتی تو فقرا کا سراسر نقصان تھا، اور اگر عشر ادا کئے بغیر ان کے استعمال سے روک دیا جاتا۔ تو اصحاب مال خسارہ میں رہتے، اور طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہو جاتے، اندازہ لگانے سے فقرا کے نقصان کا خطرہ جاتا رہا، اور اصحاب مال کے لئے بھی کوئی دقت باقی نہ رہی، اس طریقہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں صاحب مال کی ہیرا پھیری اور خیانت کا اندیشہ باقی نہیں رہتا، فقراء کا حق اس کے ذمہ متعین ہو جاتا ہے، عامل وقت پر آکر وصول کرے گا، شریعت کی طرف سے اس سلسلہ میں ارباب مال کو ایک رعایت بھی دی گئی ہے، جس کا ذکر حدیث میں یوں آیا ہے:۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِي حَثْمَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَصْتُمْ فَجُزُّوا فَدَعُوا الثُّلُثَ فَاِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ (ابوداؤد مع عون المعبود صلہ۲۴ ج۲) یعنی "جب کسی باغ کا اندازہ لگاؤ، تو تیسرا حصہ چھوڑ دو، اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو۔"

اس کے دو معنی ہیں، اصل اندازے سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو، یا عشر لیتے وقت عشر سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو، مثلاً کسی باغ کے خشک پھل کا اندازہ ۱۰۰ من ہے، تو اس سے ۳۳ یا ۲۵ من چھوڑ دو، یا اس کے عشر ۱۰ من سے ۳⅓ من یا ۲½ من چھوڑ دو، کیونکہ باغ والے کو اپنے طور پر بھی غرباء، مساکین، اور مزدور پیشہ لوگوں سے ہمدردانہ سلوک کرنا پڑتا ہے، نیز دوست و احباب، خویش و اقارب کے حقوق بھی ادا کرنا ہوتے ہیں،

ملحوظہ ان کے علاوہ دوسری قسم کے پھل جیسے سنگترہ، مالٹا، ناشپاتی، آڑو، خربوزے، تربوز، اور آم وغیرہ جو چند دن کے مہمان ہوتے ہیں، عشر، زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں ان کے مالک ان

پھلوں کو بیچیں، سال کے بعد ان کی قیمت سے جو کچھ بچ رہے، اس کی زکوٰۃ دیں۔

چاول مکئی چنے، باجرہ وغیرہ سے عشر دیا جائے

(۲) اجناس خوردنی اور ہر قسم کا غلہ جو انسان کی خوراک بنتا ہے۔ جیسے گندم، چاول، مکئی، باجرہ، جو، چنا اور جوار وغیرہ ان میں سے جو قسم نصاب کو پہنچ جائے، اس میں یہ تفصیل مذکور واجب ہے، نصاب کو نہ پہنچے تو عشر نہیں ہے، امام مالکؒ کے نزدیک گندم، چھلکا دار اور بغیر چھلکا کے جو اگر علیحدہ علیحدہ نصاب کو نہیں پہنچتے، اور سب کو جمع کرنے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو عشر واجب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کا اختلاف

(۳) ہر قسم کی دالیں جیسے چنے، ماش، مونگی، ارہر مسور اور مٹر وغیرہ امام مالک اور دوسرے ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ان میں جو قسم نصاب کو پہنچ جائے گی، اس میں عشر واجب ہے، اور جو نصاب کو نہیں پہنچے گی، اس میں عشر واجب نہیں، ان کو جمع کر کے نصاب پورا نہیں کیا جائے گا، امام مالکؒ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ یا سب مل کر نصاب کو پورا کر دیں، دونوں صورتوں میں عشر واجب ہے حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں، کہ انہوں نے مختلف دالوں کو جمع کر کے عشر لیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ جب ان کی شکل و صورت، ان کے خواص اور ان کے نام الگ الگ ہیں، تو ان کو جمع کرنا چاہیئے، بلکہ جو قسم نصاب کو پہنچ جائے، اس میں عشر واجب ہے، ورنہ نہیں۔

گڑ، شکر اور چینی وغیرہ میں عشر

(۴) گڑ، شکر اور چینی میں یہ تینوں مل کر یا الگ الگ نصاب کو پہنچ جائیں، دونوں صورتوں میں عشر واجب ہے، کیونکہ یہ تینوں ایک ہی چیز کی مختلف شکلیں ہیں۔

سرسوں اور توریہ وغیرہ

(۵) تیل نکالنے کے بیج مثلاً توریا، سرسوں تارامیرا اور ارنڈی وغیرہ، زیتون بھی ایک قسم کے دانے ہیں، جو عرب ممالک شام و لبنان میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں، برصغیر پاک و ہند میں پیدا نہیں ہوتے، ان سے زیتوں کا تیل حاصل کیا جاتا ہے، یہ دانے کسی اور طریقے سے استعمال نہیں ہوتے، امام مالکؒ نے مؤطا میں اس کے عشر کا یہ طریقہ بتایا ہے، کہ اگر کسی کے کھیت سے ۲۰ من (یا پانچ وسق) زیتون کے دانے حاصل ہوں، تو مالک ان کا تیل نکلوائے اور اس تیل سے عشر یا نصف عشر ادا کرے، عشر میں دانے نہیں دے سکتا، ہمارے ہاں کے تیل نکالنے کے بیجوں کو بھی اس پر قیاس کیا جائے۔

گوارا چری وغیرہ سے عشر

(۶) وہ دانے جو عموماً انسان کی خوراک تو نہیں بنتے، لیکن مویشیوں کا چارہ حاصل کرنے کے لئے بیج کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے گوارا چری، موٹھ، جوکا، برسیم، لوسن وغیرہ، جن ائمہ کے نزدیک دانوں میں عشر دینے کے لئے ان کا خوراک ہونا ضروری ہے، ان کے نزدیک تو ان میں عشر نہیں ہے، لیکن امام احمدؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک (ادخار) سال بھر باقی رہنا ہی کافی ہے خوراک بنیں یا نہ بنیں، اس لئے ان کے نزدیک ان میں عشر واجب ہے اور صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب یہ دانے زمین کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، اور زمیندار ان سے ہر سال لاکھوں روپیہ کماتے ہیں، نیز یہ سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک باقی رہ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں، کہ ان میں غرباء کو ان کے حق سے محروم کر دیا جائے، اور ان کا عشر نہ دیا جائے

کپاس اور ترما وغیرہ میں وجوب زکوٰۃ

(۷) ہر قسم کی کپاس دیسی اور امریکن ترما وغیرہ میں عشر واجب ہونے کی وہی علت ہے، جو قسم سابق میں امام احمدؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک ذکر ہوئی ہے، پہلی چار قسم کی زمینی پیداوار سے چونکہ غرباء و مساکین براہ راست بغیر کسی طویل عمل کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس لئے عشر میں وہ جنس ہی دی جائے جس سے عشر دینا لازم آتا ہے، مثلاً گندم سے گندم اور چینی سے چینی ہی دی جائے، قیمت نہیں دینا چاہیئے[1]، باقی تین قسم کی پیداوار سے غرباء بغیر طویل عمل کے براہ راست فائدہ نہیں اٹھا سکتے، کپاس سے کپڑا تیار کرنا، اور سرسوں، توریہ وغیرہ سے تیل نکالنا ان کے لئے مشکل ہے، اس لئے ان اجناس میں اگر صاحب مال قیمت ادا کر دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

وجوب عشر چار چیزوں میں منحصر نہیں

ہر قسم کے دانوں میں وجوب عشر کی دلیل یہ حدیث ہے:۔
عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللّٰه علیہ وسلم خُذِ الْحَبَّ مِنَ الْحَبِّ وَالشَّاةَ مِنَ الْغَنَمِ وَالْبَعِيْرَ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرَةَ مِنَ الْبَقَرَةِ ......
(ابوداؤد مع عون المعبود ص ۲/۲۲) معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عشر میں غلہ، بکریوں سے بکری، اونٹوں میں سے اونٹ اور گایوں میں سے گائے لو۔

بعض لوگوں نے چار چیزوں گندم، جو، کھجور اور منقی سے عشر دینا بتایا ہے، اور دلیل میں وہ احادیث نقل کی ہیں، جن میں ان ہی چار چیزوں کے نام آتے ہیں، مگر وہ احادیث مرسل، منقطع یا انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ ائمہ حدیث نے انہیں قبول نہیں کیا، اس لئے ان لوگوں کا یہ مسلک صحیح نہیں ہے قرآن و حدیث کے عموم کی، ان ضعیف حدیثوں سے تخصیص نہیں ہو سکتی، اس کے برعکس امام داؤد ظاہری

[1] یہ عشر وصول کرنیوالے کی ضرورت پر منحصر ہے اگر جس چیز کی ضرورت ہے یا جس میں اسکو آسانی ہے، وہی لے سکتا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔

فرماتے ہیں، کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز سے (جو آمدنی کا ذریعہ ہو) زکوٰۃ واجب ہے لیکن جس چیز میں ناپ تول جاری ہوتا ہے۔ اس میں وجوب عشر کے لئے نصاب شرط ہے، جیساکہ تفصیل گذر چکی، اور جو چیزیں ناپ تول میں نہیں آتیں، ان میں قلیل کثیر میں عشر واجب ہے، غرباء کی ضروریات اور امراء کے تزکیہ نفس و مال کے پیش نظر تو یہ مذہب احوط اور صحیح معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی دھذانوع من الجمع کہہ کر اس مذہب کی ترجیح پر ایک گونہ اطمینان کا اظہار فرمایا ہے، دور حاضر کے بعض ممتاز علماء نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی اپنی تصنیف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص۲۴ میں فرماتے ہیں۔ دَاَرْجَحُ هٰذِهِ الْاَقْوَالِ وَاَقْوَاهَا عِنْدِیْ قَوْلُ دَاؤدَ الظَّاهِرِیْ "میرے نزدیک ان اقوال میں سے داؤد ظاہری کا قول زیادہ قوی اور راجح ہے۔" ایسے ہی مؤلف التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی (ص۲۸۱) کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔

گاجر، مولی، آلو اور دیگر سبزیاں

زمین سے پیدا ہونے والی جتنی چیزیں اوپر بیان ہوئی ہیں، اگر نصاب سے کم ہیں، تو ان میں عشر نہیں ہے، جمہور کے نزدیک ہر قسم کی سبزیاں مثلاً گاجر، مولی، آلو، گوبھی، پالک، گھیا اور ٹماٹر وغیرہ نیز مویشیوں کے ہر قسم کے چارہ گوارا، چری، شلغم، برسیم، لوسن وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے، مالک ان چیزوں کو بیچیں، سال کے بعد ان کی قیمت سے بچ رہے، اس کی زکوٰۃ دیں، پہلے گذر چکا ہے، کہ کھجور اور انگور کے علاوہ باقی تمام پھلوں کا بھی یہی حکم ہے، امام مالک فرماتے ہیں:۔ لَیْسَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الْفَوَاكِهِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ وَلَا فِی الْقَصَبِ وَلَا فِی الْبُقُوْلِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ وَلَا فِیْ اَثْمَانِهَا اِذَا بِیْعَتْ صَدَقَةٌ حَتّٰی یَحُوْلَ عَلَیْهَا الْحَوْلُ مِنْ یَوْمِ بَیْعِهَا وَیَقْبِضُ صَاحِبُهَا ثَمَنَهَا (مؤطا مع زرقانی ص۳۶۹ ج ۲)

"کھجور اور انگور کے علاوہ ہر قسم کے پھلوں میں اسی طرح مویشیوں کے چارہ میں، نیز ہر قسم کی سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہے، جب مالک ان چیزوں کو بیچ کر قیمت اپنے قبضہ میں کرے، تو سال کے بعد اس سے زکوٰۃ ادا کرے۔"

یاد رہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام داؤد ظاہری کے نزدیک تمام سبزیوں ہر قسم کے پھلوں اور مویشیوں کے چارہ میں عشر واجب ہے، تفصیلات کے لئے کتب مذکورہ کی طرف مراجعت فرمایئے

مصارف زکوٰۃ

حدیث میں آیا ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَرْضَ بِحُكْمِ

نبیٍ وَلَا غَیْرِہٖ فِی الصَّدَقَاتِ حَتّٰی حَکَمَ ھُوَ فِیْھَا فَجَزَّأَھَا ثَمَانِیَۃَ اَصْنَافٍ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ سنن ابوداؤد) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مال زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے نبی یا کسی غیر نبی کے فیصلہ کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ اس کے متعلق اس نے خود فیصلہ فرمایا۔"

قرآن حکیم میں ہے:۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (التوبہ ۴) یعنی صدقہ زکوٰۃ کا مال فقراء، مساکین زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں، مؤلفین، غلاموں، قرضداروں، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لئے ہے۔"

ان آٹھ قسموں کی مختصر تفصیل یہ ہے:۔

(۱-۲) فقراء جمع فقیر کی، اور مساکین جمع مسکین کی، امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک فقیر کی حالت مسکین سے بدتر ہے کیونکہ مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت ہو اور فقیر جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، امام ابوحنیفہ کا قول اس کے برعکس ہے۔

۳۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل یہ وہ لوگ ہیں جو خلیفہ اسلام یا کسی ادارہ کی طرف سے زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے مقرر ہوتے ہیں، علامہ ابن العربی مکی فرماتے ہیں، کہ زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھنے سے معلوم ہوا، کہ جو شخص فرض کفایہ بجالائے، وہ اس کی مزدوری لے سکتا ہے جیسے نماز کی امامت ہے، نماز تو سب انسانوں پر فرض ہے، لیکن جماعت کرانا فرض کفایہ ہے، اس لئے جیسے امام جماعت کرانے پر اجرت لے سکتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ جمع کرنے والے عامل کے لئے اجرت لینا بھی جائز ہے، امام اپنی صوابدید سے کام کے مطابق زکوٰۃ سے ان کو معاوضہ دے (احکام القرآن)

۴:۔ مؤلفۃ القلوب، اس سے وہ ضعیف الایمان مسلمان مراد ہیں، جن کی اگر دلجوئی اور مالی اعانت نہ کی جائے، تو ان کے اسلام سے منحرف ہو جانے کا خطرہ ہو یا ایسے مائل بہ اسلام کافر جو مالی اعانت سے حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آجکل یہ حصہ ساقط ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ آج کل بھی بوقت ضرورت عمل کیا جا سکتا ہے،

۵:۔ غلام، آج کل چونکہ غلامی کا رواج نہیں ہے اس لئے اس حصہ کو زکوٰۃ کے دوسرے مصارف کی طرف منتقل کیا جائے گا، ہاں اگر کوئی مسلمان دشمن کے ہاں گرفتار ہو جائے، تو اس سے فدیہ دے کر اسے چھڑایا جا سکتا ہے،

۶:۔ غارمین۔ ان سے[1] مراد وہ مقروض ہیں، جن پر اتنا قرضہ چڑھ گیا ہے، کہ ان میں اس کے ادا کرنے کی سکت باقی نہیں رہی، مگر یاد رہے، اگر کوئی شخص خلاف شرع کاموں میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہے، جیسے

[1] غارمین میں سے وہ مقروض مراد ہیں جو قرضہ میں کسی کا ضامن ہوا اور وہ ضامنی اسکو ادا کرنی پڑ جائے۔ (سعیدی)

جوا بازی، شراب نوشی، اور عیاشی وغیرہ تو جب تک توبہ نہ کرے، اس کی زکوٰۃ اور دیگر صدقات سے اعانت کرنی جائز نہیں، اگر مقروض فوت ہوجائے، اور قرض ادا کرنے کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑ جائے، تو زکوٰۃ کی اس مد سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔

۷، فی سبیل اللہ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جو محاذ جنگ پر دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہوتے ہیں، یہ لوگ غنی بھی ہوں، تب بھی ان کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں غریب غازی کو مال زکوٰۃ دیا جائے گا، غنی کو دینا جائز نہیں، مگر یہ مسلک قرآن کے اطلاق اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے خلاف ہے: لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة لغاز في سبيل الله الحديث (مشکوٰۃ) یعنی "پانچ قسم کے اغنیاء کے علاوہ، کسی غنی کے لیٔے مال زکوٰۃ جائز نہیں ہے، ان میں سے ایک غنی غازی فی سبیل اللہ ہے۔

سامان حرب وضرب خریدنے کے لئے قومی دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے، محمد بن عبد الحکم فرماتے ہیں، آلات حرب، گھوڑے اور ہتھیار خریدنے اور دشمن کو اپنے ملک سے دفع کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے، دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن ابی حثمہ کے قتل کے سلسلہ میں فتنہ وفساد اور لڑائی کا شعلہ سرد کرنے کے لئے زکوٰۃ کے ۱۰۰ اونٹ خرچ کر دیئے تھے۔ (احکام القرآن لابن العربی ج۲ ص۹۵)

فی سبیل اللہ کے حکم میں حج اور عمرہ بھی داخل ہے:-

وعن ابن لاس الخزاعي قال حملنا النبي صلى الله عليه وسلم على ابل الصدقة الى الحج والعمرة (مسند احمد) یعنی "ابن لاس خزاعی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سفر حج میں سواری کے لئے زکوٰۃ کے اونٹ دیئے"

امام شوکانی اس کے علاوہ متعدد احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ان احادیث سے پتہ چلا کہ فی سبیل اللہ کی مد سے حج اور عمرہ کے لئے جانے والوں کی امداد کی جا سکتی ہے، اور ان کے سفر کا سامان وغیرہ تیار کرنا جائز ہے، اگر کوئی جانور جہاد فی اللہ کے لئے وقف ہے، تو اس پر حاجی اور معتمر سفر کر سکتا ہے"

اس طرح مدارس دینیہ پر، جہاں مفلوک الحال غریب طلباء تعلیم پاتے ہوں، زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے۔

۸، ابن السبیل، اس سے وہ مسافر مراد ہے، جو اگرچہ اپنے وطن میں امیر ہے، مگر سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہوگیا ہے، اور اس کے لئے گھر پہنچنا مشکل ہوگیا ہے، ایسے مسافر پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا جائز ہے، اور جو دونوں جگہ محتاج ہے، وہ بطریق اولیٰ مستحق ہے،

صدقۃ الفطر کا بیان

جمہور محدثین اور فقہاء کا طریقہ ہے، کہ وہ زکوٰۃ کے مسائل تحریر کرنے کے بعد صدقۃ الفطر کے مسائل بھی کتاب الزکوٰۃ کے آخر میں بیان کرتے ہیں، حالانکہ اس صدقہ کا تعلق رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ ہے، اس لئے ہم بھی جمہور کی اقتداء میں اب بالاختصار صدقۃ الفطر کے مسائل بیان کرتے ہیں۔

وجہ تسمیہ فطر کا معنی روزہ کھولنا یا روزہ ترک کرنا ہے، چونکہ یہ صدقہ رمضان المبارک کے روزے پورے کرنے کے بعد ان کے ترک پر دیا جاتا ہے، لہٰذا صدقۃ الفطر کہلاتا ہے۔

صدقۃ الفطر فرض ہے جمہور علماء کے نزدیک صدقۃ الفطر کا ادا کرنا فرض ہے، امام بخاریؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:۔

بَابُ فَرْضِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَرَأَى أَبُو الْعَالِيَةِ وَعَطَاءٌ وَابْنُ سِيرِينَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ فَرِيضَةً

"صدقۃ الفطر کی فرضیت کا بیان، امام ابو العالیہ، عطاء اور ابن سیرین صدقۃ الفطر کو فرض سمجھتے تھے"

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، امام صاحب نے ان تین ائمہ کا نام اس لئے لیا ہے، کہ انہوں نے صدقۃ الفطر کی فرضیت کی تصریح کی ہے، ورنہ ابن المنذر وغیرہ نے تو اس کی فرضیت پر اجماع نقل کیا ہے، ہاں حنفیہ اسے اپنے مزعومہ قاعدے کے مطابق واجب کہتے ہیں، مالکیہ میں سے اشہب اور بعض اہل ظاہر نے اس کو سنت مؤکدہ کہا ہے، مگر پہلا قول صحیح ہے، امام بخاریؒ نے اس کی فرضیت ثابت کرنے کے لئے مذکورہ بالا باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث درج کی ہے:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ "یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد، غلام، مرد، عورت اور ہر چھوٹے بڑے مسلمان پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو بطور صدقۃ الفطر ادا کرنا فرض کیا ہے، اور اسے لوگوں کے نماز کی طرف جانے سے پہلے نکالنے کا حکم دیا ہے"

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر کی فرضیت کی تصریح فرمائی ہے اسے زکوٰۃ الفطر سے تعبیر کرنے میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

صدقۃ الفطر کن چیزوں سے دیا جائے جن غلہ جات کو انسان بطور خوراک استعمال کرتا ہے ان سے صدقۃ الفطر ادا کر سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں لوگ عموماً جو، کھجور، منقہ اور پنیر کھاتے تھے، اس لئے آپ نے صحابہ کرام کو ان اجناس سے صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عید الفطر کے دن (فی کس) کھانے کا ایک صاع دیا کرتے تھے، اور اس وقت ہمارا کھانا جو، کھجور، منقہ اور پنیر پر مشتمل ہوا کرتا تھا (بخاری)۔

ہمارے ملک میں گیہوں، چنا، جو، مکی، باجرہ، چاول، جوار وغیرہ اجناس خوردنی ہیں، اور لوگ انہیں خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں، لہٰذا ان میں جو جنس عموماً زیادہ استعمال کرتے ہیں، اس سے صدقۃ الفطر ادا کر سکتے ہیں۔

ہر جنس سے صدقۃ الفطر ایک صاع متعین ہے

جس جنس سے بھی صدقۃ الفطر دیا جائے، شرعاً اس کی مقدار ایک صاع مقرر ہے، اس سے کم دینے سے صحیح طور پر صدقۃ الفطر ادا نہیں ہوگا، بعض صحابہ نے گیہوں کو گراں سمجھ کر نصف صاع دینے کا فتویٰ دیا، چونکہ انہوں نے ایسا فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، اس لئے بعض دوسرے صحابہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہم جس جنس سے بھی صدقہ دیں گے، پورا صاع ہی دیں گے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی دستور تھا، صحیح مسلم ص۳۱۸ ج۱ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نُخْرِجُ اِذَا کَانَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ عَنْ کُلِّ صَغِیْرٍ وَّکَبِیْرٍ حُرًّا اَوْ مَمْلُوْکٍ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِیْبٍ فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُہٗ حَتّٰی قَدِمَ عَلَیْنَا مُعَاوِیَۃُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا فَکَلَّمَ النَّاسَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَکَانَ فِیْمَا کَلَّمَ بِہِ النَّاسَ اَنْ قَالَ اِنِّیْ اَرٰی اَنَّ مُدَّیْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ فَاَخَذَ النَّاسُ بِذٰلِکَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَاَمَّا اَنَا فَلَا اَزَالُ اُخْرِجُہٗ کَمَا کُنْتُ اُخْرِجُہٗ اَبَدًا مَّا عِشْتُ۔

"حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے، ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنے ملک کی خوراک سے جو کھجور، منقی، جو اور پنیر وغیرہ پر مشتمل تھی، ایک صاع ہی صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہمارا یہی معمول تھا، تاآنکہ حضرت امیر معاویہ حج یا عمرہ کے لئے آئے، تو انہوں نے منبر پر خطبہ کے دوران کہا، میری رائے میں شامی گیہوں کے دو، (نصف صاع قیمت میں) کھجور کے ایک صاع کے برابر ہیں چنانچہ لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا، مگر میں تو جب تک زندہ ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے دستور کے مطابق (جس جنس سے بھی دوں گا) ایک صاع ہی دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے قَالَ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِزَکٰوةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَهٗ مُدَّیْنِ مِنْ حِنْطَةٍ یعنی "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور یا جو سے ایک ایک صاع صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں، لیکن بعد میں لوگوں نے ایک صاع کے بدلے گیہوں کے دو مد (نصف صاع) دینے شروع کر دیئے۔" (بخاری شریف)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسعید خدریؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک صدقۃ الفطر کی صحیح اور شرعی مقدار خواہ وہ کسی جنس سے ادا کیا جائے، ایک صاع مقرر ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے گیہوں سے نصف صاع ادا کرنے کو لوگوں کی اپنی مرضی اور اپنی رائے سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں سنن کی بعض احادیث میں نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ یا نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ کے الفاظ بھی آئے ہیں، لیکن یہ احادیث محدثین کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، لہٰذا قابل اعتبار نہیں، امام بیہقی فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاع گیہوں دینے کی احادیث بھی آئی ہیں، اور نصف صاع دینے کی بھی، مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ (سبل السلام ص $\frac{192}{2}$ طبع مصر)

صدقۃ الفطر میں غلہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے

اگر کسی شخص کے پاس صدقۃ الفطر ادا کرنے کے لئے غلہ موجود نہیں ہے، جیسا کہ عموماً شہری آبادی کی حالت ہوتی ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بازار سے غلہ خرید کر صدقۃ الفطر ادا کرے، بلکہ سال یا سال کا اکثر حصہ جس غلہ کو وہ خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہے، فی کس ایک صاع کے حساب سے اس کی قیمت ادا کر دے، مثلاً ایک شخص کے گھر کے چھوٹے بڑے دس افراد ہیں، اور وہ سال یا سال کا بیشتر حصہ گیہوں یا چاول استعمال کرتا ہے، تو وہ صدقۃ الفطر بیں۔ اصاع گیہوں یا۔ اصاع چاول کی بازار کے نرخ کے مطابق قیمت ادا کر دے، مگر یہ بالکل غیر مناسب ہے، کہ اس کی عام خوراک تو گیہوں یا چاول ہوں، لیکن وہ صدقۃ الفطر میں معمولی قسم کا غلہ یا اس کی قیمت ادا کرے۔

کون سا صاع معتبر ہے؟

مختلف ملکوں میں جنس یا غلہ ماپنے کے لئے مختلف پیمانے استعمال کئے جاتے ہیں، مگر صدقۃ الفطر، زکوٰۃ، کفارہ وغیرہ شرعی امور میں وہی پیمانہ استعمال کیا جائے گا، جسے شارع علیہ السلام نے مقرر کیا ہے، اور جو اسلامی لٹریچر میں صاع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے، کتب احادیث میں بصراحت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع خَمْسَةُ اَرْطَالٍ وَثُلُثُ رِطْلٍ، یعنی پانچ آدھ سیر، اور ایک آدھ سیر کا تہائی حصہ، ہمارے وزن کے مطابق ایک صاع تقریباً دو سیر گیارہ چھٹانک کا ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے

راشدین کے زمانہ میں زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور کفارہ وغیرہ میں یہی صاع استعمال ہوتا تھا، اب بھی ان شرعی امور میں اسی پیمانہ کا استعمال سنت ہے، دوسرے چھوٹے بڑے ملکی یا غیر ملکی پیمانوں کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ (نیل الاوطار طبع مصر ص ۲۵۶ ج ۲)

صدقۃ الفطر کن لوگوں کی طرف سے ادا کیا جائے

صدقۃ الفطر کنبہ کے چھوٹے بڑے، مرد، عورت اور آزاد، غلام ہر فرد کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے، ان میں شیر خوار بچوں سے لے کر شیخ فانی تک سب ہی لوگ شامل ہیں، کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام، آزاد، مرد و عورت اور چھوٹے بڑے ہر فرد پر جو یا کھجور سے ایک صاع صدقۃ الفطر ادا کرنا فرض کیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے کنبہ کے ہر چھوٹے بڑے فرد، حتیٰ کہ اپنے غلاموں اور ان کے بچوں کی طرف سے فی کس کھجور کا ایک صاع صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے، ایک سال مدینہ میں کھجوریں پیدا نہ ہوئیں، تو انہوں نے اس سال جو سے صدقۃ الفطر ادا کیا (بخاری شریف)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے پیش نظر کنبہ کے رکن اعلیٰ کو اپنے بیوی، بچوں، غلاموں اور ان بے کس محتاجوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرنا پڑے گا، جن کے پاس کوئی مال نہیں ہے، اور ان کی خوراک کا اس نے ذمہ لے رکھا ہے۔

ملحوظہ کھیتی باڑی، دوکان داری یا گھر کے کام کاج کے لئے رکھے ہوئے ملازم، غلاموں کے حکم میں نہیں ہیں، یہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا صدقہ خود ادا کریں گے، آقا پر ان کا صدقہ لازم نہیں ہے۔

یتیم اور دیوانے کا صدقہ

اگر یتیم اور مجنون صاحب مال ہیں، تو ان کے مال کی زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر ان کے مال سے ادا کیا جائے، امام بخاری فرماتے ہیں

وَرَاٰى عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ وَطَاؤُسُ وَعَطَاءٌ وَابْنُ سِيْرِيْنَ اَنْ يُّزَكّٰى مَالُ الْيَتِيْمِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ يُزَكّٰى مَالُ الْمَجْنُوْنِ۔

یعنی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ ابن عمرؓ جابرؓ حضرت عائشہؓ طاوس عطاء اور ابن سیرین کا مذہب یہ ہے، کہ یتیم کے مال سے زکوٰۃ دی جائے، اور امام زہری کہتے ہیں، کہ دیوانے کے مال کی زکوٰۃ دی جائے۔

اس سے معلوم ہوا، کہ جب ان کے مال سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے، تو صدقۃ الفطر کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ ان کے مال سے صدقۃ الفطر نکالا جائے گا، ہاں اگر یہ لوگ محتاج ہیں، ان کے پاس کوئی مال نہیں، تو ان کی

طرف سے صدقۃ الفطر وہ شخص ادا کرے جس نے ان کے طعام و خوراک کا انتظام اپنے ذمہ لے رکھا ہے، کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے، اگرچہ کمزور ہے۔

اَدُّوْا صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَمَّنْ تَمُوْنُوْنَ (دار قطنی، بیہقی) یعنی ان لوگوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرو جن کے اخراجات نان و نفقہ تم نے برداشت کر رکھے ہیں (فتح الباری و سبل السلام)

صدقۃ الفطر نماز عید سے پہلے دیا جائے

صدقۃ الفطر نماز عید سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اسی کی ہدایت فرمائی ہے، اور صحابہ کرام تا زندگی اسی پر کاربند رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے نماز کے لئے نکلنے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ فَمَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ (ابوداؤد ابن ماجہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کے روزہ کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنے اور غربا و مساکین کی خوراک مہیا کرنے کے لئے صدقۃ الفطر فرض کیا ہے، جو شخص نماز سے پہلے یہ صدقہ ادا کرے، اس کا صدقہ قبول ہے (اس کے لئے یہ دونوں مقصد حاصل ہو جاتے ہیں) اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے، تو (صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا، بلکہ) یہ دوسرے نفلی صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا، کہ نماز کے بعد صدقۃ الفطر ادا کرنا نہ دینے کے برابر ہے، البتہ اگر کسی نے گھر کے تمام افراد کی طرف سے فی کس ایک صاع کے حساب سے غلہ یا اس کی قیمت الگ کر دی ہے، کچھ مساکین میں تقسیم کر دی ہے، اور کچھ بعض غرباء کو دینے کے لئے رکھ لی ہے، جو اس وقت وہاں موجود نہیں ہیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، نماز کے بعد ادا کر دے۔

غرباء بھی صدقۃ الفطر ادا کریں

بعض ائمہ کے نزدیک صدقۃ الفطر صرف اغنیاء پر واجب ہے غرباء پر نہیں، اور یہی مذہب احناف کا ہے، ہدایہ میں ہے۔

صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ اِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلًا عَنْ مَسْكَنِهٖ وَثِيَابِهٖ وَاَثَاثِهٖ وَفَرَسِهٖ وَسِلَاحِهٖ وَعَبِيْدِهٖ ۔ یعنی صدقۃ الفطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے، جو مکان، پارچات، گھر کے اثاثے، گھوڑے، ہتھیاروں اور خدمت کے غلاموں کے علاوہ

کسی قسم کے نصاب کا ذکر تک ہے۔

اس کے برعکس دوسرے ائمہ اور محدثین کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں بلکہ صدقۃ الفطر ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس صدقۃ الفطر کے علاوہ ایک دن اور رات کی خوراک موجود ہے، کیونکہ صدقۃ الفطر کا مقصد جس طرح شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے غربا و مساکین کے لئے خوراک مہیا ہو، اس طرح یہ بھی فرمایا ہے، کہ اس سے روزہ لغو و رفث سے پاک و صاف ہو جائے، اور روزہ کی تطہیر امیر و غریب دونوں کے لئے ضروری ہے، نیز جن احادیث سے صدقۃ الفطر کا وجوب اور فرضیت ثابت ہوتی ہے ان میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا، بلکہ احادیث میں تو صراحۃً امیر و غریب دونوں کو صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ابوداؤد میں ہے:۔ اَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِيرُكُمْ فَيَرُدُّ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ۔

یعنی ”ہر امیر و غریب مسلمان صدقۃ الفطر ادا کرے، اللہ تعالیٰ غنی کے روزوں کو لغو و رفث سے پاک کر دے گا، اور فقیر جتنا دے گا، اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر لوٹا دے گا (اور اس کے روزوں کی تطہیر بھی ہو جائیگی)“

اس حدیث کے تحت امام خطابی ابوداؤد کی شرح معالم میں لکھتے ہیں، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے، کہ اگر فقیر کے پاس صدقۃ الفطر ادا کرنے کی گنجائش ہے، تو اس پر صدقہ دینا لازم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ فقیر جتنا دے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گھر اس سے زیادہ لوٹا دے گا، اس میں جہاں آپ نے اسے دوسروں سے صدقہ لینے کی اجازت دی ہے، وہاں اس پر اپنی طرف سے صدقہ ادا کرنا واجب ٹھہرایا ہے، امام شوکانی فرماتے ہیں، کہ یہ دوسرا مسلک ہی حق اور صحیح ہے، اور نصوص شرعیہ کا یہی تقاضا ہے۔ (نیل الاوطار طبع مصر ص ۲۵۷ جلد ۴)

مال تجارت میں زکوٰۃ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے، بدلیل اس آیت کے:۔ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ الآیۃ واضح ہو کہ کسب میں دستکاری اور بیع و شریٰ داخل ہے، بدلیل روایت احمد بن حنبل رحمہ کے رافع بن خدیج سے:۔ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْكَسْبِ اَطْيَبُ

قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ بنابراس کے امام بخاری نے ایک باب منعقد کیا ہے، زکوٰۃ کسب اور تجارت میں یعنی ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یعنی جو مال کسب ودستکاری اور بیع وشری سے بقدر نصاب کے حاصل ہو، اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب مطلق میں کسب تجارت کو شامل کیا، اور آیت اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ سے فرضیت زکوٰۃ اظہر من الشمس ہے، اجماعاً تو مکسوبہ تجارت میں بھی زکوٰۃ بلاشبہ واجب ہوگی، اسی واسطے اس پر بھی اجماع منعقد ہوا منکر اور مخالف اس کا مذاق قرآن مجید اور محاورۂ لسانِ عرب سے محفوظ و ماہر نہ ہوا، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ۔

باب صدقۃ الکسب والتجارۃ

لقول اللہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ الیٰ قولہ غَنِیٌّ حَمِیْدًا انتہی۔

ظاہر الآیۃ یدل علی وجوب الزکوٰۃ فی کل مال یکتسبہ الانسان فیدخل فیہ زکوٰۃ التجارۃ وزکوٰۃ الذہب والفضۃ وزکوٰۃ النعم لان ذالک مما یوصف بانہ مکتسب کذا فی التفسیر الکبیر وہذہ الآیۃ سند الاجماع وحجۃ للجمہور علی داؤد حیث قال لا یجب الزکوٰۃ الا فی الانعام والنقود وعند الجمہور یجب فی العروض والعقار ایضاً اذا کان للتجارۃ وانما شرطوا نیۃ التجارۃ لان النمو شرط لوجوب الزکوٰۃ بالاجماع ولا نمو فی العرض الا بنیۃ التجارۃ وعن ابن عمر لیس فی العروض زکوٰۃ الا ماکان للتجارۃ رواہ الدارقطنی.... ومما یدل علی وجوب الزکوٰۃ فی العروض ما روی عن حماس قال مررت علی عمر بن خطاب وعلی عنقی ادمۃ احملہا فقال الا تؤدی زکوتک یا حماس فقال مالی غیر ہذا واہبۃ فی القرظ قال ذاک مال فضعہا فوضعتہا بین یدیہ فحسبہا فقد وجبت الزکوٰۃ فیہا فاخذ منہا الزکوٰۃ رواہ الشافعی واحمد وابن ابی شیبۃ وعبد الرزاق وسعید بن منصور والدارقطنی ص ج، انتہی ما فی التفسیر المظہری للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، والد ماجد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ازالۃ الخلفاء میں فرماتے ہیں:۔

الشافعی عن ابن عمرو ابن حماس ان اباہ قال مررت بعمر بن الخطاب وعلی عنقی ادمۃ احملہا فقال عمر الا تؤدی زکوتک یا حماس فقلت یا امیر المؤمنین مالی غیر ہذا الذی علی ظہری واہبۃ فی القرظ قال ذلک مال فضع فوضعتہا بین یدیہ فحسبہا فوجدہا قد وجبت فیہا الزکوٰۃ فاخذ منہا الزکوٰۃ انتہی ما فی ازالۃ الخلفاء۔

یہ روایت حضرت عمر کی اگرچہ لفظاً موقوف ہے، مگر باعتبار حکم کے مرفوع ہے کیونکہ جس امر میں رائے کو دخل نہیں اس کو صحابی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا جب تک حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو جیسا کہ اہل حدیث اور فقہ پر مخفی نہیں، اور اس آیت کریمہ وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

سے بھی مالِ تجارت میں فرضیت زکوٰۃ ثابت ہوتی ہے، کیونکہ فی اموالہم میں مال تجارت بلا ریب شامل ہے، بدلیل اس آیت کے لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً ای اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الاموال اموال تجارۃ صادرۃ عن تراضٍ منکم چنانچہ تفسیروں میں مذکور ہے، لہٰذا تفسیر عزیزی میں پہلی آیت کا اس طرح یہ ترجمہ کیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ یعنی وکسانیکہ در جمیع انواع مالہائے ایشان از نقد و محصول زراعت و مال تجارت و بردہ حق معلوم یعنی حقے است مقرر کردہ شدہ و معین نمودہ کہ آن زکوٰۃ است و صدقہ فطر انتہیٰ مختصراً۔

اور ماہرین شریعت پر واضح ہے کہ صلوٰۃ حق بدن ہے اور زکوٰۃ حق مال ہے، اور مال تجارت جنس اموال میں بلا ریب شامل ہے اسی واسطے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا جیسا کہ صحاح ستہ سے معلوم ہوتا ہے، اور اکتساب تین وجہ سے حاصل ہوتا ہے، یا مواشی سائمہ[1] یا زراعت یا تجارت سے لہٰذا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں، الاموال النامیۃ ثلثۃ اصناف الماشیۃ المتناسلۃ السائمۃ والزروع والتجارۃ ولما کان دوران التجارۃ من البلدان النائیۃ وحصاد الزروع و جنی الثمرات فی کل سنۃ ہی مدۃ صالحۃ لمثل ہذہ التقدیرات انتہیٰ کلامہ۔

اور سابق معلوم ہو چکا کہ بیع کسب میں داخل ہے بدلیل روایت امام احمد کے رافع بن خدیج سے اور بیع عبارت ہے دوران مال تجارت سے تو نص قرآنی سے زکوٰۃ مال تجارت میں بھی فرض ہوئی کیونکہ صیغہ انفقوا کا آیت انفقوا من طیبات ما کسبتم میں واسطے وجوب فرضی کے ہے علی الاطلاق تو فرضیت زکوٰۃ مال تجارت میں قرآن مجید سے ثابت ہوئی باقی رہی حدیث ابوداؤد کی جو دربارۂ زکوٰۃ مال تجارت کے وارد ہے، اور وہ حدیث یہ ہے عن سمرۃ بن جندب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعدہ للبیع رواہ ابوداؤد واسنادہ لین کذا فی بلوغ المرام سو یہ حدیث دلیل مستقل فرضیت زکوٰۃ مال تجارت پر نہیں ہے، بلکہ وہ دلالت کرتی ہے، نص آیت انفقوا من طیبات ما کسبتم اور سند اجماع پر اور یہ حدیث سند اجماع کیلئے کافی ہے، اگرچہ سند اس کی لین و ضعیف ہے، اور فی نفسہٖ قوی نہیں کہ موجب اسکات ہو، البتہ اجماع سے اس میں قوت آگئی ہے، چنانچہ تفصیل اور تشریح اس کی بحث اجماع میں مذکور ہے، کما لا یخفیٰ علی الماہر باقوال العلماء من المتقدمین والمتاخرین واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

حررہٗ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ ۲/ ماہ ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ص ۵۰۱ ج ۱)

---

[1] وہ جانور جو باہر جنگل میں چرتے ہیں ۱۲۔

تجارت کے مال میں زکوٰۃ کا حکم؟

(۲) وعلی سوال من بعض الاحبۃ هل فی اموال التجارۃ زکوٰۃ ام لا؟ فکتبت فی جوابہ الاحادیث الآتیۃ واکتفیت بھا وما زدت علیھا من تلقاء نفسی ولا من اقوال العلماء حرفا واحدا۔

عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الابل صدقتھا وفی البقر صدقتھا وفی الغنم صدقتھا وفی البز صدقتہ، رواہ الدارقطنی والحاکم وصححہ، وقال الحافظ ابن حجر اسنادہ لا باس بہ۔

وعن سمرۃ بن جندب کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج الزکوٰۃ مما "یعد" للبیع رواہ الدارقطنی وابو داؤد والبزار۔

وعنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج الزکوٰۃ من الرقیق الذی یعد للبیع رواہ الدارقطنی والبزار۔

وعن زیاد بن حدیر قال بعثنی عمر مصدقا فامرنی ان اخذ من المسلمین من اموالھم اذا اختلفوا بھا للتجارۃ ربع العشر ومن اموال اھل الذمۃ نصف العشر ومن اموال اھل الحرب العشر اخرجہ ابو عبید وعبد الرزاق ورواہ الطبرانی فی الاوسط مرفوعا وسکت علیہ الحافظ ابن حجر فی التلخیص مع شدۃ "فحصہ" فی تصحیح الاحادیث وتضعیفہ

بعض دوستوں کی طرف سے مجھ پر ایک سوال اس مضمون کا وارد ہوا کہ کیا اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہ؟ تو میں نے اسکے جواب میں آئندہ احادیث لکھ دیں، اور انہیں پر اکتفا کیا یعنی نہ اپنی طرف سے ایک حرف ہی بڑھایا اور نہ علماء کے اقوال سے۔ اور وہ احادیث یہ ہیں۔

ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں میں ان کی زکوٰۃ ہے، اور گائے میں انکی زکوٰۃ اور بھیڑ بکریوں میں انکی زکوٰۃ ہے، اور کپڑے میں اسکی زکوٰۃ ہے، اسکو دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے اسکو صحیح کہا، اور حافظ ابن حجر نے کہا اس کا اسناد لا باس بہ ہے۔

سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ ہم جن چیزوں کو فروخت کیواسطے رکھا کریں ان سے زکوٰۃ نکالا کریں، اس کو دارقطنی اور ابوداؤد اور بزار نے روایت کیا۔

اور ان (سمرہ) ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمکو حکم فرمایا کرتے تھے کہ جو غلام فروخت کیلئے رکھے جاتے ہیں، ان سے زکوٰۃ نکالا کریں اسکو دارقطنی اور بزار سے روایت کیا۔

اور زیاد بن حدیر سے روایت ہے کہ کہا مجھکو عمرؓ نے زکوٰۃ جمع کرنے والا بنا کر بھیجا تو مجھکو حکم دیا کہ لیا کروں مسلمانوں سے یعنی ان کے مالوں میں سے جنکو وہ تجارت کیلئے باہر اندر لیجاتے ہیں، چالیسواں حصہ اور ذمی کفار کے مالوں میں سے بیسواں حصہ اور حربی کفار کے مالوں میں سے دسواں حصہ اس کو ابو عبید اور عبد الرزاق نے نکالا اور طبرانی نے اسکو معجم اوسط میں مرفوعا روایت کیا اور حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اسپر سکوت کیا باوجودیکہ وہ اس کتاب میں احادیث کی صحت اور ضعف

من ذلك الكتاب۔

وعن حماس قال مررت على عمر بن الخطاب وعلى عنقي أدم أحملها فقال الا تؤدي زكوتك يا حماس فقلت مالي غير هذا واهب في القرظ قال ذاك مال فضع فوضعتها بين يديه فحسبها فوجدت قد وجب فيها الزكوة فاخذ منها الزكوة رواه الشافعي واحمد وابن ابي شيبة وعبد الرزاق وسعيد بن منصور والدارقطني۔

وعن زريق بن حكيم ان عمر بن عبد العزيز كتب اليه ان انظر من مر بك من المسلمين فخذ مما ظهر من اموالهم من التجارات من كل اربعين دينارا دينارا رواه مالك في الموطا والشافعي۔

وروى البيهقي من طريق احمد بن حنبل ثنا حفص بن غياث ثنا عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال ليس في العروض زكوة الا ما كان للتجارة۔

وعن ابن عمر في كل مال يدار عبيد او دواب او بز للتجارة تدار فيه الزكوة رواه عبد الرزاق۔

فلما بلغ السائل هذا الجواب اراه بعض افاضل عصرنا فكتب عليه۔

حديث اول: قال ابن الهمام في الفتح حديث ابي ذر اعله الترمذي عن البخاري بان ابن جريج لم يسمع من

کی خوب بحث کیا کرتے ہیں۔

اور حماس سے روایت ہے کہ کہا عمر بن خطاب پر میرا گزر ہوا اور میں اس وقت اپنی گردن پر کچھ چمڑے اٹھائے ہوئے تھا تو کہا اے حماس تو اپنی زکوٰۃ نہیں ادا کیا کرتا میں نے کہا میرا (مال) تو صرف یہی ہے اور کچھ چمڑے کے ڈبے ہیں جو رنگ میں پڑے ہیں، فرمایا یہ مال ہے رکھدے سو میں نے انکو رکھدیا آپ نے انکو شمار کیا کہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے پس پہنچے ان کی زکوٰۃ لے لی، اسکو شافعیؒ اور احمدؒ اور ابن ابی شیبہؒ اور عبدالرزاق اور سعید بن منصور اور دارقطنی نے روایت کیا۔

اور زریق بن حکیم سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے انکی طرف خط لکھا کہ جن مسلمانوں کا تجھ پر گزر ہو ان کو دیکھ لیا کر پھر انکے تجارتی مالوں میں سے جو ظاہر ہو ہر چالیس دینار پیچھے ایک دینار لیا کر، اس کو مالک نے موطا میں اور شافعی نے روایت کیا۔

اور بیہقی نے احمد بن حنبل کے طریق سے روایت کیا کہ ہم کو حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی ہم کو عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی وہ نافع سے وہ ابن عمر سے کہا تجارتی سامانوں کے سوا اور کسی سامان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اور ابن عمر سے روایت ہے، (کہا) جو مال کہ پھرایا جاتا ہے (یعنی) تجارت کے غلام یا چارپائے یا کپڑا تو ان میں زکوٰۃ پھر پھر دی جاتی ہے (یعنی سال بہ سال) اسکو عبدالرزاق نے روایت کیا۔

سو جب یہ جواب اس سائل کو پہنچا اس نے ہمارے زمانے کے بعض فاضلوں کو دکھایا تو اس پر یہ مضمون لکھا

حدیث اول: ابن الہمام نے فتح القدیر (شرح ہدایہ) میں لکھا ہے کہ ابو ذر کی حدیث کو ترمذی نے بخاری سے ناقل ہو کر یوں معلول بیان کیا ہے، کہ ابن جریج نے عمران بن ابی

عمران بن ابی انس انتہی وقد ضعف وقال فی واحدۃ منہا: ھذا اسناد لا باس بہ: ولا یخفاک ان مثل ھذا لا تقوم بہ الحجۃ علی انہ قال ابن دقیق العید ان الذی رواہ فی المستدرک فی ھذا الحدیث البر ورواہ الدارقطنی بالزاء لکن من طرق ضعیفۃ وہذا مما یوجب الاحتمال فلا یتم الاستدلال بہ انتہی ما قال الشوکانی۔

حدیث ثانی وثالث:۔ قال ابن حجر فی اسنادہ جہالۃ لان خبیب بن سلیمان مجہول وجعفر بن سعد لیس بالقوی وقال فی بلوغ المرام اسنادہ لین وقال الشوکانی فی وبل الغمام رواہ ابوداؤد والطبرانی والدارقطنی والبزار لکنہا لا تقوم بمثلہا الحجۃ لما فی اسنادہ من المجاہیل قال السید عبدالغنی الزبیدی فی حاشیۃ الدارقطنی ھذا من صحیفۃ سمرۃ التی یرویہا عنہم ولیس لہا مخرج الا من جہتہم انتہی۔

والاحادیث الباقیۃ لیست بحجۃ لانہا موقوفۃ کما لا یخفی علی ماہر اصول الحدیث قال الشوکانی واما قول عمر فہا لا نقول بحجیتہ

انس سے سماع نہیں کیا، انتہی اور ابن حجر نے اس کے سب طرق کو فتح الباری میں ضعیف کہا ہے، اور ان میں سے ایک طریق کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اسناد لاباس بہ ہے اور یہ بات تجھ پر ظاہر ہے کہ ایسے (لفظ) سے حجت قائم نہیں ہوتی علاوہ ابن دقیق العیدؒ نے یہ کہا ہے کہ جو مستدرک کے اندر اس حدیث میں روایت کیا ہے، بر ہے (راء مہملہ) سے اور دارقطنی نے اس کو (معجمہ) سے روایت کیا ہے، لیکن ضعیف طرق سے اور یہ (اختلاف) موجب احتمال ہے، پس اس سے دلیل پکڑنا ٹھیک نہیں شوکانی کا قول ختم ہوا۔

حدیث ثانی وثالث:۔ ابن حجر نے کہا اس کے اسناد میں جہالت ہے کیونکہ خبیب بن سلیمان مجہول ہے، اور جعفر بن سعد قوی نہیں ہے، اور بلوغ المرام میں کہا اس کا اسناد ڈھیلا ہے، اور شوکانی نے وبل الغمام میں کہا اس کو ابوداؤد اور طبرانی اور دارقطنی اور بزار نے روایت کیا ہے، لیکن یہ روایتیں ایسی ہیں کہ ایسی حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی کیونکہ اس کی اسناد میں مجہول راوی ہیں، سید عبدالغنی زبیدی نے دارقطنی کے حاشیے میں کہا ہے کہ یہ (حدیث) سمرۃ کے صحیفہ میں سے ہے کہ جس کو (دارقطنی) مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے، اور اس کا مخرج ان کی جہت کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور باقی حدیثیں حجت نہیں ہیں، کیونکہ وہ موقوف ہیں، جیسے اصول حدیث کے ماہر پر ظاہر ہے، اور کہا شوکانی نے رہا عمرؓ کا قول سو ہم اس کے حجت ہونے کے قائل نہیں ہیں

فتحیر السائل وجاء بہ عندی فالح علی ان ادفع ھذہ الاعتراضات وادفع تلک التعقبات حتی اضطرنی الی الکتابۃ والجأنی الی الاجابۃ فاقول مستعینا باللہ۔

اس پر وہ مسائل حیران ہوا اور وہ (رد) میرے پاس لایا اور مجھ پر زور دیا کہ ان اعتراضوں کو دفع اور انکے تعقبات کو دفع کروں یہاں تک کہ مجھ کو لکھنے پر مجبور کیا اور اپنی بات منانے پر لاچار کیا، سو میں اللہ کی مدد طلب کرتا ہوں، اور کہتا ہوں۔

الحدیث الاول اخرجہ الحاکم من طریقین ثم قال کلا الاسنادین صحیح علی شرطہما واعترض ابن دقیق العید کونہ علے شرط البخاری ودفعہ ابن الملقن فی البدر بان مراد الحاکم ان الشیخین قد احتجا بمثل رجال الاسنادین لا انہم من رجالہما معا وتعلیل البخاری لہ بان ابن جریج لم یسمع من عمران فی طریق واحد منہما لا فی الطریق الثانی الذی یرویہ سعید بن سلمۃ عن عمران وقال فیہ الحافظ ابن حجر ھذا اسنادہ لا باس بہ ولہ طرق غیرہما وان ضعفہا العلماء لکن تقرر فی اصول الحدیث ان مثل ھذا الحدیث اذا کثرت طرقہ صار حسنا بل صحیحا۔

حدیث اول کو حاکم نے دو طریق سے نکالا اور پھر کہا کہ دونوں اسناد علی شرط الشیخین (اور) صحیح ہیں، اور ابن دقیق العید نے اس کے علی شرط البخاری ہونے پر اعتراض کیا ہے، اور ابن الملقن نے اس کو بدر منیرا میں یوں دفع کیا ہے کہ حاکم کی مراد یہ ہے کہ شیخین نے (ان) دونوں اسناد کے راویوں سے حجت پکڑی ہے یہ مراد نہیں کہ یہ راوی شیخین کے ہی راوی ہیں اور بخاری کا اسکو یوں معلول بیان کرنا کہ ابن جریج نے عمران سے سماع نہیں کیا سو یہ ان دو میں سے ایک طریق میں ہے، دوسرے طریق میں نہیں جسکو سعید بن سلمۃ عمران سے روایت کرتا ہے، اور حافظ ابن حجر نے اس میں یہ کہا ہے کہ یہ اسناد لا باس بہ ہے، اور اس حدیث کے ان دو طریق کے سوا اور طرق بھی ہیں، اور علماء نے اگرچہ انکو ضعیف کہا ہے، لیکن اصول حدیث میں یہ امر مقرر ہے کہ جب ایسی حدیث کے طرق کثیرہ ہوں تو وہ حسن بلکہ صحیح ہو جاتی ہے۔

قال السیوطی والمقرر فی علوم الحدیث ان من یکون بہذہ الصفۃ اذا وجد لہ شاھد او متابع حکم لحدیثہ بالصحۃ وقال الشیخ محمد اکرم فی امعان النظر قد یکون

سیوطی نے کہا اور علوم حدیث میں یہ امر مقرر ہے کہ جو (راوی) اس صفت پر ہو تو جب اس کا کوئی شاہد یا متابع پایا جاوے تو اس کی حدیث کے لئے صحت کا حکم دے دیا جاتا ہے، اور شیخ محمد اکرم نے امعان النظر میں کہا ہے کبھی متابع اور متابع ہر ایک پر اعتماد نہیں

كل من المتابع والمتابع لا اعتماد عليه
فباجتماعهما تحصل القوة انتهى۔

وقد تمسك الشوكاني في النيل و
الدراري وغيره في غيرهما في مواضع
كثيرة بالاحاديث الضعيفة مستدلين
بهذه القاعدة وفي العلم الشامخ
ودونه الضعيف وهو مراتب كثيرة
وتحسنه الشواهد وتصححه عند بعضهم
مالم يكثر ضعفه في المحلين انتهى۔
على ان رواية من لا باس به حجة
عند ابن معين وعبدالرحمن بن ابراهيم۔

قال ابوذر الدمشقي قلت لعبدالرحمن
ماتقول في علي بن حوشب قال لا باس به
قال قلت ولم لا تقول ثقة قال
قد قلت لك انه ثقة كذا في الامعان
وكفى بهما امامين هما مين اما لفظ البر
موضع البز في رواية المستدرك
فتصحيف من بعض الرواة كما صرح
به النووي في تهذيب الاسماء
واللغات۔

والحديث الثاني وان ضعفه ابن
حجر بان قال في اسناده جهالة لكن حسنه
غيره كما قال الشوكاني وصرح ابن
عبدالبر بان اسناده حسن ولا يخفاك
ان محسنه عنده علم برواته وجرح

ہوتا تو دونوں کے جمع ہونے سے بھی قوت حاصل ہو
جاتی ہے، انتہیٰ۔

اور شوکانی نے نیل الاوطار اور دراری میں اور اور دوسروں
نے اور کتابوں میں بہت سی جگہوں میں اس قاعدہ سے
دلیل لیکر ضعیف حدیثوں سے تمسک کیا ہے، اور علم شامخ
میں ہے اور اس سے (یعنی حسن سے) کم درجہ ضعیف
ہے، اور اسکے کئی درجے ہیں، اور شاہد کو حسن اور بعضوں
کے نزدیک صحیح کر دیتے ہیں، جب تک کہ اس کا ضعف
دونوں محل میں بہت نہ ہو، علاوہ ازیں یہ بھی ہے کہ
لا باس بہ (راوی) کی روایت ابن معین اور عبدالرحمن بن ابراہیم
کے ہاں حجت ہے۔

اور کہا ابوذر دمشقی نے میں نے عبدالرحمن (بن ابراہیم)
سے کہا آپ علی بن حوشب کے بارے میں کیا کہتے ہیں، کہا
لا باس بہ ہے، میں نے کہا آپ اس کو ثقہ کیوں نہیں
کہتے، کہا میں تجھ کو کہہ چکا ہوں کہ وہ ثقہ ہے۔ اسی طرح
امعان میں ہے، اور یہ دونوں بڑے امام کافی ہیں، اور رہا
بجائے بز کے بُر کا لفظ آنا مستدرک کی روایت میں تو وہ
کسی راوی کی طرف سے تصحیف ہے، جس طرح کہ نووی
نے تہذیب الاسماء واللغات میں اس کی تصریح
فرمائی ہے۔

اور حدیث ثانی کو اگرچہ ابن حجر نے بایں طور ضعیف
بیان کیا ہے، کہ اس کی اسناد میں جہالت ہے لیکن دوسروں
نے اس کو حسن کہا ہے جس طرح کہ شوکانی نے کہا۔ اور
ابن عبدالبر نے اس کی تصریح کی کہ اسکی اسناد حسن ہے
اور تجھ پر ظاہر ہے کہ اس کا حسن کہنے والا اس کے راویوں

الجہالۃ عدم علم بحال الرواۃ ومن له علم مقدم على من ليس له علم و قول المعترض فی اسناده جعفر بن سعد و هو ليس بالقوی فجرح مبهم لا يقبل حتی يبين سببه كما قال الحافظ الجرح مقدم على التعديل ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح فيمن ثبتت عدالته انتهى۔

وقد علمت قول الشوكانی ان هذا الحديث حسن عند العلماء سوى الحافظ والجرح المبهم للحافظ فی مقابلة تحسين العلماء غير مقبول۔

قال ابو داؤد كلما سكتُ عليه فی كتابی هذا فهو صالح للاحتجاج وهذا من الاحاديث التی سكت عليها ابو داؤد بعده ابن المنذر وسكوتهما دليل على حسنه عندهما وهذا هو الجواب من الحديث الثالث۔

على ان الحديث الضعيف اذا كان معمولا به فی القرون المشهود لها بالخير مقبول عند الامة كحديث العينان وكاء السه وحديث الماء طهور لا ينجسه شئ الا ما غلب على ريحه او طعمه او لونه وحديث لا وصية

کا حال جاننے والا ہے، اور جہالت کی جرح جو ہے، تو راویوں کا حال نہ جاننا ہے، اور جو (کسی بات کا) علم رکھتا ہے، وہ مقدم ہے اس پر جو علم نہیں رکھتا۔ اور معترض کا یہ قول کہ اس کی اسناد میں جعفر بن سعد ہے، اور وہ قوی نہیں سو یہ جرح مبہم ہے اسے سبب بیان نہ کرنے تک مقبول نہیں ہوتی جس طرح کہ حافظ ابن حجر نے کہا جرح مقدم ہے تعدیل پر بشرطیکہ صادر ہووے بیان شدہ (اور) ایسے شخص سے کہ جو اس کے اسباب پہچانتا ہوں، اس لئے کہ جرح اگر بیان شدہ نہ ہو تو ایسے شخص میں قادح نہیں ہو سکتی جس کا عدل ہونا ثابت ہے۔ انتہی۔

اور شوکانی کے قول سے تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حدیث سوائے حافظ کے باقی علماء کے ہاں حسن ہے اور حافظ کی جرح مبہم علماء کی تحسین کے مقابلہ میں مقبول نہیں۔

ابوداؤد نے کہا جس حدیث پر کہ میں اپنی اس کتاب میں سکوت کروں تو وہ احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہے، اور یہ حدیث بھی انہی حدیثوں میں سے ہے کہ جن پر ابوداؤد نے اور انکے بعد ابن منذر نے سکوت فرمایا ہے، اور ان دونوں کا اس پر سکوت کرنا دلیل ہے کہ یہ حدیث دونوں کے ہاں حسن ہے، اور یہی جواب ہے حدیث ثالث سے۔

علاوہ ازیں ضعیف حدیث جبکہ قرون مشہود لہا بالخیر میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے جیسے العینان وکاء السہ کی حدیث اور حدیث الماء طہور لا ینجسہ شئ الا ما غلب علی ریحہ او طعمہ او لونہ کی اور حدیث لا وصیۃ لوارث کی اور ان جیسی حدیثیں اور بہت ہیں اور امت اس بات

لوارث وامثالها كثيرة وقد اتفقت الأئمة على ان النوم ناقض ودليلهم الاحاديث الضعيفة فهي مردودة من حيث الاسناد ومقبولة من حيث المعاني قال الحافظ في التلخيص تعقب ابن عبد البر على تصحيح من صحح حديث البحر هو الطهور ماءه ثم حكم مع ذلك بصحته لتلقى العلماء له بالقبول فرده من حيث الاسناد وقبله من حيث المعنى انتهى ملخصا۔

قال النووي اتفق العلماء على تضعيف حديث الا ما غلب على ريحه وطعمه قلت ومع ذلك اجمع العلماء على ان الماء القليل والكثير اذا وقعت فيه نجاسة تغيرت لونا او ريحا او طعما فهو نجس كما قاله ابن المنذر وقال الشافعي وهو قول العامة لا اعلم بينهم خلافا فيه۔

وقال الشوكاني وقد اتفق اهل الحديث على ضعيف هذه الزيادة لكنه قد وقع الاجماع على مضمونها كما نقله ابن المنذر وابن الملقن فمن كان يقول بحجية الاجماع كان الدليل عنده على ما افادته تلك الزيادة هو الاجماع ومن كان لا يقول بحجية الاجماع كان هذه الاجماع مفيد الصحة تلك الزيادة لكونها قد صارت مما اجمع على معناها وتلقى بالقبول فالاستدلال بها لا بالاجماع انتہی۔

پر متفق ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اور ان کی دلیل ضعیف حدیثیں ہیں، سو وہ اسناد کی حیثیت سے مردود ہیں اور معانی کے لحاظ سے مقبول ہیں، حافظ نے تلخیص میں کہا ابن عبد البر نے ان علماء کی تصحیح پر تعقب کیا ہے جنہوں نے حدیث البحر ہو الطہور ماءہ کی تصحیح کی ہے، پھر باں نہمہ اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ علما نے اس کو قبول کر لیا ہے، سو اس حدیث کو اسناد کے لحاظ سے مردود اور معنی کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ انتہی ملخصاً۔

نووی ؒ نے کہا حدیث الا ما غلب علی ریحہ اور طعمہ کے ضعیف کہنے پر علماء اتفاق رکھتے ہیں، میں کہتا ہوں اور باں ہمہ علما کا اس پر اجماع ہے کہ قلیل کثیر پانی میں جب نجاست پڑ کر رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دیوے تو وہ پلید ہے، جس طرح کہ ابن المنذر نے کہا ہے۔ اور شافعی ؒ نے کہا عامہ علماء کا قول یہی ہے میں نہیں جانتا کہ اس میں ان کے درمیان اختلاف ہو۔

شوکانی نے کہا اہل حدیث اس زیادت کے ضعف پر اتفاق کر چکے ہیں لیکن اس کے مضمون پر اجماع واقع ہے جس طرح کہ ابن المنذر اور ابن الملقن نے نقل فرمایا ہے، سو اب جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس زیادت کے مفاد پر اجماع ہی دلیل ہے اور جو لوگ اجماع کے حجت ہونے کے قائل نہیں ہیں ان کے ہاں یہ اجماع اس زیادت کے صحیح ہونے کا مفید ہو گا اس لئے کہ یہ زیادتی ایسی ہو گئی کہ جس کے معنی پر اجماع ہو چکا ہے اور قبولیت کی نظر پڑی ہے، سو ان کا استدلال اسی زیادت سے ہے، نہ اجماع سے۔

قال السخاوی فی شرح الالفیۃ اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی الصحیح حتی انہ ینزل منزلۃ التواتر فی انہ ینسخ المقطوع بہ ولہذا قال الشافعی رحمہ اللہ فی حدیث لاوصیۃ لوارث انہ لایثبتہ اہل الحدیث لکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوہ ناسخا لآیۃ الوصیۃ۔

وقال العلامۃ المقبلی فی ارواح النوافح شرح العلم الشامخ فالصحیح المعمول بہ ہو یشتمل انواعا من الضعیف وقد ذکرہ ابن حجر فی مواضع کتلخیص البدر المنیر وکذالک وغیرہ فلیحفظ فانہ مہم لکثرۃ غلط الناس الیوم فیما قد یقول فیہ المحدثون لیس بصحیح او ہو ضعیف فیتوہم انہ غیر معمول بہ مطلقا ولم یشترط فی المعمول بہ کونہ صحیحا باصطلاح متاخری المحدثین الا البخاری وہو قول بعید عن الادلۃ بل لو قیل خلاف ما علیہ الاولون والآخرون لساغ انتہی۔

* * *

وقد اجمعت سلف الامۃ علی العمل بحدیث زکوٰۃ اموال التجارۃ۔

اور سخاویؒ نے شرح الفیہ میں کہا ہے جب ایک امت حدیث ضعیف کو قبول کرلیوے تو مذہب صحیح یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے گا، یہاں تک کہ وہ یقینی اور قطعی حدیث کو منسوخ کرنے میں متواتر حدیث کے رتبہ میں سمجھی جاوے گی، اور اسی وجہ سے شافعیؒ نے حدیث لاوصیۃ لوارث کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اس کو اہل حدیث ثابت نہ کہتے لیکن عامہ علمائے اسکو قبول کرلیا ہے، اور اس پر عمل رکھتے ہیں، یہاں تک کہ اس کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

اور علامہ مقبلی نے الارواح النوافح فی شرح العلم الشامخ میں کہا ہے صحیح معمول بہ حدیث ضعیف کے بعض انواع کو بھی شامل ہے، اور اس کو حافظ ابن حجر نے تلخیص البدر المنیر جیسی کئی جگہوں میں ذکر کیا ہے، اور اسی طرح دوسروں نے سوا ہے یاد رکھنا چاہیئے کیوں یہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لئے کہ جن حدیثوں کے بارے میں محدث لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہیں، یا یہ ضعیف ہیں اس زمانے میں لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں، یعنی یہ وہم پڑجاتا ہے، کہ اس پر مطلقاً عمل ہی نہیں اور معمول بہ حدیث کا بجز بخاریؒ کے متاخرین محدثین کی اصطلاح میں صحیح ہونا مشروط نہیں ہے، اور یہ قول (کہ مشروط ہے) دلائل سے دور ہے، بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اگلوں پچھلوں کے مذہب کے خلاف ہے، تب بھی جائز ہے (علامہ مقبلی کا قول ختم ہوا۔

اور اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حدیث پر عمل کرنیکے اوپر سلف امت کا اجماع ہو چکا ہے۔

قال الحافظ ابن حجر فی الفتح زکوٰۃ التجارۃ ثابتۃ بالاجماع کما نقلہ ابن المنذر وغیرہ فیخص بہ عموم ھذا الحدیث انتہیٰ۔

وکذا نقل الاجماع علیٰ ذالک الشوکانی فی النیل وغیرہ فی غیرہ وقد أخذھا الخلیفۃ الثانی وامر عمالہ باخذھا فما انکر علیہ احد من الصحابۃ قال الطحاوی لا نعلم احدًا من الصحابۃ خالف عمر رضی اللہ عنہ فی ھذہ المسئلۃ۔

وقال ابن المنذر الاجماع قائم علیٰ وجوب الزکوٰۃ فی مال التجارۃ وممن قال بوجوبہا الفقہاء السبعۃ لکن لایکفر جاحدھا للاختلاف فیہا، ولا عبرۃ بمخالفۃ من خالف اجماع سلف ھذہ الامۃ من الظاھریۃ وغیرھا ولو کانوا اعداد الشعر والبعر ولو لم یکن فی ھذہ المسئلۃ الا قول اللہ عزوجل وَاَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وقولہ جل ذکرہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا لتم الاستدلال لان اللفظ الاموال وما کسبتم عام شامل لجمیع اصناف الاموال فلا یخص منہا شی الا بنص من الشارع او الاجماع الثابت

حافظ ابن حجر نے فتح میں کہا تجارت کی زکوٰۃ جسطرح کہ اس کو ابن المنذر وغیرہ نے نقل کیا ہے، باجماع ثابت ہے، سواس حدیث کے عموم کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے۔" (حافظ کا قول) ختم ہوا۔

اور اسی طرح اس پر اجماع شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں اور دوسروں نے دوسری کتابوں میں نقل کیا ہے، اور خلیفہ ثانی (عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کو لیتے رہے اور اپنے کارداروں کو اسکے لینے کا حکم فرماتے رہے اور ان پر کسی ایک صحابی نے (بھی) انکار نہیں کیا۔ طحاوی نے کہا ہم کو کوئی صحابی معلوم نہیں کہ جس نے اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی مخالفت کی ہو۔

اور ابن المنذر نے کہا مال تجارت میں زکوٰۃ کے واجب ہونے پر اجماع قائم ہے، اور فقہا سبعہ بھی اس کے وجوب کے قائلین میں سے ہیں، لیکن اس کا منکر کافر نہ ہوگا کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور ظاہریہ اور عنبرظا ہر جو سلف امت کے اس اجماع کے مخالف ہیں، ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگرچہ وہ بالوں اور مینگنوں کے شمار میں (بھی) ہوں اور اگر اس مسئلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ اور جل شانہ کا یہ قول کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (ہی) ہوتا تب بھی استدلال تام تھا کیونکہ اموال اور ما کسبتم کا لفظ (دونوں) عام ہیں اور مال کے سب قسموں کو شامل ہیں، تو ان میں سے نص شارع یا اجماع ثابت کے سوا کسی چیز کو خاص نہیں کیا جا سکتا پھر ان احادیث مذکورہ کے ہوتے ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس متفق علیہ قول کے ہوتے ہوئے وہ کہ اللہ تعالیٰ

فکیف مع هذه الاحادیث المذکورة و
قوله صلی الله علیه وسلم ان الله قد فرض
علیهم صدقة تؤخذ من اغنیاءهم
فترد علی فقراهم متفق علیه فکل من
کان عنده مال نقدا کان او غیره
فهو الغنی وحد الغنی فی هذا الحدیث
النصاب المقرر من الشارع وهو ماتا
درهم او قیمتها فتخصیص بعض الاغنیاء
من بعض تحکم وقوله صلی الله علیه وسلم
واما خالد فانکم تظلمون خالدا فانه قد
احتبس ادراعه واعتده فی سبیل الله
متفق علیه فان الصحابة رضی الله عنهم
طلبوا منه زکوة ادراعه واعتده ظنا منهم
انها للتجارة فمنع فشکوا الیه صلی الله علیه وسلم
فقال انه قد اوقف امواله فی سبیل الله
فلیس علیه فیها زکوة فطلبکم منه ظلم و
هذا المعنی هو المتبادر من الحدیث
وخلافه لا تشهد له العبارة ولا تحکم
له الدلالة فلو لم تکن فی اموال التجارة
زکوة لما طلب الصحابة من خالد
زکوة اجناسه ولمنعهم صلی الله
علیه وسلم من اخذ زکوة اموال
التجارة واما الاحادیث الباقیة
فاعلم رحمك الله تعالی انا بریء
من اصل احدث علی خلاف الحدیث

ان پر فرض کردی، زکوٰۃ جو ان کے اغنیاء سے لی جاتی ہے،
پھر ان کے فقراء پر پھیر دی جاتی ہے، کس طرح خاص کیا
جا سکتا ہے (سو اس حدیث کی بنا پر) جس شخص کے
پاس مال ہوگا، نقد ہو یا جنس وغیرہ تو وہ غنی ہوگا، اور
اس حدیث میں غنی کی تعریف نصاب ہے جو شارع کیطرف
سے مقرر ہے، اور وہ دو سو درہم ہے یا ان کی قیمت پس
بعض اغنیاء کو بعض سے خاص کر دینا سینہ زوری ہے،
و نیز آنحضرت کے اس متفق قول کے ہوتے ہوئے کہ لیکن
خالد سو تم خالد پر زیادتی کرتے ہو، کیونکہ وہ اپنی زرہیں
اور سامان ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کر چکا ہے، اور
یہ اس لئے (فرمایا تھا) کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس سے
اس کی زرہوں اور ہتھیاروں کی زکوٰۃ طلب کی تھی یہ گمان
رکھ کر کہ وہ تجارتی ہیں تو خالد نے (زکوٰۃ) نہ دی سو صحابہ نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی تو آپ نے فرمایا وہ تو اپنا
مال اللہ کی راہ میں وقف کر چکا ہے، اور اس پر ان میں زکوٰۃ نہیں ہے
سو تم لوگوں کا اس سے زکوٰۃ مانگنا زیادتی ہے، اور حدیث ہذا سے
یہی معنی ہی متبادر ہے، اور اس کے خلاف پر نہ عبارت شہادت
دیتی ہے اور نہ دلالت اس کا حکم کرتی ہے سو اگر اموال تجارت
میں زکوٰۃ نہ ہوتی صحابہ رضی اللہ عنہم خالد سے اس کے اجناس
کی زکوٰۃ نہ مانگتے و نیز آنحضرت انکو اموال تجارت کی زکوٰۃ لینے
سے روک دیتے۔ رہی باقی حدیثیں سو اللہ تجھ کو رحم کرے معلوم کرنا
چاہیئے، کہ ہم اس قانون سے جو حدیث نبوی کے خلاف بنایا گیا ہو،
اور اس قاعدے کے تیار کرنے سے جسکی بنیاد آثار مصطفوی کے
الٹ ڈالی گئی ہو بیزار ہیں، ہمارے پروردگار کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اپنے

النبوی واعداء القاعدۃ اُسست علی شفاق
الاثر المصطفوی قال رسول ربنا صلے اللہ
علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء
الراشدین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ
وقال اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر وعمر
وقال اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونہم ثم
الذین یلونہم ثم یفشوا الکذب فما ثبت من
الخلفاء الراشدین وسلف علیہ خیر
القرون فتمسك بہ وعض علیہ بالنواجذ
وایاك والاصول التی اصلت علی شفا
جرف ھار التی لا یسمن ولا یغنی من جوع
اللھم کیف لا یکون قولھم حجۃ مع
ان رسول ربنا امرنا باتباعھم ووعد
خالقنا رضاہ باقتفاءھم فواعجبا
لعلم ھذا الاصل ثمرتہ وعقل
ھذہ القاعدۃ قطفتہ والذی ینسب
الیہ ھذہ القاعدۃ وھو بریئی منہا
ھوالذی احتج بقول الخلفاء ۔

نقل السیوطی فی الاکلیل ان الشافعی
رحمہ اللہ قال مرۃ بمکۃ سلونی عما شئتم
اخبرکم عنہ من کتاب اللہ فقیل لہ
ما تقول فی المحرم یقتل الذنبور فقال
بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرحیم قال اللہ
تعالی وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا
نَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا ۔

اور پر لازم کرو، اور اس پر چنگل مارو اور ڈاڑھوں سے مضبوط
پکڑو، اور فرمایا وہ شخص جو میرے بعد ہونگے (یعنی ابوبکر و عمر)
ان کی اقتدا کرنا اور فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اپنے
صحابہ کی پھر ان لوگوں کی جو ان سے قریب ہوں گے پھر ان
لوگوں کی جو ان سے قریب ہوں گے، پھر جھوٹ پھیل جاویگا
سو جو بات خلفاء راشدین سے ثابت ہو، اور اس پر خیر القرون
گذر چکے ہوں تو اس پر پنجہ مار اور داڑھوں سے مضبوط پکڑ،
اور جن قاعدوں کی بنا گرنے والے گڑھے کے کنارے پر رکھی
گئی ہے، (اور جو نہ موٹا کرتے ہیں، اور نہ بھوک بند کرتے
ہیں، ان سے بچ اور پرہیز کر الہٰی کیوں کر ان کا قول حجت
نہ ہو باوجودیکہ ہمارے پروردگار کے رسول نے ہم کو انکی تابعداری
کا حکم فرمایا ہے، اور ہمارے خالق نے اپنی رضامندی کا وعدہ
ان کی پیروی پر ہی دیا ہے۔ سو بڑا ہی تعجب ہے، اس
علم پر کہ یہ قانون جس کا ثمرہ ہے، اور اس عقل پر کہ
یہ قاعدہ جس کا خوشہ ہے، اور جس صاحب کی طرف
یہ قانون منسوب ہے، حالانکہ وہ اس سے بری ہے
وہی ہے، جس نے خلفاء راشدین کے قول کو حجت
بنایا ہے ۔

سیوطی نے اکلیل میں نقل کیا ہے، کہ شافعیؒ نے ایک بار
مکہ میں فرمایا کہ لوگو جو چاہو مجھ سے پوچھو میں تم کو کتاب اللہ
سے اس کی خبر دوں گا، تو کسی نے ان سے کہا کہ آپ محرم
کے حق میں جو بھڑ کو مار ڈالے کیا فرماتے ہیں، انہوں نے کہا!
بسم اللہ الرحمن الرحیم فرمایا اللہ تعالیٰ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا
نَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا ۔ (یعنی جو کچھ کہ رسول تمکو دیوے
اس کو لے لو، اور جس سے منع فرماوے اس سے رُک جاؤ۔

وحدثنا سفیان بن عیینة عن عبد الملك بن عمیر عن ربعی بن خراش عن حذیفة بن الیمان عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر وعمر۔

وحدثنا سفیان عن مسعر بن کدام عن قیس بن المسلم عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب انه امر بقتل المحرم الذنبور انتہیٰ ؛

قال الحافظ ابن القیم وان لم یخالف الصحابة الصحابی آخر فاما ان یشتهر قوله فی الصحابة اولا یشتهر فان اشتهر فالذی علیه جماهیر الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة وقالت طائفة منهم هو حجة ولیس باجماع وقال شرذمة من المتکلمین وبعض الفقهاء المتاخرین لایکون اجماعا ولا حجة وان لم یشتهر قوله اولم یعلم هل اشتهر ام لا فاختلف الناس هل یکون بحجة ام لا فالذی علیه جماهیر الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفیة صرح به محمد بن الحسن وذکره عن ابی حنیفة نصا وهذا مذهب مالك واصحابه وتصرفه فی موطائه دلیل علیه وهو قول اسحاق بن راهویه وابی عبید وهو منصوص الامام احمد فی غیر موضع واختیار جمهور اصحابه وهو

اور کہا ہم کو سفیان بن عیینہ نے عبد الملک بن عمیر سے حدیث سنائی اس نے ربعی بن خراش سے اس نے حذیفہ بن یمان سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا دو ۲ شخص جو میرے بعد ہوں گے، (یعنی ابو بکر و عمر) ان کی اقتداء کرنا ۔

اور ہمکو سفیان نے مسعر بن کدام سے حدیث سنائی، اس نے قیس بن مسلم سے اس نے طارق بن شہاب سے اس نے عمر بن خطاب سے انہوں نے امر فرمایا کہ احرام والا بھڑ کو مار ڈالا کرے۔ (اکلیل کا لفظ ختم ہوا)

حافظ ابن قیم نے کہا اور اگر صحابہ کا کوئی دوسرا صحابی مخالف نہ ہو تو دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو یہ اس کا قول صحابہ میں مشہور ہو جاتا ہے، یا نہیں ہوتا سو اگر مشہور ہو جائے تو فقہاء کی بہت ساری جماعتیں اس پر ہیں کہ وہ اجماع بھی ہے، اور حجت بھی ہے، اور ایک جماعت ان میں سے یہ کہتی ہے کہ وہ حجت ہے، اجماع نہیں ہے، اور متکلمین کی ایک جماعت اور بعض فقہاء متاخرین یہ کہتے ہیں کہ نہ اجماع ہوگا، اور نہ حجت اور اگر اس کا قول مشہور نہیں ہوا ہے یا معلوم نہیں کہ مشہور ہوا ہے یا نہیں تو اس میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ حجت ہو سکتا ہے یا نہ، سو امت کے جماہیر اس پر ہیں کہ یہ قول حجت ہے، یہی ہے قول جمہور حنفیہ کا محمد بن حسن نے اس کی تصریح کی ہے اور ابو حنیفہ سے اس کو نصاً ذکر کیا ہے، اور یہی مذہب ہے مالک اور اس کے اصحاب کا اور موطا میں ان کا تصرف بھی اسی پر دلیل ہے، اور یہی قول ہے اسحٰق بن راہویہ اور ابو عبید کا اور یہی ہے، امام احمد کا منصوص بہت سی جگہوں میں اور اختیار ان کے جمہور اصحاب کا اور یہی ہے شافعی

منصوص الشافعی فی القدیم والجدید۔

اما القدیم فاصحابہ مقرون بہ واما الجدید فکثیر منھم حکی عنہ انہ لیس بحجۃ وفی ھذہ الحکایۃ عنہ نظر ظاھر جدا فانہ لا یحفظ لہ فی الجدید حرف واحد ان قول الصحابۃ لیس بحجۃ وغایۃ ما تعلق بہ من نقل ذلک انہ یحکی اقوالا للصحابۃ فی الجدید ثم یخالفھا وھذا تعلق ضعیف جدا فان مخالفۃ المجتھد المعین لما ھو اقویٰ فی نظرہ لا یدل علی انہ لا یراہ دلیلا من حیث الجملۃ بل خالف دلیلا لدلیل ارجح عندہ منہ انتھیٰ۔

ھذا اقوال العلماء فی قول مطلق الصحابی فما ظنك بالخلفاء الراشدین الذین امرنا رسول ربنا صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ باتباعھم وحضنا باقتفاءھم وحکم علینا بعض النواجذ علی سنتھم ولو بسطنا الکلام علی ھذہ المسئلۃ لبلغ کراریس لکن اقتصرنا علی ذلك القدر لما فیہ کفایۃ لمن ابتغی الحق واراد الانصاف وترك التعصب۔

قد نشاءت فی عصرنا فرقۃ تدعی اتباع

کا منصوص قدیم اور جدید میں۔

پھر رہا قول قدیم۔ سو ان کے اصحاب اس کے اقراری ہیں اور رہا جدید سو ان میں سے بہت تو شافعیؒ سے یہ حکایت کرتے ہیں کہ وہ حجت نہیں ہے، اور اس حکایت میں بالکل ظاہر خلل ہے، کیونکہ قول جدید میں ان سے مطلقاً ایک حرف بھی محفوظ نہیں ہے کہ صحابہ کا قول حجت نہیں ہے، اور اس حکایت کے ناقل نے غایت درجہ اس بات سے تعلق پکڑا ہوگا۔ کہ شافعیؒ جدید میں صحابہ کے کئی اقوال نقل کرتے ہیں، پھر ان کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہ تعلق بہت ہی ضعیف اور کمزور ہے اس لئے کہ مجتہد معین کا اس قول کی مخالفت کرنا جو اس کے خیال میں اقویٰ ہے اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اسکو کسی طرح بھی دلیل نہیں جانتا۔ بلکہ اس نے تو ایک دلیل کی مخالفت کی ہے، مقابلے میں ایک ایسی دلیل کے جو اس کے ہاں اس پر بہت ترجیح رکھتی ہے۔ (ابن قیمؒ کا قول ختم ہوا۔

یہ ہیں علماء کے اقوال مطلق صحابی کے قول کے بارہ میں سو اب خلفاء راشدین کے ساتھ تیرا کیا گمان ہے؟ یہ تو وہی ہیں جن کی تابعداری کا ہمارے پروردگار کے پیغمبرؐ نے ہم کو حکم دیا، اور جن کی پیروی کی ترغیب فرمائی، اور جن کی چالوں کو داڑھوں سے مضبوط پکڑنے کا ہم پر حکم لگایا، اور اگر ہم اس مسئلہ پر کلام کو بسط دیویں تو کئی جزوں تک پہنچ جاوے لیکن اسی قدر پر اکتفا کر لیا ہے، کیونکہ اس میں حق تلاش کرنے والے اور انصاف کو چاہنے والے اور تعصب اور اعتساف کو چھوڑنے والے کیلئے کفائت ہے۔

اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع

الحديث وهم بمعزل منه يردون الاحاديث
المعمولة عند سلف الامة وخلفها بادنى
قدح خفيف وجرح ضعيف يطرحون
اقوال الصحابة وافعالهم باصل نحيف
وقول كسيف ويقدمون عليها آراءهم
الركيكة وانكارهم العليلة ويسمون انفسهم
المحققين كلا والله هم الذين يهدمون منار
الشريعة النبوية ويدرسون قواعد الملة
الحنيفية ويعفون آثار السنة المصطفوية
تركوا الاحاديث المرفوعة ونبذوا الآثار
المسندة ويحيلوا لدفعها حيلا لا ينشرح
لها صدر موقن ولا يرفع لها راس مؤمن
ولست عقدة الانامل على ان اقوال الصحابة
وعملهم والاحاديث التي فيها وهن تقابل
الاحاديث الصحيحة بل اقول اذا لم يوجد
في الباب حديث اعلى مرتبة الصحيح و
وجد خلافه وان كان فيه نوع وهن و
عمل به سلف الامة وخلفهم او جمهورهم
فهو صالح للاحتجاج واجب الاتباع و
هذا هو الذي عليه الاولون والآخرون
كما نقلته عن العلامة المقبلي رح ولو
تاملت كتب المحدثين من الصحاح
الستة وغيرها وتفكرت في تراجم
الابواب واستدلالات لها بهذا النصف
من الاحاديث ونظرت الى تعامل

حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور درحقیقت وہ لوگ اتباع حدیث
سے کنارے ہیں جو حدیثیں کہ سلف اور خلف کے ہاں معمول
بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزوری جرح پر مردود کہہ
دیتے ہیں، اور صحابہ کے اقوال وافعال کو ایک بے طاقت
سے قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں
اور ان پر اپنے بے ہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے
ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں، حاشا وکلا اللہ کی قسم یہی لوگ
ہیں جو شریعت نبویہ (کی حدبندی) کے نشان کو گراتے ہیں
اور ملت حنیفیہ کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ
کے نشانوں کو مٹاتے ہیں، احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور
متصل الاسناد بیدا آثار کو پھینک دیا ہے، اور ان کے دفع
کرنیکے لئے وہ حیلہ بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنیوالے
کا شرح صدر نہیں ہوتا، اور نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے اور میں
اس بات پر عقد انامل نہیں کرتا ہوں کہ صحابہ کے اقوال وعمل
اور وہ حدیثیں کہ جنہیں گونہ کمزوری ہے، وہ احادیث صحیحہ کا
مقابلہ کرسکتی ہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جب ایک مسئلہ
میں کوئی ایسی حدیث موجود نہ ہو جو صحیح کے اعلیٰ رتبہ کو پہنچے
اور اگرچہ اس میں گونہ کمزوری بھی ہو اور اس پر امت کے
سلف وخلف یا جمہور نے عمل بھی کیا ہو تو وہ حجت پکڑنے
کی صلاحیت رکھتی ہے، اور واجب الاتباع ہے، اور یہی ہے
وہ قول جس پر اگلے پچھلے متفق ہیں جس طرح کہ میں اس کو علامہ
مقبلی رح نے نقل کیا ہے، اور اگر تو صحاح ستہ وغیرہ کتب محدثین
میں تامل کرے، اور ابواب کے تراجم اور ان کے لئے اس قسم
کی حدیثوں سے دلیل پکڑنے میں فکر کرے، اور امت کے
سلف وخلف کے تامل کی طرف نظر کرے، تو ضرور پہچان

سلف الامۃ وخلفها عليها العرفت ان هذا هو الحق الصراح والصدق البواح ولورددنا هذا الصنف من الادلة لتعطلت ثلث الشريعة بل نصفه، ولا يغرنك قول بعض المتاخرين ان هذا النوع من الادلة ليس بحجة لكونه مخالفاً عن منهج السلف فكم من احاديث ضعاف واثار موقوفة جرى عليها تعامل سلف الامة وخلفها كما نقلت ذالك من قبل فالله ياخذ بيدى ويدیك ويرحم علی وعليك وهو يتولى هداى وهداك والحمد لربى مولاى ومولاك۔

جاوے کہ یہی حق صریح اور ظاہر راستی ہے، اور اگر ہم اس قسم کی دلیلوں کو رد کردیں تو شریعت کا تیسرا حصہ بلکہ آدھا حصہ جاتا رہے، اور بعض متاخرین کا یہ قول کہ اس قسم کی دلیل حجت نہیں ہیں تجھ کو دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ یہ سلف صالحین کی چال کے خلاف ہے، یعنی بہت سی ضعیف احادیث اور موقوف آثار ہیں کہ جن پر امت کے سلف و خلف کا تعامل جاری رہا ہے جس طرح کہ میں اس کو اس سے پہلے نقل کر چکا ہوں سو اب اللہ ہی میرے اور تیرے ہاتھ پکڑے اور مجھ پر اور تجھ پر رحم کرے، اور وہی میری اور تیری ہدایت کا متولی رہے، اور سب تعریف میرے ہی پروردگار کی ہے، جو میرا اور تیرا مولا ہے۔ المترجم، عبدالتواب ملتانی

حررہٗ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما۔

(فتاویٰ غزنویہ صہ ۲۰۶ جلد ۱)

سوال:۔ زید کا تجارتی کاروبار خراب ہوگیا۔ پوشیدنی زیور قابلِ زکوٰۃ موجود ہے، زید کی بیٹی، داماد، نواسہ نواسی جملہ چھ نفر ایک دوسرے شہر سے بسبب ناداری و موجودہ گرانی کے زید کے پاس آگئے جن کی خورد و نوش کا زید متحمل نہیں ہوسکتا۔ زید چاہتا ہے کہ مذکورہ زیور کی زکوٰۃ سے غلہ خرید کر اور اس میں اپنی خوراک کا غلہ شامل کرکے اپنے داماد کے ساتھ خورد و نوش کرے، تاکہ زید کا بوجھ ہلکا ہوجاوے۔ لہٰذا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے مال سے ایسے قریبوں کی مدد کرنا جائز ہے، بلکہ ثواب زیادہ ہے، مگران کا حصہ ان کے قبضے میں کرا کر بعد میں اپنا حصہ شامل کرکے کھانا پکوائے، حتّی المقدور اپنے حصے سے زیادہ دیا کرے تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے۔ وَاللہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اللہ اعلم (جلد ۲۴، نمبر ۲۹ اہلحدیث) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۶۵)

سوال:۔ زید نے مبلغ دو صد روپے سے تجارت کپڑا شروع کی۔ ایک سال کے اندر منافع سے کچھ زمین خرید کی، اور اب موجودہ مال از قسم کپڑا اور کچھ نقدی ہے، اس میں زکوٰۃ نکالنے کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ سارے مال کا تجارتی اصول سے چھٹا بنالیں، اور جو نقدی ہے، اس کو بھی اس میں

ملا کر چالیسواں حصّہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے، زمین اگر مزروعہ ہے تو عشر اور نصف عشر ادا کریں۔

(اہلحدیث جلد ۴۳ ص ۳۵) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۴۶۷)

سوال:۔ زکوٰۃ راس المال یعنی پونجی پر ہے، یا منافع پر ہے مثلاً زید نے پانچ ہزار روپے سے تجارت شروع کی۔ ایک سال گزرنے پر اس کو ایک ہزار منافع ہوا، اور دوسرے سال چھ ہزار سے تجارت کی تو سال گزرنے پر پھر ایک ہزار منافع ہوا تو پہلے سال اور دوسرے سال کتنے روپے کی زکوٰۃ ادا کرے، اسی صورت سے تیسرے سال سات ہزار سے تجارت شروع کی تو سال ختم ہوتے پر اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوا تو وہ زکوٰۃ دے گا یا نہیں؟ (سیکرٹری انجمن فلاح المسلمین گریڈیہ)

جواب:۔ زکوٰۃ اصل مال پر ہے جس پر پورا سال گذرا ہو۔ صورتِ مرقومہ میں پہلے سال پانچ ہزار کی واجب ہوگی، اور دوسرے سال چھ ہزار کی۔ نفع بعد وصول، آئندہ سال میں محسوب ہوگا۔ چونکہ زکوٰۃ اصل مال پر از قسم عبادت ہے، اس لئے جس سال نفع نہیں ہوا۔ اس سال بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(اہلحدیث ۲۰ رمضان ۱۳۵۰ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۸)

سوال:۔ زید کے پاس رمضان ۶۰ھ میں مبلغ پانچسو روپے تھے۔ رمضان ۶۱ھ میں زید نے اسکی زکوٰۃ نکال دی، اور اس روپیہ کو اس نے تجارت میں لگا دیا۔ رمضان ۶۲ھ تک زید کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو گیا۔ اب زکوٰۃ کتنے روپیوں کی ہے، حالانکہ پانچ سو روپے سال تمام میں رفتہ رفتہ بلکہ ایک ہزار ہوا ہے؟ (محمد عثمان خریدار)

جواب:۔ صورتِ مرقومہ چھ ماہ اور بڑھا کر پورے سال کی زکوٰۃ نکال دے۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

(اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۵۶ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۳)

سوال:۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو روپیہ تجارت میں نہیں ہے، بلکہ علیحدہ رکھا ہوا ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ (اہلحدیث ۱۲ نومبر ۴۶ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۴

مذاکرہ علمیہ دربارہ زکوٰۃ مکانہائے کرایہ

ایک شخص کے بمبئی یا کلکتہ جیسے شہر میں چند مکانات علاوہ مکان سکونت ہیں، جن میں کرایہ دار رہتے ہیں، اس شخص کو ان مکانوں کے کرایہ کی کافی آمدنی ہے وہ مکانات بھی ہزاروں روپیہ خرچ کر کے بنائے گئے ہیں۔ اب بھی اگر فروخت کئے جائیں تو بڑی قیمت کو فروخت ہوں۔

سوال:۔ یہ درپیش ہے کہ وہ شخص ان مکانوں کی اصل قیمت کی یا اس کی آمدنی کی کیونکر زکوٰۃ دے، زکوٰۃ

سے بری ہے، یا مثل اور آمدنیوں کے جو خرچ سے بچے سال میں اگر اس پر نصاب صادق ہو تو چالیسواں حصّہ نکال دے، اور نصاب روپے کے حساب سے چاندی قرار پائے۔

علامہ ابو الوفا صاحب نے اہل حدیث مطبوعہ ۳ مئی ۱۹۳۱ء میں زیر عنوان "فتاویٰ" نمبری ۲۳۷ (اخبار میں غلطی سے نمبر ۳ چھپ گیا)، تحریر فرمایا ہے کہ کرایہ کے مکانات کو مثل اراضی مزروعہ کے سمجھ کر بلحاظ شکست و ریخت بیسواں حصّہ سالانہ آمدنی کا زکوٰۃ دے۔

اگرچہ علامہ موصوف نے اپنی رائے مطابق کرایہ کے مکانوں کو زمین مزروعہ پر قیاس کیا ہے، اور جس زمین میں آسمانی پانی سے زراعت تیار نہیں ہوتی، بلکہ نہر سے یا کنویں سے بٹا کر کام لیا جاتا ہے، اس زمین کے حساب پر بیسواں حصّہ دینے کا فتویٰ دیا ہے۔ تاہم سائلین کی پوری تشفی نہیں ہوئی۔

علامہ موصوف کے اس قیاس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ آیا یہ قیاس صحیح ہے؟ جہاں تک غور کیا جاتا ہے۔ یہ قیاس مع الفارق نظر آتا ہے۔ علّت مشترکہ جامع کا پتہ نہیں کہاں زراعت کہاں مکان کا کرایہ (۱) زراعت میں ہر سال آمدنی قبل از فصل معدوم اور موہوم ہوتی ہے۔ خواہ کھیت ہوں یا نخیل وانگور وغیرہ بخلاف مکانات کے کرایہ کے دو چار سال کا بیشتر وصول ہو جاتا ہے۔ اور یہ شرعاً جائز ہے۔ (۲) و نیز مکانات کے کرایہ کی آمدنی یکساں بیس پچیس سال تک بلکہ مدتوں چلی جاتی ہے، کوئی تغیر نہیں ہوتا، اور بخلاف زراعت و زمین مزروعہ و فصل کے کہ ہر سال نیا احتمال ہوتا ہے، کبھی قلیل۔ کبھی متوسط کبھی خوب زائد کبھی بالکل خالی بغرض کیف ما اتفق ان وجوہات کے کرایہ مکانات کو عشری زمین پر یا زراعت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، ہاں نقدی کے ساتھ مشابہت اس طرح ہو سکتی ہے، کہ گویا کرایہ کے روپے نقد رکھے ہوئے ہیں، سال کے خرچ سے جو بچیں گے، اور نصاب تک پہنچیں گے، تو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ فرض ہوگی، اور نقد ہونے کی وجہ سے چاندی کا نصاب قرار دیا جائے گا، اس لئے چالیسواں حصّہ زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ شیخ الاساتذہ جناب مولانا حافظ عبد اللہ صاحب دام ظلہ العالی اس مسئلہ میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔ و نیز دیگر اہل علم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں رائے کے ساتھ دلیل بھی ہو تو عین مقصود ہے۔ (عبد السلام مبارکپوری از صادق پور پٹنہ)

(ایڈیٹر) بیشک اہل علم کی توجہ اس طرف ضروری ہے۔ اخبار اہلحدیث کا وجود ان معنی سے ایک علمی مجلس کا کام دیتا ہے، اہل علم اگر اس مجلس میں خود ہی شریک نہ ہوں تو کسی غلط مسئلہ سے (جو در صورت عدم شرکت انکے صادر ہو جائیگا۔ انکو بھی حصّہ رسدی گناہ ہوگا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۱۵)

سوال:۔ ایک شخص صرف مہاجن سے ادھار لے کر تجارت کرتا ہے۔ کیا زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی؟

جواب: صورت مرقومہ میں سکا سرمایہ کچھ نہیں تو زکوٰۃ بھی فرض نہیں جتنی بچت ہوئی اتنا خرچ ہوا۔ اگر اس کا سرمایہ کچھ ہے، اور اس پر سال تمام گزرا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۱۲ شوال ۴۵ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۸۰

سوال:۔ ایک ہزار روپیہ نقد میرے پاس ہے، اور ایک ہزار روپیہ کا مال مہاجن سے اُدھار خرید کیا کل دو ہزار روپیہ کا مال موجود ہوا جس میں سے ایک ہزار روپیہ کا مال باقی قیمت میں خریداروں کی معرفت فروخت کر دیا۔ اب صرف ایک ہزار روپے کا مال دکان میں موجود ہے جس قدر کہ رقم مہاجن کی میرے ذمہ واجب الدین ہے، پس ایسی صورت میں ادائے زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:۔ جتنا قرض ہے اتنے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، اور جو فروخت کیا ہے، وہ رقم اپنی ہے، اور بعد وصولی اس کی زکوٰۃ ادا کریں۔ اللہ اعلم۔ (۱۷ شوال ۴۵ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۸۰

سوال:۔ عمرو تجارت پیشہ ہے عرصہ سے بیمار اور قرضدار ہے، اس کے اہل و عیال کے نان نفقہ کا سامان سوا قرض کے کوئی دوسری سبیل نہیں۔ اور قرض کا ادا ہونا اس کی صحت پر منحصر ہے۔ بایں صورت اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے قرآن نے زکوٰۃ کے مصارف میں قرضداروں کو بھی رکھا ہے۔
(۲۰ دسمبر ۲۶ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۸۰

سوال:۔ مالِ تجارت میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے۔ نفع پر یا راس المال پر؟

جواب:۔ شرعی حساب آج کل تخمیناً پچاس روپے کا ہے۔ مال تجارت میں بھی۔ اصل مال فی سینکڑہ دو روپیہ آٹھ آنے سال کی زکوٰۃ ہے۔ (۲۵ رجب ۴۲ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۸۶

سوال:۔ ایک شخص کے پاس پچاس ساٹھ ہزار روپیہ تھا اس نے اپنی رہائش کے لئے نہیں بلکہ کرائے پر دینے کے لئے مکان کوٹھی تعمیر کر لی یا کوئی کارخانہ تعمیر کر لیا تو کیا اس روپے پر اب زکوٰۃ ہے، یعنی مکان اور کارخانہ کی مالیت کا حساب کر کے جتنا روپیہ خرچ ہوا اس پوری رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا کوئی اور صورت ہے، مدلل بیان فرمایا جائے۔ ہمارے ہاں علماء میں اختلاف ہے، ایک بزرگ فرماتے ہیں، اگر رقم بعینہ موجود ہوتی، تو اس پر زکوٰۃ تھی۔ اگر وہ مکان یا کارخانہ کی صورت میں تبدیل ہو گئی ہے، تو بھی اس رقم پر زکوٰۃ ہے۔
دوسرے عالم فرماتے ہیں، مکان، کارخانہ اور زمین خواہ کتنی بھی مالیت کی کیوں نہ ہو، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اُن سے جو آمدنی ہو اس پر زکوٰۃ ہے۔ (شیخ محمد یعقوب نیو کلاتھ مارکیٹ فیصل آباد)

جواب:۔ بعون الوھاب:۔ اگر اس رقم پر پہلے سال گزر چکا ہے، اور اس کے بعد کوٹھی یا کارخانہ بنایا ہے

تو اس پر اس سال کی زکوٰۃ ہے اور اگر سال گزرنے سے پہلے کوٹھی یا کارخانہ بنالیا ہے خواہ کرایہ کے لئے یا کسی اور قسم کی آمد کے لئے ہو، پھر اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں ہے، کہ حضرت خضر ؑ اور حضرت موسیٰ ؑ جس کشتی پر سوار ہوئے، ان کو اللہ تعالیٰ نے مسکین فرمایا حالانکہ وہ کشتی کرائے پر چلتی تھی، اور کشتی کی مالیت بھی کافی ہوتی ہے، اس بنا پر غنی ہونے چاہیئے تھے، اس سے معلوم ہوا کوٹھی، کارخانہ، مکان، جو آمدن کا ذریعہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں، اور نہ اس کے کرائے پر ہے، اگر کرایہ پر زکوٰۃ ہوتی تو وہ صاحب زکوٰۃ غنی ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ یعنی زکوٰۃ غنیوں سے لے کر فقیروں کو دی جاتی، ہاں کرایہ کا روپیہ جمع کیا جائے، اور وہ نصاب تک پہنچ جائے، اور اس پر ایک سال گذر جائے تو پھر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ نوٹ یہ مسئلہ اس سے پہلے اسی پرچہ کے شمارہ ۲۷ میں شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو۔

(عبداللہ امرتسری جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور) (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۴۳، ۴۴)

سوال:۔ تجارتی جانور جن کو سال گذرتا ہے، اور وہ بکے نہیں، ان کی زکوٰۃ ان کی قیمت پر آئے گی، یا جانوروں پر جیساکہ غیر تجارتی جانوروں پر آتی ہے (مولوی ابوعبدالرحمٰن صاحب امیر فاضلکا)

جواب:۔ اختیار ہے، چاہے قیمت میں سے دے چاہے جانوروں میں سے، ہاں جن جانوروں کی جنس پر زکوٰۃ نہیں ہے ان کی تو قیمت پر ہی آئے گی جیسے گھوڑے وغیرہ۔ (فتاویٰ ستاریہ ص۵ جلد ۲)

سوال:۔ کچھ جانور بک گئے ہیں، اور کچھ باقی ہیں جو بک گئے ہیں ان کی زکوٰۃ تو روپیہ پر آئے گی۔ لیکن جو جانور باقی ہیں، ان کی قیمت کر کے روپے میں سے زکوٰۃ دے یا خود جانوروں میں سے دے، جیساکہ غیر تجارتی جانوروں میں سے دی جاتی ہے؟ (مولوی عبداللہ صاحب امیر فاضلکا)

جواب:۔ باقی ماندہ جانور اگر نصاب کے مطابق ہیں، تو جانوروں میں سے دیدے ورنہ قیمت کر کے ادا کر دے، کیونکہ تجارتی مال میں قیمت ہی پر زکوٰۃ آتی ہے، (فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص ۱۸)

سونے چاندی کی زکوٰۃ

سوال:۔ تیس ۳۰ روپے زید کے پاس حاجت ضروری سے فاضل ہیں، اور سونا بھی تیس ۳۰ روپے کا ہے، یا فقط سونا تیس ۳۰ روپے کا، اور چاندی بھی اسی قدر ہے آیا اس وقت زید پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں بینوا و توجروا؟

جواب:۔ جب کسی کے پاس سونا اور چاندی بقدر نصاب کے ہو اور ان پر کامل ایک برس گزر چکا ہو تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون (۵۲½) تولے ہے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات (۷½) تولہ ہے، پس صورت مسئولہ میں سونا اور چاندی دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے،

اور ایک سال اس پر گزر جائے تو زید پر زکوٰۃ فرض ہے، ورنہ فرض نہیں ہے، اور چاندی اور سونا دونوں کو ملا کر نصاب پورا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ سونے کو چاندی کی قیمت لگا کر کل کو چاندی بنالیں یا چاندی کو سونے کی قیمت لگا کر کل کو سونا بنالیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ صـ ۴۹۹ تا ۵۰۰ جلد۱)

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس صرف سات تولہ سونا ہے، اور اڑتالیس تولہ چاندی تو دونوں اپنے نصاب شرعی سے کم ہیں ایسی صورت میں کیا شخص مذکورہ پر زکوٰۃ معاف ہے، یا دونوں کو ملا کر قیمت سے نصاب پورا کرکے زکوٰۃ دینی ہوگی؟

جواب:۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہی مسلک ہے کہ جب سونا اور چاندی نصاب سے کم ہوں تو دونوں کو ملا کر قیمت پر زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ مؤطا میں اس کے متعلق انہوں نے کچھ تفصیل کی ہے
علامہ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس پر نکیر کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ جب دونوں اپنے نصاب سے کم ہیں، تو زکوٰۃ ساقط ہے تحقیق سے یہ بات محقق ہے، اس لئے کہ سونا چاندی دونوں الگ الگ جنسیں ہیں، ہر ایک کے الگ الگ نصاب ہیں اسی حساب سے شارح علیہ السلام نے زکوٰۃ مقرر فرمائی ہے، پھر دونوں کو ایک جگہ کیسے ملایا جائیگا، جس طرح مثلاً کسی کے پاس چار اونٹ ہوں، اور ۲۹ گائیں، اور ۳۹ بکریاں تو اس کے مال دار ہوتے ہیں تو کوئی شبہ نہیں ہے، مگر صاحب زکوٰۃ اس کو نہیں کہا جائے گا۔ نہ اس کے ذمہ کسی قسم کی زکوٰۃ ہے، نہ ان مویشیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا، اسی طرح سونے اور چاندی کو ایک جگہ ملا کر زکوٰۃ نہیں دینی ہوگی، بلکہ ایسی صورت میں زکوٰۃ معاف ہوگی۔
(محمد یونس مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم دہلی) (گزٹ اہلحدیث شمارہ ۱۵ صفحہ ۱۲ جلد ۸)

سونے اور چاندی کے مجموعی نصاب زکوٰۃ کی وضاحت

سوال:۔ کسی شخص کے پاس نصاب سے کم سونے کی مقدار ہے، اور کچھ چاندی بھی ہو جو نصاب تک نہ پہنچی ہو، لیکن دونوں کی مجموعی طور پر حد نصاب یا نصاب سے زیادہ ہو جاتی ہو، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟
(عبدالجبار کھنڈیلوی)

جواب:۔ جب سونے اور چاندی کا نصاب الگ الگ ہو، تو اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ میں اگر ایک نصاب کم ہو تو اس کو دوسرے کے ساتھ ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جائے گا، بلکہ جس کا نصاب پورا ہے، اس کی زکوٰۃ دینی پڑے گی، دوسرے کی نہیں۔ لیکن دونوں کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ فرض ہونا اس

سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی جنس ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ نقدی ہونے کے لحاظ سے یہ ایک ہی ہیں۔ قرض میں یا کسی شے کی قیمت میں دیتے ایک کی جگہ دوسرا ادا کر دیا جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیئے دیناروں کی جگہ درہموں کی ادائیگی اور درہموں کی جگہ دیناروں کی ادائیگی ایک ہی سمجھی جاتی ہے، بکری و دنبہ میں اتنا اتحاد نہیں جتنا ان میں ہے، اسی طرح غلہ وغیرہ کی قسموں میں اتنا اتحاد نہیں، مگر ان سب کو ملا دیا جاتا ہے یعنی ایک کا نصاب کم ہو تو دوسرے سے پورا کیا جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں دنی الغنم اور فیما سقت السماء ہے، اور غنم عام ہے، بکری و دنبہ دونوں کو شامل ہے، اور فیما سقت السماء بھی عام ہے، سب عشری اشیاء دجن میں زکوٰۃ ہے، ان کو شامل ہے، پس جب ان کو ملایا جاتا ہے تو چاندی سونا بطریق اولیٰ ملانا چاہیئے، ان کا نصاب الگ الگ ہونا یہ نہ ملانے کی تسلی بخش دلیل نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سونے کا نصاب اس لئے کم کر دیا کہ یہ نفیس جنس ہے، اور چاندی کی نسبت بہت کم یاب ہے، اگر اس کا نصاب چاندی جتنا ہوتا تو اس میں زکوٰۃ کی نسبت بہت کم ہوتی، کیونکہ چاندی کا نصاب ۵۲½ تولہ ہے اتنا سونا کسی سرمایہ دار کے ہی پاس ہو سکتا ہے، عام لوگوں کے نہیں۔ خلاصہ کہ ٹھوس دلیل کسی طرف نہیں۔ نہ ملانے کی طرف اور نہ ملانے کی طرف، اور یہ بات ظاہر ہے، کہ زکوٰۃ فرض ہے، اور فرض میں احتیاط ضروری ہے، اور احتیاط ملانے میں ہے، اور کئی علماء اس طرف بھی گئے ہیں، جیسے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ اس لئے ترجیح اسی کو ہے کہ ملانا چاہیئے۔ تاکہ ان مشتبہات سے نکل جائے، چنانچہ حدیث میں ہے، جو مشتبہات سے بچ گیا، اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچا لی، اور جو مشتبہات میں واقع ہوا خطرہ ہے، کہ حرام میں واقع ہو جائے۔

باقی رہی یہ بات کہ کس طرح ملایا جائے، سو اس میں امام ابو یوسف کا خیال ہے کہ وزن کے ساتھ ملایا جائے، یعنی جتنا ایک کا نصاب کم ہو، اتنا اندازہ وزن کر کے دوسرے سے پورا کر لیا جائے، مثلاً چاندی ۲۶¼ تولے ہے، اور یہ چاندی کے نصاب کا نصف ہے، تو گویا ایک کا نصف اور نصف دوسرے کا یہ پورا نصاب ہو گا، گویا ایک کے وزن میں جتنی کمی ہے اتنا وزن دوسرے کے نصاب سے موجود ہو تو زکوٰۃ فرض ہو جائیگی۔ امام محمدؒ کہتے ہیں، قیمت کا حساب ہو گا، مثلاً سونے کا نرخ اس وقت نوے روپے تولہ ہے، اگر چاندی سوا چھبیس تولے ہے، اور سوا تین ماشہ کے قریب سونا ہو۔ تو امام محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ پڑ جائے گی، کیونکہ ۳¼ ماشہ کی قیمت بحساب ۹۰ روپے فی تولہ ۲۶ روپے ہوتی ہے، پس چاندی کا حساب ۵۲½ تولے پورا ہو گیا۔ اور اگر چاندی کی قیمت روپیہ فی تولہ کے حساب سے کم و بیش ہو تو اسی حساب سے سونا بھی ۳¼ ماشہ سے کم و بیش سمجھ لیا جائے، اس صورت میں تو چاندی کے نصاب کی کمی سونے کی قیمت سے

پوری کی جائے، تو یہ صورت امام محمدؒ کے مذہب پر کبھی صحیح ہوگی، کبھی نہیں، مثلاً پونے چار تولے سونے کی قیمت نوے روپے فی تولہ کے حساب سے ۳۳۷½ روپے ہے، اگر کسی کے پاس پونے چار تولے سونا ہو اور اتنی چاندی ہو جس کی قیمت ۳۳۷½ روپے ہو، تو امام محمدؒ کے مذہب پر صحیح نہیں، کیوں کہ چاندی یہاں نصاب سے زیادہ ہے، تو اس کو سونے کے تابع کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ چاندی میں مستقل طور پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اور سونے میں چاندی کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ہوگی، کیوں کہ سونے کا اپنا نصاب پورا نہیں۔ ہاں اگر سونے کا نصاب اتنا کہ اس کو چاندی کی قیمت سے پورا کیا جائے۔ تو چاندی اپنے نصاب تک نہ پہنچے، تو یہ صورت امام محمدؒ کے مذہب پر صحیح ہوگی، مثلاً سونا سات تولہ ہے، نصف تولہ نصاب سے کم ہے، اور نصف تولہ ½، تولے کا پندرھواں حصہ ہے اب یہ پندرھواں حصہ چاندی سے پورا کرنا ہے، چاندی کا نصاب ۵۲½ تولے ہے، اور ۵۲½ تولے کا پندرھواں حصہ ۳½ تولے ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ۳½ تولے چاندی سے نصاب پورا ہوگیا، کیوں کہ ان کے ہاں وزن کا حساب ہے، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک نصف تولہ سونے کی قیمت سے نصاب پورا کیا جائے گا، اور نصف تولے کی قیمت موجودہ نرخ کے حساب سے ۴۵ روپے ہے، تو گویا ۴۵ روپے جتنی چاندی آسکتی ہے، اس سے امام محمدؒ کے نزدیک نصاب پورا ہو جائے گا۔

یہ دونوں مذہبوں کا بیان تھا، لیکن عملی صورت ان میں بھی احتیاط چاہیئے، پہلی صورت جس میں ۲۶½ تولے چاندی ہے، اس میں امام محمدؒ کے مذہب پر عمل میں احتیاط ہے، کیوں کہ امام ابو یوسفؒ کے مذہب پر پونے چار تولے سونا کی قیمت سے نصاب پورا ہو جاتا ہے، اور امام محمدؒ کے مذہب پر قریباً ۳½ ماشے سے اور دوسری صورت جس میں امام محمدؒ کے مذہب پر ۴۵ روپے کی چاندی سے نصاب پورا ہوتا ہے، اس میں امام ابو یوسف کے مذہب پر عمل کرنے میں احتیاط ہے، کیونکہ ان کے مذہب پر ۳½ تولہ چاندی سے نصاب پورا ہو جاتا ہے، جو ۴۵ روپے کی چاندی سے بہت کم ہے۔ غرض جب کسی طرف تسلی بخش دلیل نہ ہو تو پھر احتیاط والی صورت پر عمل ہوتا ہے، جیسے نماز کی رکعتوں میں شک پڑ جانے تو کم سمجھ کر ایک اور پڑھ لی جاتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لینا چاہیئے۔

(حافظ مولانا عبید اللہ صاحب روپڑی)

الاعتصام گوجرانوالہ ۳۰ مئی ۱۹۵۲ء جلد ۳ شمارہ ۴۱

سوال:۔ سونے کا نصاب صحیح حدیث میں کیا ہے؟ شارح مسلم امام نوویؒ فرماتے ہیں، سونے کے نصاب میں جتنی روایتیں آئی ہیں، وہ سب ضعیف ہیں، اور حدیث بیسؔ مثقال و بیس دینار کی جو نصاب سونے میں وارد ہوئی ہیں، وہ بھی ضعیف ہیں، صرف اجماعِ امت اس پر ہے، یہی وجہ ہے کہ امام المحدثین بخاریؒ نے نصاب سونے کی کوئی روایت بخاری شریف میں روایت نہیں کی۔

مولانا عبدالوہاب صاحب دہلوی کے نزدیک سونے کا نصاب صرف ساٹھ روپے کی مالیت کا تھا۔ اب بھی ان کے معتقدین کا یہی خیال ہے، یہ خیال صحیح ہے یا نہیں، ہم تو حدیث بیس دینار کی بنا پر سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے سمجھتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی ۲۰ دینار ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دینار کی قیمت تین روپے تھی، پس بیس۲۰ دینار کے ساٹھ روپے ہوئے، دینار ایک سکہ ہے، ہر ایک زمانہ میں کم و بیش ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اس کی قیمت کا اعتبار ہے، وزن کا نہیں اور دینار کے وزن میں بھی بہت اختلاف ہے، پس وزن کو نصاب مقرر کرنے پر کوئی قرینہ ہونا چاہیئے ولا قرینة علیه۔ پس آپ یہ تحریر فرمادیں کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں دینار ذہب کا کیا وزن تھا اور الوزن وزن مكة کا لحاظ کرتے ہوئے زمانہ نبوی میں خاص مکہ معظمہ کے اندر دینار کا کیا وزن تھا۔ نصاب ذہب (سونا) اور فضہ (چاندی) میں بڑا تفاوت ہے، اور ہر ایک کا نصاب پورا نہ ہو تو نصاب کم میں زکوٰۃ واجب نہیں؟ (عبدالجبار کھنڈیلوی)

جواب:۔ عمرو بن حزم کی طویل حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھ کر دی، اور جس میں نصابات مذکور ہیں، اس میں چاندی کا نصاب دو۲ سو درہم بتایا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر اس سے کم ہو تو پھر اس میں زکوٰۃ نہیں، اور سونے کے متعلق فرمایا ہر چالیس سے ایک دینار ہے، اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ اگر چالیس دینار سے کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۷۱)

اس سے معلوم ہوا۔ کہ سونے کا نصاب چالیس دینار نہیں۔ چالیس دینار کے عدد کا ذکر صرف چالیسواں حصہ بتانے کے لئے ہے، اگر یہ نصاب ہوتا تو جیسے چاندی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس سے کم میں نہیں اسی طرح سونے میں بھی فرماتے۔

بلوغ المرام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے، کہ سونے کا نصاب بیس دینار یعنی ساڑھے سات تولہ ہے، لیکن محدثین کرام نے اس روایت کے موقوف ہونے پر ترجیح دی۔ یعنی حضرت علیؓ کا قول ہے بہت علماء نے لکھا ہے کہ مقادیر میں رائے قیاس کا دخل نہیں، اور محدثین کا اصول ہے کہ قول صحابی میں جب رائے قیاس کا دخل نہ ہو، وہ حکماً مرفوع ہوتا ہے، اس بنا پر یہ قول حکماً مرفوع ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ سونے کے اس نصاب پر قریباً علماء متفق ہیں۔ الاما شاء اللہ۔

مذکورہ بالا بیان سے نصاب ذہب کی صحت دو طرح ثابت ہوتی ہے (۱) ایک حکماً مرفوع ہونے کی حیثیت سے (۲) دوم اس پر اجماع ہونے کی حیثیت سے۔

اصول محدثین ہے کہ جب ضعیف حدیث پر اجماع ہو جائے سند کی ضرورت نہیں رہتی (ملاحظہ ہو

تدریب الراوی)، امام بخاریؒ کا اپنی کتاب میں اس کو روایت نہ کرنا اس کی صحت کے منافی نہیں چونکہ اس کی اسناد کے راوی بخاریؒ کی شرط پر نہیں اس لئے اس کو بخاری میں نہیں لائے۔

مولانا عبدالوہابؒ اور ان کے معتقدین کا خیال درست نہیں، کیوں کہ جب قوی دلیل سے سونے کا نصاب چاندی سے الگ ثابت ہو گیا، تو پھر چاندی کے ساتھ قیمت لگانے کے کچھ معنی نہیں۔ ایسے تو چاندی کی قیمت سونے سے بھی لگا سکتے ہیں، تو پھر کیا چاندی کا نصاب بھی دو سو درہم نہیں رہے گا، اور یہ کہنا کہ دینار ہر زمانہ میں کم و بیش ہوتا رہا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ قیمت کے لحاظ سے یا وزن کے لحاظ سے اگر قیمت کے لحاظ سے مراد ہے تو تین روپیہ قیمت مقرر ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر وزن کے لحاظ سے کمی بیشی مراد ہے تو بھی قیمت ایک نہیں رہ سکتی، اور اگر زمانہ نبوی کی قیمت مراد ہے، تو یہ بھی ٹھیک نہیں، کیونکہ احادیث میں دینار کی قیمت دس درہم بھی آئی ہے، اور بارہ درہم بھی اور زمانہ نبوی میں دینار کے وزن میں کمی بیشی ثابت نہیں، جیسے چاندی کے سکّے درہم میں ثابت نہیں، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ نصاب زکوٰۃ میں دینار کی قیمت درہم کے ساتھ لگائی جائے، اور درہم کی دینار کے ساتھ نہ لگائی جائے، اس سلسلہ میں ایک حدیث ملاحظہ ہو:۔

عن ابن عمر قال کنت ابیع الابل بالنقیع بالدنانیر فاٰخذ مکانھا الدراھم وابیع بالدراھم فاٰخذ مکانھا الدنانیر فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذلک لہ فقال لا باس ان تاخذھا بسعر یومھا مالم تفترقا وبینکما شیٔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی) مشکوٰۃ) باب النھی عنہا من البیوع فصل ۲)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ میں مدینہ منورہ کی منڈی نقیع میں دیناروں کے ساتھ اونٹ فروخت کرتا اور وصولی کے وقت درہم لے لیتا اور کبھی درہموں کے ساتھ فروخت کرتا، اور وصولی کے وقت دینار لے لیتا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وصولی کے دن کا جو نرخ ہو اس نرخ سے تبادلہ کا کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ قیمت پوری وصولی کر لی جائے، اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ چاندی کے نرخ کی تبدیلی کے ساتھ سکّوں کا نرخ بھی بدلتا رہتا ہے، اگر بدلنے کا اثر سونے کے نصاب پر پڑے تو چاندی کے نصاب پر بھی پڑنا چاہیئے، حالانکہ چاندی پر کسی کے نزدیک بھی نہیں پڑتا۔

پس سونے کا حساب بھی وہی صحیح ہے جو بیان ہوا ہے، یعنی بیسؔ دینار۔ رہا یہ کہ بیسؔ دینار کا وزن کتنا ہے، سو یہ ساڑھے سات تولے مشہور ہے، کتب حدیث اور فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے، نیل الاوطار شرح وقایہ وغیرہ ملاحظہ ہو، سوال میں بیسؔ مثقال کی حدیث کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک دینار ایک مثقال کے برابر ہے، اور مثقال ۴ ۱/۲ ماشہ کا مشہور ہے، اس حساب سے بیسؔ مثقال ۷ ۱/۲ تولے ہوتے ہیں،

پس حدیث سے بیس دینار کے مشہور وزن ساڑھے سات تولہ کی تائید ہو گئی، اور حدیث الوزن وزن مکة بہ کیل (پیمانہ) کے مقابلہ میں ہے سو یہ ان اشیاء میں ہے جن کی بیع شراء ہوتی رہتی ہے، سکوں کی بیع شراء تو کوئی عام شے نہیں، بلکہ سکوں سے دوسری چیزیں خریدی جاتی ہیں، اور سکہ بنانے کا مقصد بھی یہی ہے، پس سکہ اس حدیث کے تحت نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے، کہ مکہ اور مدینہ میں وزن کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔

یہ کہنا، کہ ہر ایک کا نصاب کم ہو، تو کم میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہ غور طلب ہے، کیونکہ راجح مسلک یہ ہے کہ دونوں مل کر نصاب پورا ہو جائے، تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

از قلم:۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی)

ہفت روزہ الاعتصام گوجرانوالہ ۲۳/مئی ۱۹۵۲ء، جلد ۲ شمارہ نمبر ۴۰

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی دونوں ہوں، مگر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ نصاب سے کم ہوں اور دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو، تو کیا ان کو ملا کر زکوٰۃ ادا کی جائے؟ یا نہ؟۔

(۲) زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کی جائے یا عمر میں ایک ہی دفعہ ادا کی جائے؟ (چوہدری رحیم بخش، محلہ ہر چرنپورہ فیصلپور)

جواب:۔ سونا چاندی دونوں ملا کر نصاب پورا کر کے زکوٰۃ ادا کرنے کے مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مروی نہیں ہے، اسی بنا پر اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کا اس باب میں یہ مسلک ہے، سونا اور چاندی دونوں کی مقدار اپنی اپنی جگہ اگر کم ہو، اور ان کو ملا کر نصاب ہوتا ہو تو اس صورت میں دونوں کو ضم کر کے نصاب کے برابر کر لینا چاہیئے، اور زکوٰۃ ادا کر دینا چاہیئے، لیکن راجح مسلک یہ ہے[1]، کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ سونا اور چاندی سے اسی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے، جبکہ وہ دونوں الگ الگ نصاب کو پہنچتے ہوں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر بحث کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ دونوں کو باہم نہیں ملانا چاہیئے، انہوں نے اس سلسلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑوں اور بکریوں کے بارہ میں فرمایا ہے، لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّق (یہ الگ الگ اگر نصاب کو نہ پہنچتی ہوں تو ان کو ملایا نہ جائے۔)

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے، من کان عندہ دون النصاب من الفضة ودون النصاب من الذھب مثلا انه لا یجب ضم بعضه الی البعض حتی یصیر نصابا کاملا فتجب فیه الزکوٰۃ ،۔ یعنی جس شخص کے پاس سونا اور چاندی دونوں نصاب سے کم ہوں، وہ سونا اور چاندی دونوں کو ملا کر نصاب کے مطابق نہ کرے۔

(۲) زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے مسئلہ میں چار مذہب ہیں، ایک یہ کہ زیور سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، سلف کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، امام شافعیؒ کا بھی اس سلسلہ میں ایک قول ملتا ہے، دوسرا

[1] سونے اور چاندی کے نصاب کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنے میں اختلاف ہے، اور صریح نص کسی بھی طرف نہیں ہے، حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم کا فتویٰ مفصل گزر چکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے راجح مسلک یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب کو ملا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ (سعیدی)

یہ کہ زیور سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ امام مالکؒ، امام احمدؒ، اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے، تیسرا یہ کہ زیور کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر کسی کو کبھی ضرورت پڑے تو اسے عاریۃً دے دیا جائے۔ اس مسلک کی بنیاد وہ اقوال ہیں جو دارقطنی میں حضرت انسؓ اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہیں، چوتھا یہ کہ زیور سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن عمر میں صرف ایک دفعہ! اس کی بنیاد حضرت انسؓ کا ایک قول ہے جو بیہقی میں وارد ہے۔

زیور سے زکوٰۃ کے متعلق اصل بات یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہی کی جائے، اور ہر سال ادا کی جائے، عون المعبود شرح ابوداؤد اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحیح مرفوع روایات، اقوال و آثار صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے ارشادات کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے حضرت ام سلمہؓ حضرت عائشہؓ، فاطمہ بنت قیس اور اسماء بنت یزید سے مروی روایات ہیں، کہ ان کو آنحضرت نے مختلف اوقات میں مختلف زیور پہنتے ہوئے دیکھے، اور آپ نے ان کو ان سے زکوٰۃ ادا کرنے پر زور دیا، اور عدم ادائیگی پر وعید سنائی، اسی طرح زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرنی چاہیئے، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں دارقطنی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو کے بارہ میں لکھا ہے کہ:- انه كان يكتب الى خازنه سالم ان يخرج زكوٰة حلي نسائه كل سنة یعنی انہوں نے اپنے خزانچی کو لکھا کہ وہ ان کی عورتوں کے زیور سے ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کریں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیور سے عدم ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مروی نہیں ہے، بلکہ یہی ثابت ہے کہ زیور سے زکوٰۃ ادا ہی کی جائے۔ (محمد اسحاق شیش محل روڈ لاہور) (الاعتصام جلد ۲۶ شمارہ ۲۵)

سوال:- بعض علماء فرماتے ہیں کہ سونا ساڑھے سات تولہ ہو تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اس سے کم پر فرض نہیں ہے، اور بعض کا فرمان ہے کہ جتنے سونے کی قیمت ساٹھ روپیہ ہو جائے، اسی پر زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں ساڑھے سات تولہ کی قیمت ساٹھ روپیہ تھی، کیا حکم ہے؟

(اسماعیل، بہاول پور)

جواب:- نص حدیث سے وزن معتبر ہے، اور زمانہ کے اقتضا کے لحاظ سے قیمت معتبر ہے[1]، جس صورت میں غرباء اور فقراء کا فائدہ ہو، وہی اختیار کریں، بحکم فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه۔

(اہلحدیث جلد ۴۰ نمبر ۲۳) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۱

سوال:- ایک شخص صاحبِ نصاب ہے، مگر اس کے پاس سونا ۷ تولے سے کم ہے، اور چاندی بھی ۵۲½ تولے سے کم ہے کیا وہ ان دونوں کو ملا کر نصاب پورا کر سکتا ہے، یا نہیں؟ جو کہ اس

[1] اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سونے کی زکوٰۃ ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہے یا وزن کا حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم کا مفصل فتویٰ گزر چکا ہے کہ قیمت کا اعتبار نہیں، بلکہ وزن کا اعتبار ہے۔ (سعیدی)

نے زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ وہ کیا طریقہ اختیار کرے، دونوں کے وزن کم ہونے کی صورت میں اس لئے آپ کتاب و سنت کی روشنی میں اس کی تفصیل لکھیں؟

جواب:۔ چاندی اور سونے کا نصاب الگ الگ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم موجود ہے، کہ جو جنس نصاب کو پہنچے گی، اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، چاندی کے متعلق فرمایا۔ فی الرقعۃ ربع العشر فان لم تکن الا تسعین ومائۃ فلیس فیہا شیٔ الا ان یشاء ربہا (بخاری) یعنی اس میں سے چالیسواں حصہ اس وقت ادا کرنا ہوگا، جب وہ دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ) کو پہنچ جاوے اس سے کم ہو تو کچھ نہیں۔

اسی طرح سونے کے متعلق فرمایا! ولیس علیک شیٔ فی الذہب حتی تکون لک عشرون دینارا فاذا کانت لک عشرون دینارا وحال علیہا الحول ففیہا نصف دینار۔ یعنی سونا جب بیس دینار ۷½ تولہ تک پہنچ جاوے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ابوداؤد) امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔

فجعل للورق مائتی درہم وللذہب عشرین مثقالا وللحبوب خمسۃ اوسق۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تصریح کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہے کہ جس جنس کا نصاب پورا ہوگا۔ اس میں زکوٰۃ فرض ہے جس کا نصاب پورا نہیں اس میں زکوٰۃ نہیں۔ واللہ اعلم (الاعتصام۔ جلد ۱۹ شمارہ ۲۸ لاہور)

سوال:۔ ایک شخص کے پاس ۶ تولے سونا ہے اور دو سو روپیہ نقد ہے۔ زید کہتا ہے کہ سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیوں کہ وہ ۷½ تولے سے کم ہے، مگر بکر کہتا ہے کہ وہ سونے کی قیمت پر زکوٰۃ دے، دونوں میں صحت پر کون ہے؟ (نور محمد رائے ونڈ)

جواب:۔ زید کا قول زیادہ صحیح ہے سونے اور چاندی پر زکوٰۃ الگ الگ واجب ہے ہاں اگر کوئی دونوں کو جمع کرکے زکوٰۃ ادا کرے تو اجر اور ثواب ضرور پائے گا، اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو گرفت نہیں ہوگی،

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۱۷)

سوال:۔ کیا سونے چاندی کے زیوروں میں زکوٰۃ فرض ہے جبکہ نصاب کو پہنچ جائیں؟

جواب:۔ فرض ہے۔ کیونکہ صحیح مسلک محققین کا یہی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے، اس کے متعلق حدیث کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں ہیں، لہٰذا پورے نصاب کے بعد ضرور زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے

(اہلحدیث دہلی جلد ۲ شمارہ ۴ ۱۳۷۱ھ)

زیور کی زکوٰۃ کے متعلق حکم

سوال:۔ زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کی جائے یا عمر بھر میں ایک ہی دفعہ ادا کی جائے؟

لہ وزن کی کمی کے وقت سونے چاندی کے نصاب کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنے میں احتیاط ہے کیونکہ سونے اور چاندی کو آپس ربط ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے (سعیدی)

جواب:۔ زیور سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے مسئلہ میں چار مذہب ہیں، ایک یہ کہ زیور سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، سلف کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس مسئلہ میں ایک قول ملتا ہے دوسرا یہ کہ زیور سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، یہ امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے، تیسرا یہ کہ زیور کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر کسی کو کبھی ضرورت پڑے تو اسے عاریۃً دے دیا جائے، اس مسلک کی بنیاد وہ اقوال ہیں جو دارقطنی میں حضرت انس اور حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہیں، چوتھا یہ کہ زیور سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، لیکن عمر بھر میں صرف ایک دفعہ! اس کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول ہے جو بیہقی میں وارد ہے، زیور سے زکوٰۃ کے متعلق اصل بات یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہی کی جائے، اور ہر سال ادا کی جائے، عون المعبود شرح ابوداؤد اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد و صحیح مرفوع روایات، اقوال، و آثار صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے ارشادات کے حوالے دیئے گئے ہیں، ان میں سے حضرت ام سلمہ، حضرت عائشہ، فاطمہ بنت قیس اور اسماء بنت یزید سے مروی روایات ہیں کہ ان کو آنحضرت نے مختلف اوقات میں مختلف زیور پہنتے ہوئے دیکھا، اور آپ نے ان کو ان سے زکوٰۃ ادا کرنے پر زور دیا، اور عدم ادائیگی پر وعید سنائی، اسی طرح زیور کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرنی چاہیئے، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں دارقطنی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ انہ کان یکتب الی خازنہ سالم ان یخرج زکوٰۃ حلی نسائہ کل سنۃ یعنی انہوں نے اپنے خزانچی سالم کو لکھا کہ وہ ان کی عورتوں کے زیور سے ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کریں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیور سے عدم ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مروی نہیں ہے، بلکہ یہی ثابت ہے، کہ زیور سے زکوٰۃ ادا ہی جائے، محمد اسحاق مدرس تقویۃ الاسلام لاہور

(الاعتصام جلد ۲۶ شمارہ ۳۵)

سوال:۔ زیور میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہر سال دینی ہوگی، یا صرف ایک دفعہ زکوٰۃ دے دینی کافی ہے؟

جواب:۔ زیورات میں زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے، جب تک زیورات قائم ہیں، اور نصاب پورا ہے، تب تک سال بسال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

سوال:۔ زیور کی زکوٰۃ کس طرح دی جائے، آیا زیور کی قیمت بشرح وقت معلوم کر کے اس کا چالیسواں حصہ دیا جائے، ایک شخص مقروض بھی ہے، اور قرض خواہ بھی مگر جو قرضہ اس نے دوسروں سے لینا ہے، وہ اس کی نسبت جو دینا ہے، بہت کم ہے، اس صورت میں کیا اس روپے پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جو کہ اس نے دوسروں سے لینا ہے، اور چھ سو روپے میں سے ایک سو روپیہ منہا کر کے پانچ سو روپے جو کہ دوسروں سے لینا ہے، اس کو زکوٰۃ دینی پڑے گی یا نہیں، مالِ زکوٰۃ کے کون لوگ مستحق ہوتے ہیں، کیا مال زکوٰۃ کسی دینی درسگاہ یا یتیم خانے میں یا کسی اور دینی تحریک میں دیا جا سکتا ہے،

الجواب:۔ زیور کی زکوٰۃ جس طرح چاہے ادا کرے خواہ وزن کے لحاظ سے چالیسواں حصہ دے خواہ موجودہ نرخ پر اس کی قیمت لگا کر چالیسواں حصہ دے دے، شرعاً اس میں کوئی فرق نہیں، اگر قرض اتنا ہو کہ اس کی جائداد (زمین مکان وغیرہ) کو محیط ہو، یعنی اس میں ساری جائداد بک سکتی ہو، تو اس صورت میں زکوٰۃ فرض نہیں، اور اگر جائداد قرض سے زیادہ ہو تو اس صورت میں جو قرض دینا ہو، وہ اس قرض سے منہا نہیں ہو سکتا جو لینا ہے، بلکہ جتنا ہے، اس سب پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، ہاں اگر ملنے کی امید نہ ہو تو پھر زکوٰۃ نہیں جب ملے گا، اس وقت ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے، دینی درگاہ وغیرہ میں زکوٰۃ دے سکتے ہیں لیکن وقف جگہ پر صرف نہ ہونی چاہیئے (عبد اللہ امرتسری)

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۳ شمارہ ۲۱

توضیح الکلام: عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں، فی سبیل اللہ میں اوقاف بھی شامل ہیں۔ (سعیدی)

سوال:۔ استعمال شدہ زیور میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بعون الوہاب:۔ زیور کا استعمال دو طرح سے ہے، ایک یہ اکثر پہنا جاتا ہو اور کبھی اتفاقیہ اتار دیا جاتا ہے، دوسری صورت یہ کہ اکثر محفوظ رکھا رہتا ہے، اور کبھی بیاہ شادی کے موقعہ پر پہن لیا جاتا ہے، اس دوسری صورت میں تو زکوٰۃ ضروری ہے، کیوں کہ یہ خزانہ کے حکم میں ہے، اور پہلی صورت اختلافی ہے، مگر احتیاط زکوٰۃ دینے میں ہے کیونکہ زکوٰۃ دینے کی احادیث بہت ہیں۔ اگرچہ ان میں کچھ ضعیف ہیں مگر مل کر استدلال کے قابل ہو سکتی ہیں۔ (عبد اللہ امرتسری)

تنظیم اہل حدیث جلد ۱۷ شمارہ ۲۳

سوال:۔ زید زیورات کی زکوٰۃ نہیں دیتا، دریافت کرنے پر کہتا ہے کہ جو زیورات اس کے نزدیک ہیں، اس کی عورت اس کو پہنا کرتی ہے، اس لئے استعمال میں آنیوالے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ میری ناقص تحقیق میں زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں، اگر دے تو اچھا ہے (اہلحدیث امرتسر ۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء)

شرفیہ:۔ وہ بعض سلف کا مسلک ہے موطا میں دو اثر بھی ہیں ایک عائشہ صدیقہ رض کا کہ وہ اپنی یتیم بھا بخیوں کی متولی تھیں، اور ان بچیوں کے زیورات کی زکوٰۃ نہ نکالتی تھیں۔ دوسرا عبد اللہ بن عمر رض کا ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں اور لونڈیوں کے زیورات سے زکوٰۃ نہ نکالتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ان دونوں اثروں میں یہ تصریح نہیں

کہ ان کے زیورات کا نصاب پورا تھا یا نہیں یعنی بیسؔ دینار تھا، یا نہیں ممکن ہے وہ نصاب سے کم ہوں پھر خصوصاً جب آثار مرفوع حدیث کے خلاف ہوں تو ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اور یہ آثار خلاف حدیث مرفوع ہیں، کما سیاتی اور بعض اصحاب کو امام ترمذی کے قول سے بھی مغالطہ ہوتا ہے، جہاں انہوں نے عمرو بن شعیب کی حدیث کو روایت کرکے کہا ہے:۔ المثنی ابن الصباح وابن لهيعة يضعفان في الحديث ولا يصح في هذا عن النبي صلى الله عليه وسلم شئ انتهى وسياتي جواب قول الترمذي عن الحافظ ابن حجرؒ قال في بلوغ المرام عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن امرأة اتت النبي صلى الله عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان من ذهب فقال لها اتعطين زكوة هذا قالت لا قال ايسرك ان يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار فالقتهما رواه الثلثة واسناده قوي وصحح الحاكم من حديث عائشةؓ انتهى وقال الحافظ ابن حجر ايضا في التلخيص بعد ذكر هذا الحديث بلفظ ابي داؤد اخرجه من حديث حسين المعلم وهو ثقة عن عمرو وفيه رد على الترمذي حيث جزم بانه لا يعرف الا من حديث ابن لهيعة والمثنى بن الصباح وقد تابعهم حجاج بن ارطاة ايضا قال البيهقي وقد انضم الى حديث عمرو بن شعيب حديث ام سلمة وحديث عائشة وساقهما وحديث عائشة اخرجه ابوداؤد والحاكم والدارقطني والبيهقي وحديث ام سلمة اخرجه ابوداؤد والحاكم ومن ذكر معهما ايضا وروي ايضا عن اسماء بنت يزيد رواه احمد ولفظه عنها قالت دخلت انا وخالتي على النبي صلى الله عليه وسلم وعلينا اساور من ذهب فقال لنا اتعطيان زكوة فقلنا لا قال اما تخافان ان يسوركما الله بسوار من نار ادياز كاته ثم ذكر حديث لا زكاة في الحلي من رواية البيهقي في المعرفة ثم قال لا اصل له انما يروى عن جابر من قوله انتهى (ص ۱۸۳ جلد ۱) وحديث ام سلمة ذكره ايضا في بلوغ المرام بلفظ انها كانت تلبس اوضاحا من ذهب فقالت يا رسول الله اكنز هو قال اذا اديت زكاته فليس بكنز رواه ابوداؤد والدار قطني وصححه الحاكم انتهى۔ خلاصہ یہ کہ زیور مستعمل میں زکوٰۃ فرض ہے اس کا خلاف قطعاً باطل ہے۔

ابوسعید شرف الدینؒ دہلوی
فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴۰

سوال:۔ محمودہ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی جن کی عمریں چھ سے بارہ سال تک ہیں احمد کی زیر نگرانی ہیں محمودہ کی کچھ جائیداد اور تھوڑا سا زیور تھا، جس کو محمودہ خود مرنے سے قبل ان بچوں کے نام تقسیم کر چکی ہے جس کی آمدنی احمد ان بچوں کی نگرانی پر خرچ کرتا ہے، اور زیور ان بچوں کی شادی میں دے دیا جائے گا، احمد چاہتا ہے کہ اس زیور کی زکوٰۃ دی جائے، کیونکہ ان بچوں کی آمدنی اتنی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے، مگر زید کہتا ہے کہ احمد ان کا نگراں اور ان کے مالوں کا محافظ ہے، علاوہ ازیں بچے چھوٹے ہیں جن پر کوئی چیز مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ فرض نہیں اس لئے احمد کو ان زیوروں پر زکوٰۃ دینے کا حق نہیں، کیا زید کا کہنا ٹھیک ہے؟

جواب مدلل ہو؟۔

جواب:۔ جو لوگ یتیم کو غیر مکلف ہونے کی وجہ سے مامور بالزکوٰۃ نہیں سمجھتے ہیں ان کی دلیل کو راجح سمجھتا ہوں، زیور میں جن علماء کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہیں ان سے متفق ہوں۔ سوال میں زیور کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ اللہ اعلم۔

اہلحدیث امرتسر ۴ نومبر ۱۹۳۶ء

شرفیہ:۔ یتیم کے مال کی زکوٰۃ میں حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحابہ میں سے حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کو جامع ترمذی میں قائلین میں لکھا ہے اور سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک کو مانعین میں۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۴۴

سوال:۔ زیور طلائی و نقرائی کی زکوٰۃ کی نسبت کیا حکم ہے۔ دی جائے یا نہ دی جائے؟

جواب:۔ مستعملہ زیور کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے، میرے ناقص علم میں واجب نہیں، دیوے تو اچھا ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ)

تنقید:۔ از مولانا ابو الصمصام عبدالسلام صاحب مبارک پور اعظم گڑھ۔

جامع ترمذی شریف میں ہے:۔ فرأی بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم و التابعین فی الحلی زکوٰۃ ما کان منہ ذھب و فضۃ وبہ یقول سفیان الثوری وعبد اللہ بن المبارک یعنی بعض صحابہ اور تابعین کے نزدیک سونا اور چاندی کے زیور میں زکوٰۃ ہے اور سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی قول ہے تحفۃ الاحوذی میں عمدۃ القاری شرح بخاری سے منقول ہے کہ یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا بھی ہے اور ایسا ہی حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مروی ہے اور سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر اور عطاء اور محمد بن سیرین اور جابر بن زید اور مجاہد اور زہری اور طاؤس اور میمون بن مہران اور ضحاک اور علقمہ اور اسود اور عمر بن عبدالعزیز اور ذر الہمدانی اور اوزاعی اور ابن شبرمۃ اور حسن بن حی اور ابن المنذر اور ابن حزم کا قول ہے کہ (زیور میں) زکوٰۃ واجب ہے، ظاہر کتاب اور سنت کی رد سے۔

اور سبل السلام سے منقول ہے کہ اس مسئلہ میں چار قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے، اور یہ مذہب ہے، ہدویہ اور سلف کی ایک جماعت کا اور امام شافعی کا ان کے ایک قول کے مطابق۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور یہ مذہب ہے، امام مالک اور امام احمد اور امام شافعی کا۔ ان سے ایک قول کے مطابق کیونکہ سلف سے اقوال وارد ہیں، مثلاً ابن عمرؓ اور عائشہؓ اور انسؓ اور جابرؓ

وغیرہ کے آثار اور جابرؓ کی مرفوع روایت ہے۔ لیس فی الحلی الزکوٰۃ سو وہ موضوع اور بے اصل ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ص۱۲ ج ۲ ۱۲ امنہ جو مقتضی ہیں کہ زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے لیکن حدیث صحیح مل جانے کے بعد آثار بے اثر و بے کار ہیں۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ زیور عاریتاً دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے، چنانچہ دارقطنی نے حضرت انسؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے۔ **چوتھا قول:** یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اس کو بیہقی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے، اور سب سے زیادہ ظاہر قول دلیل اور صحیح حدیث و قوی کی رو سے یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے۔

حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری شارح ترمذی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر اور راجح قول یہ ہے کہ سونا اور چاندی کے زیوروں میں زکوٰۃ واجب ہے، یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں

پہلی حدیث: روی ابوداؤد فی سننہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرأۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہا ابنۃ لہا وفی ید ابنتہا مسکتان غلیظتان من ذہب فقال لہا اتعطین زکوٰۃ ہذا قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بہما یوم القیٰمۃ سوارین من نار فالقتہما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ہما للہ ولرسولہ قال الزیلعی فی نصب الرایۃ بعد ذکر حدیث ابی داؤد ہذا اما لفظہ قال ابن القطان فی کتابہ اسنادہ صحیح و قال المنذری فی مختصرہ اسنادہ لا مقال فیہ الخ یعنی عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور اس کے ساتھ اس کی ایک لڑکی بھی تھی، اور اس لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے دو بھاری کنگن تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کی زکوٰۃ دی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں پس آپ نے فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ پہنائے قیامت کے دن انہیں دو کنگنوں کے بدلے میں دو کنگن آگ کے، پس انہوں نے وہ کنگن نکال کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے، اور عرض کیا کہ یہ دونوں اللہ اور رسول کے لئے ہیں۔

دوسری حدیث: عن ام سلمۃ انہا کانت تلبس اوضاحا من ذہب فقالت یارسول اللہ اکنز ہو فقال اذا ادیت زکوٰتہ فلیس بکنز اخرجہ ابوداؤد والدارقطنی وصححہ الحاکم کذا فی بلوغ المرام وقال الحافظ فی الدرایۃ قواہ ابن دقیق العید، یعنی ام سلمہ سے روایت ہے کہ وہ سونے کے زیور پہنتی تھیں پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے اس کی زکوٰۃ دی ہے تو کنز نہیں ہے۔

تیسری حدیث :۔ عن عبد اللہ بن شداد انہ قال دخل علی عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأی فی یدی فتخات من ورق فقال ما ھذا یا عائشۃ فقلت صنعتھن اتزین لک یا رسول اللہ قال اتؤدین زکوتھن قلت لا او ما شاء اللہ قال ھو حسبک من النار۔ رواہ ابوداؤد واخرجہ الحاکم فی مستدرکہ وقال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وقال الحافظ فی الدرایۃ قال ابن دقیق العید ھو علی شرط مسلم۔ یعنی عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس گئے، تو آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، پس میرے ہاتھ میں سونے کی انگشتری دیکھ کر فرمایا! اے عائشہ یہ کیا ہے؛ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے ان کو بنایا ہے، تاکہ زینت کروں میں آپ کے واسطے پس آپ نے فرمایا تم نے ان کی زکوٰۃ دی ہے، میں نے کہا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کافی ہے، تیرے لئے جہنم سے۔

چوتھی حدیث :۔ عن اسماء بنت یزید قالت دخلت انا وخالتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلینا اسورۃ من ذھب فقال لنا اتعطیان زکوتھا فقلنا لا قال اما تخافان ان یسورکما اللہ اسورۃ من نار ادیا زکوتھا۔ ذکرہ الحافظ فی التلخیص وسکت عنہ وقال فی الدرایۃ فی اسنادہ مقال قال صاحب تحفۃ الاحوذی ففی صحۃ حدیث یزید نظر لکن لا شک فی انہ یصلح للاستشھاد انتھی۔ یعنی اسما بنت یزید سے روایت ہے انہوں نے کہا میں اور میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، اور ہم سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے، پس آپ نے پوچھا کیا تم نے زکوٰۃ دی ہوئی ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم ڈرتی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنائے ان کی زکوٰۃ دے دو۔

پانچویں حدیث :۔ عن فاطمۃ بنت قیس قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطوق فیہ سبعون مثقالا من ذھب فقلت یا رسول اللہ خذ منہ فریضۃ فاخذ منہ مثقالا وثلاثۃ ارباع مثقال اخرجہ الدارقطنی وفی اسنادہ ابوبکر الھذلی وھو ضعیف ونصر بن مزاحم وھو اضعف منہ وتابعہ عباد بن کثیر اخرجہ ابونعیم فی ترجمۃ شیبان بن ذکریا فی تاریخہ کذا فی الدرایہ۔ یعنی فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک طوق لائی جو ۷۰ مثقال سونے کا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس میں سے فریضہ لے لیں۔ پس آپ نے اس میں سے پونے دو مثقال لے لیا۔

چھٹی حدیث :۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لامرأتی حلیا من

عشرین مثقالاً قال فادزکوته نصف مثقال واسناده ضعیف جداً اخرجه الدارقطنی کذا فی الدرایة
یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میری بیوی کے پاس ۲۰ مثقال سونے کا ایک زیور ہے، تو آپ نے فرمایا، پس اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔

الحاصل سونے اور چاندی کے زیور میں زکوٰۃ واجب ہے، اور عدم وجوب کے ثبوت میں جو آثار ذکر کئے جاتے ہیں، وہ ان احادیث کے سامنے بے اثر ہیں۔ رہی جابر کی حدیث مرفوع لیس فی الحلی زکوٰۃ۔ سو وہ باطل اور موضوع ہے، کذا فی تحفة الاحوذی هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب:

اھلحدیث:۔ مزید تفصیل مسک الختام وغیرہ میں بھی دیکھنی چاہیئے، یہ سب مذاہب اور اقوال کتب شروع حدیث میں درج ہیں، ہر ایک جماعت اپنے خیال کو اقویٰ سمجھتی ہے، واللہ اعلم۔ (۲۲/ستمبر ۱۹۳۹ء)

دیگر:۔ زیور میں زکوٰۃ فرض واجب نہیں اگر کوئی ادا کرے تو اچھا ہے۔ وجوب یا فرضیت ثابت کرنے کے لئے دلیل قوی قطعی کی ضرورت ہے مسئلہ ہذا کے متعلق جس قدر احادیث بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک بھی ضعف سے خالی نہیں، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک یہی ظاہر کیا ہے (اعلام المحدثین) سے امام مالک واحمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہم بھی عدم وجوب کے قائل ہیں۔ (سبل السلام)

(اہلحدیث ۱۹/ستمبر ۱۹۴۱ء)

الجواب:۔ سونے اور چاندی کے مستعمل زیورات کی نسبت مختلف روایات کے پیش نظر میرا خیال ہے کہ زکوٰۃ احتیاطاً دے دینی چاہیئے۔ (حضرت مولانا) عبدالغفور (ملا فاضل) بسکوہری

بعض علماء کا مذہب ہے کہ زیور کا مانگنی دے دینا بھی اس کی زکوٰۃ نکالنے کے مرادف ہے۔ بعض نے کہا ہے مستعمل زیوروں میں صرف ایک بار ادائیگی زکوٰۃ فرض ہے یہ اختلاف اٹھارہ بیس اقوال پر مشتمل ہے وجوب زکوٰۃ کے لئے جس ٹھوس اور بلا اختلاف ثبوت قطعی کی ضرورت ہے، ایسی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری جہاں تک میں نے غور کیا ہے دلائل کی رو سے زیور مستعملہ میں زکوٰۃ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

عبدالرؤف رحمانی نائب ناظم مدرسہ جھنڈا نگر ریاست نیپال

(۲/اپریل ۱۹۵۳ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴۵)

توضیح:۔ نفس سونے اور چاندی کی زکوٰۃ تو قرآن وحدیث کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

باقی رہا سونے اور چاندی کی ہائیت بدل جانے کے بعد زیورات کی شکل میں تو اس کے متعلق چھ حدیثیں نقل کی گئی ہیں، ان میں صحیح بھی ہیں، اور ضعیف بھی یقوی بعضها لبعض کے اصول کے مطابق قابل عمل ہیں، کتاب

وسنت کا عموم بھی اس کا مؤید ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی صحیح حدیث بھی نہیں ہے جو زیورات کی زکوٰۃ کو مستثنیٰ کرے، صرف علماء کے اقوال ہیں، جو کتاب وسنت کے عمومات کو مخصوص نہیں کر سکتے لہٰذا صحیح اور قوی مسلک ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ فرض ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(حررہ ابوالحسنات علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

زیورات میں زکوٰۃ

زیورات کی زکوٰۃ قرآن مجید کی روشنی میں

:۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ) جو لوگ سونا چاندی اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذابِ دردناک کی خوشخبری سنادو،

یہ آیۃ مبارکہ اپنے مضمون کے لحاظ سے اتنی صاف ہے کہ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مال خواہ نقدی کی صورت ہو، یا زیور کی شکل میں اگر نصاب کا متحمل ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، چنانچہ امام رازیؒ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:۔ الصحيح عندنا في وجوب الزكوٰة في الحلي والدليل عليه قوله تعالیٰ والذين يكنزون الذهب والفضة الخ وايضا العمومات الواردة في ايجاب الزكوٰة موجودة في الحلي المباح قال عليه السلام في الرقة ربع العشر وقال يا علي ليس عليك زكوٰة فاذا ملكت عشرين مثقالا فاخرج نصف مثقال وغيره ذالك فهذه الآية مع جميع هذه الاخبار يوجب الزكوٰة في الحلي المباح ثم نقول ولو وجد لهذه الدليل معارض من الكتاب وهو ظاهر لانه ليس في القرآن مايدل على انه لا زكوٰة في الحلي المباح ولم يوجد في الاخبار ايضا معارض الا ان اصحابنا نقلوا في خبر وهو قوله عليه السلام لا زكوٰة في الحلي المباح الا ان ترمذي قال لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلي خبر صحيح وايضا بتقدير ان يصح هذا الخبر فنحمله على اللآلي لان الحلي في الحديث مفرد محلي بالالف واللام وقد دللنا على انه لو كان هناك خبر معهود سابق وجب انصرافه اليه والمعهود في القرآن في لفظ الحلي اللآلي قال تعالىٰ تستخرجون منه حلية تلبسونها اذ كان انصراف لفظ الحلي الى اللآلي فسقطت دلالته وايضا الاحتياط في القول لوجوب الزكوٰة وايضا لا يمكن معارضة هذا النص بالقياس لان النص خير من القياس فثبت ان الحق ماذكرنا كشف المغطا عن وجه الموطا ص۲۸۔

ترجمہ :۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہی ہے، کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے، اور آیۃ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الخ اس پر دلیل ہے، اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عمومی روایتیں مباح زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب کی دلیل ہیں، چنانچہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے، کہ چاندی میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے، نیز فرمایا کہ اے علیؓ تم پر زکوٰۃ نہیں، مگر جب تم بیس مثقال کے مالک ہو جاؤ تو نصف مثقال ادا کرو، وغیرہ ذالک، پس یہ آیت ان مذکورہ روایتوں کے ساتھ مباح زیور میں زکوٰۃ واجب کر دیتی ہے، پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں، کہ اس دلیل کی کوئی آیت قرآن مجید میں معارض موجود نہیں، اور معارض کا غیر موجود ہونا ظاہر ہے، کیونکہ قرآن میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں کہ جو اس بات پر صادر کرتا ہو کہ مباح زیوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

اسی طرح حدیث میں بھی کوئی ایسی روایت موجود نہیں جو اس دلیل کی معارض ہو، سوائے اس حدیث کے کہ "لا زکوٰۃ فی الحلی المباح"، لیکن امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے، کہ زیور کی زکوٰۃ و عدم زکوٰۃ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں، تاہم اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو پھر ہم اس حکم کو موتیوں کے زیورات پر محمول کریں گے، کیوں کہ حدیث میں لفظ الحلی مفرد معرف باللام وارد ہے، اگر اس جگہ معہود سابق ہے تو اس طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اور جو معہود سابق قرآن میں موجود ہے، وہ موتیوں کا زیور ہے، جیسے کہ "تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا" ہے اور جب یہ بات ہے تو اس روایت سے موتیوں کے زیور مراد ہو سکتے ہیں، نہ کہ سونے چاندی کے، نیز احتیاط وجوب زکوٰۃ میں ہے، اسی طرح قیاس بھی اس نص کا لگا نہیں کھا سکتا، کیوں کہ نص قیاس پر فوقیت رکھتی ہے، پس ثابت ہوا کہ حق ہمارے قول کے ساتھ ہے، امام رازی مرحوم کی تفسیر سے صاف ظاہر ہے، کہ نہ تو وجوب زکوٰۃ کے خلاف نص موجود ہے نہ کوئی صحیح حدیث اس کے خلاف ہے، اور نہ قیاس نص کا مقابلہ کر سکتا ہے، وجوب زکوٰۃ کی وضاحت نمایاں اور عیاں ہے،

زیورات کی زکوٰۃ احادیث کی روشنی میں :۔

حدیث اوّل :۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرأۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہا ابنۃ لہا وفی ید ابنتہا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتعطین زکوٰۃ ھذا قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بہما یوم القیامۃ سوارین من نار قال فخلعتہما فالقتہما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ھما للہ ورسولہ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے، کہ ایک عورت اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اس کی بیٹی کے دو بھاری دست برنجن تھے، رسول اللہ نے دیکھ کر فرمایا کہ :۔

کیا تو نے کی زکوٰۃ ادا کی ہے، کہنے لگی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ بات گوارہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ تجھے قیامت کے روز ان کنگنوں کے عوض آگ کے کنگن پہنائے؛ اس عورت نے ان دونوں دست برنجنوں کو حضور کے سپرد کر دیا، اور کہا کہ یہ اللہ اور رسول کا مال ہے،

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے، اور ترک ادائیگی زکوٰۃ میں ڈانٹ پلائی گئی ہے، رہی اس حدیث کی صحت تو اس کے متعلق عون المعبود جلد دوم صہ۴ میں ہے، قال الزیلعی قال ابن القطان فی کتابہ اسنادہ صحیح وقال المنذری اسنادہ لامقال فیہ کہ امام زیلعیؒ نے کہا کہ ابن قطان نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں صحیح لکھا ہے، اور امام منذری نے اس حدیث کی اسناد کو کلام سے محفوظ قرار دیا ہے، **نوٹ:۔** امام خطابی مرحوم اس حدیث کی توضیح میں رقمطراز ہیں کہ انما ھو تفسیر قولہ تعالیٰ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِی نَارِ جَہَنَّمَ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ توبیخ یوم یحمٰی علیہا کی تاویل و تفسیر ہے، **حدیث دوم:۔** عن ام سلمۃ قالت کنت البس اوضاحًا من ذہب فقلت یارسول اللہ اکنزھو فقال ما بلغ ان تودی زکوٰۃ فزکی فلیس بکنز (رواہ ابوداؤد) **ترجمہ:۔** حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے سونے کے پازیب پہنے ہوئے تھی، میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ کیا یہ کیا کنز ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ جو چیز نصاب تک پہنچ جائے، اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے، تو وہ کنز میں شامل نہیں۔

پہلی حدیث کی طرح یہ حدیث بھی اس امر پر واضح دلیل ہے، کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے، رہی حدیث کی صحت تو علامہ منذریؒ نے اس حدیث کے ایک راوی عتاب بن بشیر کو متکلم فیہ قرار دیا ہے، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت قبول کی ہے، نیز امام حاکمؒ سے محمد بن مہاجر عن ثابت کے واسطہ سے بدیں الفاظ اس روایت کو نقل کیا ہے، اذا ادیت زکوٰتہ فلیس بکنز اور فرمایا ہے کہ امام بخاری مرحوم کی شرط پر صحیح روایت ہے، مگر علامہ عقیلیؒ نے ثابت بن عجلان پر کلام کی ہے، لیکن ابن دقیق العید نے جواباً کہا ہے کہ علامہ عقیلی کی یہ تنقید محض تحامل اور سینہ زوری ہے، ملاحظہ ہو عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۲ صہ۴ **حدیث سوم:۔** عن عبد اللہ بن شداد بن الہاد عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائی فی یدی فتخات من ورق فقال ما ھذا یا عائشۃ فقلت صنعتھن اتزین لک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتودین زکوٰتھن قلت لا او ماشاء اللہ قال حسبک من النار۔ رواہ الحاکم وابن جریر۔

عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے، کہ ہم ایک دفعہ جناب عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے جناب

عائشہ رضؓ نے (دوران کلام کہا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور میرے ہاتھ میں اس وقت) چاندی کی انگشتریاں تھیں، آپ نے پوچھا اے عائشہ رضؓ یہ کیا ہے، میں نے کہا میں نے ان کو آپ کی خاطر زینت کے طور پر پہن رکھا، فرمایا کیا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے، میں نے عرض کی کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے جہنم سے یہی کافی ہے۔

اوپر کی دونوں حدیثوں کیطرح یہ تیسری حدیث بھی وجوب زکوٰۃ کی مہتم بالشان دلیل ہے جس کے ہوتے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ سے انکار کی مجال نہیں، اور صحت کے لحاظ سے اس حدیث کی پوزیشن جرح سے محفوظ ہے جیساکہ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، وقال صحیح علی شرط الشیخین کہ یہ روایت بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق بالکل صحیح ہے، لیکن امام دار قطنیؒ نے اس پر بحث کی ہے، اور اس کے ایک راوی محمد بن عمرو بن عطا کو مجہول گردانا ہے، اور شیخ عبدالحقؒ نے بھی اس جرح کو پسند کیا ہے، لیکن صاحب عون المعبود رقمطراز ہیں کہ امام بیہقی اور یحیی بن قطانؒ نے امام دار قطنیؒ کی جرح کو غلط قرار دیا ہے، اور محمد بن عمرو بن عطا کو ثقات میں درج کیا ہے، اسی طرح علامہ ابن دقیق العیدؒ نے بھی عبداللہ بن شداد کی روایت کو مسلمؒ کی شرط کے مطابق درست قرار دیا ہے، کذا فی عون المعبود صـ جلد۲۔

یاد رہے حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ صاحب تحفۃ الاحوذی مرحوم نے بھی ان تینوں روایتوں کو ذکر فرمایا ہے، اور ان کو قابل حجت تسلیم کیا ہے، اور کہا ہے یہ کہ تینوں روائتیں کلام سے محفوظ ہیں، مولانا موصوف نے ان حدیثوں کے علاوہ اور حدیثیں بھی وجوب زکوٰۃ وزیورات کے بارہ میں نقل کی ہیں، لیکن پیش نظر مقالہ تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا، اس لئے ہم صرف دو روائتیں نقل کرتے ہیں، جو یہ ہیں ترتیب کے لحاظ سے یہ چوتھی حدیث ہے۔

حدیث چہارم:- عن اسماء بنت یزید بن السکن قالت دخلت انا وخالتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلینا اسورۃ من ذھب فقال لنا اتعطیان زکوتھا فقلنا لا قال اما تخافان ان یسورکما اللہ اسورۃ من النار ادیا زکوتھا۔ (رواہ احمد تحفۃ الاحوذی جلد۲)

اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ میں اور میری خالہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت ہم سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے، آپ نے دریافت فرمایا کہ تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو، ہم نے عرض کی کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ تم اس بات سے خائف نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو آگ کے کنگن پہنائے، تم دونوں اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔

یہ روایت اس امر کی صاف دلیل ہے۔ کہ زیور میں زکوٰۃ واجب ہے، جیسے کہ اِدیا صیغہ امر

وارد ہے، اس حدیث کی صحت کے متعلق عرض ہے، کہ علامہ ابن جوزیؒ نے اس کے ایک راوی علی بن عاصم پر جرح کی ہے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن تحفۃ الاحوذی کے مصنف نے کہا ہے کہ علامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تفصیل کے لئے تحفۃ الاحوذی جلد دوم کتاب الزکوٰۃ ملاحظہ ہو۔

حدیث پنجم:۔ عن فاطمہ بنت قیس قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطوق فیہ سبعون مثقالا من ذہب فقلت یا رسول اللہ خذ منہ الفریضۃ فاخذ منہ مثقالا وثلاثۃ ارباع رواہ الدارقطنی (تحفۃ الاحوذی) فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ میں سترؔ مثقال سونے کا ایک ہار لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور عرض کی کہ آپ اس کی زکوٰۃ وصول فرما لیں آپ نے اس سے پونے دو مثقال وصول فرمالیے۔

اگرچہ حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو درایہ میں ضعیف لکھا ہے، لیکن مولانا عبدالرحمٰن صاحب تحفۃ الاحوذیؒ میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابو نعیم نے اپنی تاریخ میں عباد بن کثیرؒ کے حوالہ سے اس روایت کی متابعت نقل کی ہے، لہٰذا اس حدیث کے حجت ہونے میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں **غرض** یہ پانچ ایسی حدیثیں ہیں جو کہ اپنے مضامین اور مطالب کے لحاظ سے اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ جن کے مطالعہ کے بعد ہر ایک شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے،

مسلک سلف وخلف:۔ اس مسئلہ میں مزید خدوخال معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی تصریحات پر ایک نگاہ ڈالی جائے، چنانچہ عون المعبود میں ہے۔ قال الخطابی واختلف الناس فی وجوب الزکوٰۃ فی الحلی الخ:۔ یعنی زیورات کی زکوٰۃ کے متعلق سلف کی مختلف آرائیں حضرت عمر فاروق حضرت عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباسؓ زیور میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں اسی طرح سعید بن مسیب، سعید بن جبیرؒ عطا ابن سیرین، جابر بن یزید، مجاہد، زہری ان حضرات کا بھی یہی قول ہے، اور اسی طرح سفیان ثوری اور احناف کا بھی میلان اور رجحان ہے، لیکن عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ عائشہ قاسم بن محمد اور شعبی عدم وجوب کے قائل ہیں، امام مالک امام احمد بن حنبل ایک جلی قول کے مطابق امام شافعی بھی اسی طرف چلے گئے ہیں، آخر میں امام خطابی محاکمہ طور پر اپنی رائے بیان فرماتے ہیں، کہ جو لوگ وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا مسلک اصح اور اثبات ہے، اور احتیاط بھی ادا کرنے میں ہے، اصل عبارت کے لئے ملاحظہ ہو، عون المعبود ص ۵ جلد ۲

اسی طرح علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی صاحب سبل السلام زیورات کی زکوٰۃ کے متعلق بحث

کرتے ہوئے فرماتے ہیں وفی المسئلة اربعة اقوال الخ یعنی اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں، چنانچہ:-

قول اول:- زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ بدویہ اور بعض سلف کا مسلک ہے، اور ایک قول کے مطابق مذکورہ روایتوں پر عمل کرتے ہوئے، امام شافعیؒ بھی یہی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

قول دوم:- دوسرا قول نفی زکوٰۃ کا حامل ہے، امام مالکؒ، احمدؒ ایک قول کے مطابق امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، ان کی دلیل وہ آثار ہیں، جو دریں مسئلہ پیش کئے جاتے ہیں، لیکن حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے آثار کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

قول سوم:- زیور کی زکوٰۃ اس کا عاریۃً ہی دے دینا زکوٰۃ ہے، جیسے کہ دارقطنیؒ نے حضرت انسؓ اور اسماء بنتؓ ابی بکر سے نقل کیا ہے۔

قول چہارم:- زیورات میں زکوٰۃ صرف ایک دفعہ واجب ہے، جیسے کہ بیہقیؒ نے انسؓ سے روایت کیا ہے، علامہ صاحبِ موصوف آخر میں فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ صحیح حدیث کی رو سے وجوب زکوٰۃ کا قول اظہر اور اثبت ہے۔ اسی طرح علامہ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر حنفیؒ نے زیورات میں وجوب زکوٰۃ کے مسئلہ کو اجاگر کرتے ہوئے، بہت سی روایات کا ذکر کیا ہے، جنکو طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے، آخر میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ففی المطلوب احادیث کثیرة مرفوعة غیرانا اقتصرنا منها علی ما لا شبهته فی صحته (کشف المغفاص ۲۴۷) زیورات میں وجوب زکوٰۃ کے متعلق بہت سی مرفوع روایتیں موجود ہیں، مگر ہم نے انہیں روایتوں کو ذکر کیا ہے، جنکی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

زیورات میں مانعین زکوٰۃ کے دلائل:-

اس بارے میں عام طور پر تین دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) عن قاسم ان عائشةؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت تلی بنات اخیها یتامی فی حجرها لهن الحلی فلا تخرج من حلیهن زکوٰة (رواہ مالک) حضرت قاسم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنی بھتیجیوں کی کفیل تھیں، اور ان کے پاس زیور تھا لیکن آپ انکی زکوٰۃ نہ نکالتیں۔

اس روایت کو عدم وجوب زکوٰۃ میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس روایت کے پانچ جواب ہیں۔

اول:- حضرت عائشہؓ اس لئے زکوٰۃ نہ نکالتی تھیں، کہ وہ یتیموں کا مال تھا، اور یتیموں کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہوتی، جیسے کہ موطا امام محمدؒ میں وضاحت سے مذکور ہے۔

دوم:- ہو سکتا ہے کہ وہ موتیوں کے بنے ہوئے ہوں، اور موتیوں کے زیوروں میں زکوٰۃ نہیں ہوتی

جیسے کہ امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا ہے، ما کان من حلی جواھر ولؤلؤ فلیست فیہ الزکوٰۃ علی کل حال کہ جو زیورات جواہرات اور موتیوں کے بنے ہوئے ہوں، ان میں کسی حال میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

سوم:۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زیورات نصاب زکوٰۃ کے حامل نہ ہوں، جیسے کہ استاذ الاساتذہ مولانا شرف الدین صاحب مرحوم دہلوی نے شرفیہ میں وضاحت فرمائی ہے۔

چہارم:۔ حضرت عائشہ کا یہ اثر صحیح حدیثوں کا معارض ہے، اس لئے قابلِ التفات اور درخورِ اعتنا نہیں۔

پنجم:۔ حضرت عائشہؓ کا ایسا کرنا خاص وقت کے ساتھ موقت تھا، اور اسے عمومی حکم حاصل نہیں کیونکہ آپؐ کی طرف سے وجوب زکوٰۃ کی حدیث اوپر ذکر ہو چکی ہے، ملاحظہ ہو اس مکالے کی حدیث ۳۔

(۲) عن نافعؒ عن عبد اللہ بن عمرؓ کان یحلی بناتہ وجوار یہ الذھب ثم لا یخرج من حلیھن الزکوٰۃ۔ رواہ مالک حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنی لڑکیوں اور لونڈیوں کو سونا پہنایا کرتے تھے۔ لیکن زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے، اس روایت کو بھی نفی زکوٰۃ میں پیش کیا جاتا ہے اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ایک دوسرا فتویٰ وجوب زکوٰۃ کا بھی ملتا ہے، جو اس اثر کے خلاف ہے، چنانچہ البدائع میں ہے، کہ حکی اولا ان الزکوٰۃ الحلی اعارتہ ثم قال المروی عن ابن عمرؓ معارض بالمروی عنہ ایضا انہ زکی حلی بناتہ ونسائہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا اس بارے میں پہلا قول یہ ہے کہ زیور کا عاریتہً اس کا دے دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے مزید براں عبد اللہ سے ایک اور روایت بھی مروی ہے کہ جو پہلی روایت کے معارض کہ آپ اپنی بیٹیوں اور بیویوں کے زیورات سے زکوٰۃ نکالتے تھے۔ (کشف المغطاۃ ص ۳۱) یہ بھی یاد رہے کہ علامہ خطابیؒ اور علامہ منذریؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو زکوٰۃ کی صف میں شمار کیا ہے۔

(۳) اسی طرح عدم وجوب میں حضرت جابرؓ کی بھی ایک مرفوع روایت نقل کی جاتی ہے، جو اس طرح ہے کہ لیس فی الحلی زکوٰۃ زیورات میں زکوٰۃ نہیں۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب مرحوم صاحب تحفۃ الاحوذی نے وجوب زکوٰۃ کو ثابت کرتے ہوئے اس حدیث پر سخت تنقید کی ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ روایت باطل اور موضوع ہے، اسی طرح اور بھی اقوال ہیں جن کو طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان سطور کے راقم کے نزدیک مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں سونے چاندی کے زیوروں میں زکوٰۃ واجب ہے، اور عدم وجوب میں محض آثار و اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ لیکن مذکورہ مرفوع روایات کے سامنے محدثین کرام کے اصول کے مطابق آثار کی کوئی وقعت

اور وزن باقی نہیں رہتا۔ (از قلم مولانا عبیداللہ خان عفیف مسجد چینیانوالی لاہور)

الاعتصام جلد ۱۴ شمارہ ۴۶، ۴۷، ۴۸

سوال:۔ زیور جو استعمال کیا جاتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ یہاں کے لوگ آپس میں مختلف ہیں، بعض زکوٰۃ کو مانتے ہیں۔ دلیل میں سوار ان کی حدیث پیش کرتے ہیں، اور بعض مستعمل چیز مان کر عدم فرضیت کے قائل ہیں، اور یہی رائے صاحب تذکیر الاخوان کی بھی ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں سے جو اصح ترین صورت ہو۔ تحریر فرمادیں، اور احوط کا احتیاط رہے، اور اگر فرض ہے تو صرف ایک دفعہ یا ہر سال؟ حاجی محمد سعید از جلیسٹ گڑھ۔

جواب:۔ اصح (زیادہ صحیح) کا سوال بے معنی ہے کیونکہ ہر قائل کے نزدیک اس کا قول اصح ہے، احوط یہی ہے کہ ہر سال ادا کرے، تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

(اہلحدیث جلد ۴۰ نمبر ۳۲) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۲

سوال:۔ مستورات کے پاس جو زیورات ہوتے ہیں، ان کی زکوٰۃ کس شرح سے دینی چاہیئے لاگت سے بازاری ورسے یا موجودہ سونا کے درسے قیمت بنوائی منہا کرنی چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔ زیور کی زکوٰۃ میں اختلاف مشہور ہے، جن کے نزدیک واجب ہے، وہ سونے چاندی کی قیمت سے دلواتے ہیں، یعنی بنے بنائے زیور سونے چاندی کا جو ورپڑے اس کے مطابق زکوٰۃ دیتے ہیں، محنت مزدوری کو دخل نہیں۔ (یکم رمضان ۳۵ھ "اہلحدیث") فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۸

سوال:۔ زیور میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زیور کی زکوٰۃ میں قدیم الایام سے اختلاف چلا آرہا ہے ایک گروہ مثبت ہے، ایک گروہ وجوب کا منکر خاکسار دوسرے گروہ کے ساتھ ہے۔

(اہلحدیث ۲۹ جمادی الاول ۴۶ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۸

سوال:۔ زیور کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ زیور اگر سونے یا چاندی کا ہو، اور نصاب کو پہنچ جائے تو ہر سال زکوٰۃ دینا چاہیئے۔ یہی صحیح ہے، جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، پڑا رہنے اور استعمال کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(الاعتصام جلد نمبر ۲ شمارہ ۱۹)

سوال:۔ زیور کی زکوٰۃ کا حکم کیا ہے، تفصیل سے بیان فرمادیں؟

جواب:۔ اصل یہی ہے کہ زیور میں زکوٰۃ ہے، کیونکہ وہ سونا چاندی ہے، اور سونا چاندی میں زکوٰۃ کا حکم

ہے، مگر چونکہ وہ گھڑ کر استعمال کے لئے دوسری شے بنائی گئی ہے، اس لئے اس میں شبہ آگیا، لیکن جو زیور اکثر پڑا رہتا ہے، استعمال میں کم آتا ہے، مثلاً شادی یا عید کے موقع پر پہن لیا، کہیں جانے کا اتفاق ہوا تو پہن لیا تو ایسے زیور کی زکوٰۃ ضرور ادا کرنی چاہئے، کیوں کہ استعمال ہی کی وجہ سے تو اس کی زکوٰۃ میں شبہ ہوا تھا جب وہ اکثر پڑا رہتا ہے، تو یہ شبہ جاتا رہا، اور جو زیور اکثر پہنا جاتا ہے، اس میں شبہ ہے، مگر ترجیح اسی کو ہے، کہ اس کی بھی زکوٰۃ دینی چاہیئے، کیوں کہ بعض روایات میں پہنے ہوئے کی بابت بھی تصریح آئی ہے، اگرچہ بعض علماء نے ان میں کچھ کلام کی ہے، مگر مل کر قبولیت کے مقام کو پہنچ جاتی ہے، جس سے ترجیح اسی جانب کو معلوم ہوتی ہے، کہ زیور کی زکوٰۃ بہر صورت دینی چاہیئے خواہ اکثر استعمال ہو یا نہ۔ تفصیل روایات مطلوب ہوں تو سبل السلام نیل الاوطار وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

(عبداللہ امرتسری) تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۲۳

باب العشر والزکوٰۃ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین خراجی میں عشر لازم ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

جواب:۔ یہ مسئلہ معارک عظیمہ سے ہے، امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا یہ مذہب ہے کہ دونوں لازم ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سوائے خراج کے اور کچھ لازم نہیں چنانچہ ہدایہ میں ہے ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج الخ فتح القدیر میں ہے، وقال الشافعیؒ و مالکؒ و احمدؒ یجمع بینہما لانہما حقان ذاتاً ومحلاً وسبباً ومصرفاً الخ صاحب ہدایہ نے اپنے مدعا کے اثبات میں تین ادلہ قائم کئے ہیں، امام ابن ہمام نے تینوں کو مخدوش ومنظور فیہ کر دیا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے استدلال بحدیث لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم، کیا اور امام ابن ہمام نے فرمایا وہو حدیث ضعیف، پھر آگے اس کی وجہ ضعف بیان کی، پھر دو حدیثیں موقوف نقل کیں، اس پر فرمایا، وحاصل ہذا کما تری لیس الانقل مذہب لبعض التابعین ولم یرفعوہ لیکون حدیثاً مرسلاً، ونیز صاحب ہدایہ نے استدلال کیا کہ، ان احداً من الائمۃ الجور والعدل لم یجمع بینہما، اس پر امام ابن ہمام نے فرمایا "قد منع بنقل ابن المنذر الجمع فی الاخذ عن عمر بن عبد العزیز فلم یتم وعدم الاخذ من غیرہ جاز کونہ لتفویض الدفع الی الملاک فلم یتعین قول الصحابی لعدم الجمع والمتحج من یحتج بقولہم علی ان فعل عمر بن عبد العزیز یقتضی ان لیس عمر بن الخطاب علی منع الجمع لانہ کان متبعاً لہ مقتفیاً لاثارہ الخ، لیکن امام ابن ہمام نے ایک دلیل عدم وجوب کی نقل کی ہے، فرماتے ہیں الذی یغلب علی الظن ان الخلفاء الراشدین من عمرؓ وعثمان وعلی لم یاخذوا عشراً من ارض الخراج

والاتنقل کما نقل تنا صیل اخذ ہم الخراج الخ اور بحکم حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب خلفاء الراشدین میں سے کسی نے عشر زمین خراجیہ سے نہ لیا تو اب بھی وہی حکم ہے۔ گویا یہ حکم منجملہ اجماعیات صحابہ ہوا۔ اور نیز اراضی بلاد عجم بتصریح علمائے کرام خراجیہ ہیں، چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بد منہ میں و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بعض تحریرات میں اس پر صراحت فرمائی ہے۔ اور خراجیہ اسے کہتے ہیں جس میں عشر نہ ہو تو ثابت ہوا کہ زمین خراجی میں عشر لازم نہیں۔ ہذا واللہ اعلم۔

حررہ محمد عبدالحق ملتانی سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق:۔ واضح ہو کہ ہر زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر (جیسی صورت ہو) لازم ہے بشرطیکہ مالک پیداوار مسلمان ہو، اور پیداوار نصاب کو پہنچی ہو، خواہ زمین خراجی ہو یا عشری اور خواہ زمین مالک پیداوار کی مملوک ہو یا نہ ہو ہر حالت میں عشر یا نصف لازم ہے، اس واسطے کے کہ ادلہ وجوب عشر و نصف عشر عام ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَأَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (س بقر) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر متفق علیہ اور کوئی دلیل ایسی صحیح نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو کہ عشر یا نصف صرف زمین عشری میں لازم ہے اور زمین خراجی میں لازم نہیں، اور جس قدر دلیلیں اس مطلوب کے ثبوت میں حنفیہ کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی قابل احتجاج نہیں، ایک دلیل ان کی یہ حدیث ہے۔ لا یجتمع عشر و خراج فی ارض مسلم یعنی مسلمان کی زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہوتا۔ یہ حدیث بالکل ضعیف و باطل ہے، حافظ ابن حجر درایۃ ص۱۶۲ میں لکھتے ہیں۔ حدیث لا یجتمع عشر و خراج فی ارض مسلم ابن عدی عن ابن مسعود رفعہ بلفظ لا یجتمع علی مسلم خراج و عشر وفیہ یحیی بن عنبسۃ وہو واہ وقال الدارقطنی ہو کذاب وصح ہذا الکلام عن الشعبی وعن عکرمۃ اخرجہا ابن ابی شیبۃ وصح عن عمر بن عبدالعزیز انہ قال لمن قال انما علی الخراج الخراج علی الارض والعشر علی الحب۔ اخرجہ البیہقی من طریق یحیی بن آدم فی الخراج لہ وفیہا عن الزہری لم یزل المسلمون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ یعاملون علی الارض ویستکرونہا ویؤدون الزکوٰۃ عما یخرج منہا وفی الباب حدیث ابن عمر فیما سقت السماء عشر متفق علیہ ویستدل بعمومہ انتہی۔

اور علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں، ولم یثبت منع الجمع بین العشر والخراج بدلیل شرعی وما رواہ ابن الجوزی وذکرہ ابن عدی فی الکامل عن یحیی بن عنبسۃ حدثنا ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن علقمۃ عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع علی مسلم عشر و خراج باطل انتہی۔

دوسری ایک دلیل یہ ہے کہ کسی امام نے عادل ہو یا جابر عشر اور خراج کو جمع نہیں کیا۔ یعنی ایسا نہیں کیا کہ عشر بھی

لیا ہو اور خراج بھی پس تمام ائمہ (جابر ہوں یا عادل) کا اتفاق واجماع اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی ہے کہ زمین خراجی میں عشر نہیں یہ دلیل بھی ناقابلِ استدلال ہے جیساکہ مجیب نے علامہ ابن الہمام سے نقل کیا اور حافظ ابن حجر درایۃ صٓ۲۶۵ میں لکھتے ہیں۔

لا اجماع مع خلاف عمر بن عبد العزیز والزہری بل لم یثبت عن غیر ہما التصریح بخلا فہما انتہی۔ اور ایک دلیل یہ ہے کہ ظن غالب یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زمین خراجی سے عشر نہیں لیا کیونکہ اگر یہ حضرات زمین خراجی سے عشر لیتے تو ضرور منقول ہوتا جیساکہ ان کے خراج لینے کی تفصیلی باتیں منقول ہیں پس خلفاء راشدینؓ کا زمین خراجی سے عشر نہ لینا دلیل ہے کہ زمین خراجی میں عشر لازم نہیں یہ دلیل بھی ناقابلِ استدلال ہے، اس واسطے کہ جب آیت قرآنیہ واحادیث نبویہ کے عموم سے خراجی زمین میں عشر کا لازم ہونا ثابت ہے، تو ظن غالب یہ ہے کہ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے زمین خراجی سے ضرور عشر لیا ہوگا۔ اور عدم ذکر شئی عدم شئی لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

کتبہ، محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاویٰ نذیریہ ص ۴۹۳ ج ۱)

خراجی زمین کی تعریف اور اسمیں زکوٰۃ کا حکم شیخ حسینؒ عرب کی تحقیق سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال :۔ ما قول علماء الاسلام ھداۃ الانام عن حکم الخراج الذی یاخذہ حکام الکفار من المسلمین علی ارضیہم بالرضا او بالجبر بان یقترض صاحب الارض و یودی الیہم ذالک ففی ھذہ الحالۃ ھل تسقط الزکوٰۃ عن صاحب الارض باداء الخراج الی حکام الکفار وکیف مصرف ھذا الخراج الی الکفار ھل یسقط الخراج الشرعی عن المسلم باداۂ الی الحاکم الکافر اذا کانت ارضہ

علماء اسلام ہداۃ الانام کا اس خراج کے بارے میں کیا قول ہے، جس کو کافروں کے حکام مسلمانوں سے ان کی زمینوں پر رضامندی سے یا جبراً لیتے ہیں، باین طور کہ زمین والا (لوگوں) سے قرضہ لیکر حاکموں کو خراج دے تو کیا اس صورت میں کافروں کے حاکموں کو خراج دینے کے ساتھ زمین والے (کے ذمہ) سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے؟ (یا نہیں) اور کافروں کو یہ خراج دینا کیسا ہے، اور اگر زمین خراجی ہو تو حاکم کافر کو خراج دینے سے مسلمانوں کے ذمہ سے خراج شرعی ساقط ہو جاتا ہے؟ (یا نہیں)

خراجیہ وحقیقتہ ارض الخراج؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ واللہ الموفق للصواب اعلم انہ ینبغی اولا تعریف الارض الخراجیۃ وا حقیقتہا وممن یؤخذ والی من یدفع؟

فاقول قال العلامۃ الشیخ عبد الحق الدہلوی فی شرح المشکوٰۃ الخراج یجری فی الموضوع علی الاراضی المتروکۃ فی ایدی اھل الذمۃ انتہیٰ۔

وفی الھدایۃ کل ارض فتحت عنوۃ واقرا ھلہ علیہا فھی ارض خراج۔ ھذا لان الموضوع من شرطہ ان یقرا ھلہا علی الکفر السواد وما فتح عنوۃ واقر اھلہ علیہ او صالحہم الامام خراجیۃ انتہیٰ۔

وفی المستخلص وضع الخراج من شرطہ ان یقر اھلہا علی الکفر کما فی سواد العراق انتہیٰ۔

وفی الدر المختار وما فتح عنوۃ واقرا ھلہ علیہ او فتح صلحا خراجیۃ لانہ الیق بالکافر انتہیٰ۔

قال فی الشامی علی الدر المختار قولہ لانہ الیق بالکافر لانہ یشبہ الجزیۃ لما فیہ من معنی العقوبۃ ولان فیہ تغلیظا حیث یجب وان لم تزرع

اور خراجی زمین کی تعریف کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب واللہ الموفق للصواب جاننا چاہیئے کہ پہلے خراجی زمین کی تعریف کرنی مناسب ہے کہ اسکی حقیقت کیا ہے اور خراج کس سے لیا جائے، اور کس کو دیا جائے

سو میں کہتا ہوں کہ علامہ شیخ عبد الحق دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے کہ خراج ان زمینوں کی مقرری پر جاری ہوتا ہے جو ذمیوں کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہو۔ انتہی۔

اور ہدایہ میں ہے کہ جو زمین لڑائی سے ہاتھ لگے۔ اور اس کے اہل وہیں ٹھہرے ہیں وہ خراجی زمین ہے اس لئے کہ اسکے اہل کا کفر اور آبادی پر قرار رہنا مقرری کی شرط ہے، اور جو (زمین) لڑائی سے ہاتھ لگے اور اس کے اہل اس پر ٹھہرے رہیں، یا امام ان سے صلح کرے (تو وہ زمین) خراجی ہے، انتہی۔

اور مستخلص میں ہے کہ اس کے اہل کا کفر پر برقرار رہنا مقرری خراج کی شرط ہے، جیساکہ عراق کی زمین میں ہے، انتہی۔

اور در مختار میں ہے، کہ جو (زمین) لڑائی سے ہاتھ لگے، اور اس کے اہل اس پر ٹھہرے رہیں یا صلح سے ہاتھ لگے، وہ خراجی ہے، اس لئے کہ وہ کافر کے ساتھ بہت لائق ہے، انتہی۔

در مختار پر شامی والے نے اپنی کتاب شامی میں ماتن کے قول (اس لئے کہ کافر کے بہت لائق ہے) کی تشریح میں کہا ہے اس واسطے کہ وہ جزیہ کے مشابہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایک قسم کی عقوبت اور سختی ہے، کیونکہ خراج واجب

بخلاف العشر لتعلقه بعين
الخارج لا بالارض انتهى۔

❊ ❊ ❊

وفى الكنز و شرحه
للعلامة العينى وما فتح
عنوة واقرا اهلها عليه او
صالحهم خراجية لان عمر
رضى الله عنه حين فتح
السواد وضع عليهم الخراج
بمحضر عن الصحابة ووضع
على مصر حين فتحها عمرو بن
العاص انتهى۔

فعلم من عبارات الائمة الحنفية
المذكورة ان الخراج انما يكون على
الكفار اهل الذمة الذين اقرهم المسلمون
على الارض بعد فتحها بالخراج او صالحهم
على اداء الخراج ولم يقل احد من الائمة
الحنفية ان الخراج يكون على المسلم ابتداء
لا من الحاكم المسلم على الرجل المسلم
ولا من الحاكم الكافر على المسلم۔

قال فى الشامى لان الخراج لا يوظف
على المسلم ابتداء ذكره القهستانى
در منتقى انتهى۔

لكن اذا اشترى المسلم الارض

ہے، اگرچہ زراعت نہ کی جائے، بخلاف عشر کے
(کہ وہ اس صورت میں واجب نہیں ہوتا) اس
لئے کہ وہ پیداوار سے تعلق رکھتا ہے، نہ
زمین سے۔

اور کنز اور اس کی شرح علامہ عینی میں ہے کہ جو
زمین (لڑائی سے ہاتھ آوے، اور اس کے اہل اس
پر ٹھہرے رہیں، یا (اس طرح ہاتھ لگے) امام ان
سے صلح کر لے، تو وہ خراجی ہے، اس لئے کہ
حضرت عمرؓ جب سواد کو فتح کیا تو ان پر ایک
جماعت صحابہ کرام کی موجودگی میں خراج مقرر
کیا، اور مصر پر بھی مقرر کیا، جب کہ اس پر
عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے
فتح پائی انتہیٰ۔

پس ائمہ حنفیہ کی عبارات مذکورہ سے معلوم
ہوا کہ خراج ان ذمی کافروں پر ہوتا ہے، جن کو
مسلمانوں نے (ان کی) زمین پر لڑائی سے فتح
کر کے خراج پر ٹھہرا رکھا ہو یا ان سے خراج
ادا کرنے پر صلح کر لی ہو، اور ائمہ حنفیہ سے کسی
نے یہ نہیں کہا ہے کہ خراج مسلمانوں پر ابتداء
ہوتا ہے، مسلمان حاکم سے مسلمان پر اور نہ
کافر حاکم سے مسلمان پر۔

شامی میں ہے، اس لئے کہ خراج مسلمانوں
پر ابتداءً مقرر نہیں ہوتا۔ اس کو قہستانی
نے منتقی میں بیان کیا انتہیٰ۔

لیکن جب مسلمان خراجی زمین کو ذمی سے

الخراجیۃ من الذمی ینتقل إلی ذمۃ المسلم الذی اشتری الارض من الذمی۔

فالخراج الذی یاخذہ الآن الکفار من المسلمین علی ارضیہم لایسمی خراجاً شرعیاً ولاتسقط بادائہ الی الکفار الزکوٰۃ عن المسلم باتفاق العلماء۔ وانما الخراج الذی لاتجب معہ الزکوٰۃ علی مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فیما اذا اشتری المسلم الارض الخراجیۃ من الذمی الذی علیہ الخراج فان الخراج الذی کان علی الذمی ینتقل الی المسلم الذی اشتری الارض من اھل الذمۃ الذین کان علیہم الخراج ففی ھذہ الصورۃ لایسقط الخراج عن المسلم لانہ شرائہ لہا من الذمی التزام ما کان علی اھل الارض من الخراج فاذا کان الخراج لایسقط عنہ فلا یجتمع علیہ عشر وخراج عند الائمۃ الحنفیۃ۔

ومذہب الائمۃ الثلاثۃ ان الخراج لایسقط الزکوٰۃ لانہما حقان متغایران فالزکوٰۃ تتعلق بالخارج والخراج یتعلق بالارض ولان الاحادیث المصرحۃ بوجوب الزکوٰۃ فیما اخرجت الارض مطلقۃ غیر مقیدۃ بکون الارض خراجیۃ

خریدے تو وہ (خراج) اسی مسلمان کے ذمہ منتقل ہو جاتا ہے، جس نے خراجی زمین کو ذمی سے خریدا ہو۔

پس وہ خراج جسے اب کفار مسلمانوں سے ان کی زمینوں پر لیتے ہیں، باتفاق علماء وہ خراج شرعی نہیں ہے، اور نہ ہی اسے کافروں کو دینے سے مسلمان کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوتی ہے، اور وہ خراج کہ جس کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب پر زکوٰۃ واجب نہیں اس صورت میں ہے کہ جب مسلمان خراجی زمین کو ذمی خراج والے سے خریدے تو وہ خراج جو اس ذمی پر تھا اس مسلمان کی طرف منتقل ہوگا، جس نے ذمیوں خراج والوں سے اس زمین کو خریدا تو اس صورت میں اس مسلمان سے خراج ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے ذمی سے زمین خریدنے کے ساتھ جو کچھ زمین والے پر خراج وغیرہ تھا، اپنے پر لازم کر لیا، تو جب اس سے خراج ساقط نہیں ہوتا تو ائمہ حنفیہ کے نزدیک اس پر عشر اور خراج جمع نہ ہوں گے۔

اور ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ خراج زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ حق ہیں، پس زکوٰۃ پیداوار سے متعلق ہے، اور خراج زمین سے، اور اس لئے کہ جن حدیثوں میں زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہونے کی تصریح ہے، وہ مطلق ہیں، ان میں اس بات

او غیر خراجیۃ قالوا ای الائمۃ القائلون باجتماع العشر والخراج ان الحدیث الوارد بانہ لا یجتمع عشر و خراج علی مسلم باطل باتفاق العلماء والمحدثین کما فی تخریج الھدایۃ للحافظ ابن حجر والزیلعی وکما فی الفتح القدیر لابن الھمام لکن للحنفیۃ حجج اخری لکنھا لیس من مقصود السوال۔

والحاصل ان الارض الخراجیۃ ھی التی یقر الامام المسلم فی ایدی اھل الذمۃ یؤدون خراجھا الی الامام المسلم او یشتریھا مسلم من اھل الذمۃ الذین کان الخراج علیھم فاذا اشتراھا المسلم ممن کان الخراج علیھم فان الخراج ینتقل الی المسلم فاذا انتقل الیہ الخراج بالشراء ممن کان علیہ الخراج فلا یجتمع عشر وخراج عند الامام ابی حنیفۃ ولم یقل احد من العلماء الحنفیۃ ان الخراج یکون علی المسلم یودیہ الی الحاکم الکافر وقد غلط فی ھذا جماعۃ من علماء العصر من اھل الھند فافتوا بانہ لا یجتمع العشر والخراج مطلقاً ولم یبینوا حقیقۃ الخراج ما ھو؟ والی من یصرف الخراج؟ ومن یاخذہ من المسلم ولو بینوا حقیقۃ الخراج والی من یصرف الخراج لسلموا انما

کی قید نہیں ہے کہ وہ زمین خراجی ہو یا غیر خراجی اور جو ائمہ عشر اور خراج کے جمع ہونے کے قائل ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مسلمان پر عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے، وہ حدیث باتفاق علماء اور محدثین کے باطل ہے، جیساکہ حافظ ابن حجر اور زیلعی کی تخریج ہدایۃ اور ابن ہمام کی فتح القدیر میں بیان ہے، حنفیوں کے اور بھی دلائل ہیں، لیکن وہ سوال کے مقصود سے باہر ہیں، (اس لئے ان کا بیان کرنا مناسب نہیں،

حاصل یہ کہ خراجی زمین وہ ہے جس کو مسلمان امام ذمیوں کے قبضہ میں رکھے جو وہ اس امام کو اس کا خراج دیویں یا وہ زمین ہے، جس کو مسلمان ذمیوں خراج والوں سے خریدے، تو جب مسلمان نے اس زمین کو ذمیوں خراج والوں سے خریدا ہو تو خراج اس مسلمان کیطرف منتقل ہوگا، پس جب خراج والوں سے خریدنے کی وجہ سے اس کی طرف خراج منتقل ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر اور خراج دونوں جمع نہ ہوں گے، اور علماء حنفیہ سے کسی نے نہیں کہا ہے، کہ مسلمان پر بھی خراج ہوتا ہے، جو وہ اسے حاکم کافر کی طرف ادا کرے، اور اس مسئلہ میں علماء زمانہ اہل ہند کی ایک جماعت نے غلطی کی، پس فتویٰ دیا کہ عشر اور زکوٰۃ مطلقاً جمع نہیں ہوتے، اور یہ نہ بیان کیا کہ خراج کی حقیقت کیا ہے؟ اور کس کو دینا چاہیئے؟ اور مسلمان سے خراج کون لیوے؟ اور اگر وہ خراج کی حقیقت اور اس

وقعوا فيه من الغلط بل اخذوا باطلاق قول الائمة الحنفية لا يجتمع العشر والخراج على المسلم والائمة الحنفية بريئون من هذا الاطلاق لانهم رضی الله تعالیٰ عنهم قد عرفوا حقيقة ارض الخراج فی كتبهم يعرف ذلك من له ادنی معرفة بمذهب الائمة الحنفية كما مر تحقيق ذلك ثم بعد تعريفهم لحقيقة ارض الخراج قالوا لا يجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم ولم يقولوا بان الخراج الشرعی يجوز دفعه للحاكم الكافر ولا يجب معه العشر حاشاهم من ذلك ومن فهم ذالك من كتب الحنفية فقد افتری عليهم اشد الافتراء وغلط اشد الغلط وقد صرح العلامة الشامی وغيره من محققی الحنفية ان العشر مستحقه اهل الزكوٰة والخراج مصرفه اهل الفئی انتهی۔

فعلیٰ كل حال الزكوٰة والخراج ياخذهما الحاكم المسلم لا يصرفهما فی مصارفهما الشرعية فهذا صريح فی ان الخراج الشرعی لا يجوز دفعه الی الحاكم الكافر اذا كانت الارض خراجية بان اشتراها المسلم ممن كان عليه الخراج من اهل الذمة لان الحاكم الكافر ليس اهلاً بصرف الخراج الشرعی اليه۔

کا معرف الیہ بیان کرتے تو جس غلطی میں وہ پڑے ہیں، اس سے بچ رہتے، بلکہ انہوں نے ائمہ حنفیہ کے قول کہ مسلمان پر عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے کے اطلاق کو پکڑا، اور ائمہ حنفیہ اس اطلاق سے بری ہیں، کیونکہ انہوں نے تو خراجی زمین کی حقیقت کو اپنی کتابوں میں بیان کیا جس کو ائمہ حنفیہ کے مذہب سے ادنیٰ معرفت بھی ہو وہ بھی اس بات کو جانتا ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے، پھر انہوں نے خراجی زمین کی تعریف کر کے کہا ہے کہ مسلمان کی زمین میں خراج اور عشر جمع نہیں ہوتے، اور انہوں نے یہ نہیں کہا ہے کہ خراج شرعی حاکم کافر کو دینا جائز ہے، اور اس کے ساتھ عشر واجب نہیں، وہ اس بات سے بری ہیں اور جس نے حنفیوں کی کتابوں سے یہ سمجھا اس نے ان پر بہت بڑا افترا باندھا، اور بڑی غلطی کی، علامہ شامی وغیرہ نے جو محققین حنفیہ سے ہیں تصریح کی ہے، کہ عشر کے مستحق مصارف زکوٰۃ ہیں، اور خراج کے معرف فیئ والے ہیں انتہیٰ۔

بہر حال زکوٰۃ و خراج کو مسلمان حاکم وصول کرے، تاکہ ان کے مصارف شرعیہ میں خرچ کرے، یہ کلام صراحتہ دلالت کر رہی ہے، کہ خراج شرعی حاکم کافر کو دینا جائز نہیں جب زمین خراجی ہو بایں طور کہ مسلمان اس زمین کو خراجی ذمی سے خریدے اسلئے کہ حاکم کافر خراج شرعی دینے کا اہل نہیں ہے۔

وفی الدر المختار ومصرف الجزیۃ والخراج الامام انتہی۔

قال فی الشامی قید بالخراج لان العشر مصرفہ مصرف الزکوٰۃ کما مر انتہی۔

وفی الکنز مع شرحہ للعلامۃ العینی والجزیۃ والخراج وما اخذنا منہم ای من اھل الحرب بلا قتال بان اخذ بصلح یصرف فی مصالحنا ای فی مصالح المسلمین کسد الثغور والقناطر والجسور وکفایۃ القضاۃ والعلماء والمفتین والمقاتلۃ وذراریہم انتہی۔ المقصود

والمقصود من ایراد ذلک بان مذھب الائمۃ الحنفیۃ رضی اللہ عنہم ان الخراج یصرفہ الامام المسلم فی مصالح المسلمین فالذی یاخذہ الحاکم الکافر من المسلمین ویسمونہ خراجا لیس بخراج شرعی بل ھو خراج طاغوتی کمن شرب الخمر وسیمہا بغیر اسمہا واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہٗ شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمنی نزیل بھوپال۔

ھذا ھو الحق والحق اقول لاشک فی ان ان الخراج یجب فی الارض التی یمکن ان تزرع سواء زرعت ام لم تزرع اما العشر فلا یجب

اور درمختار میں ہے کہ جزیہ اور خراج کا مصرف امام ہے انتہی۔

شامی میں ہے کہ خراج کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ عشر کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف ہے جیسا کہ گذرا ہے، انتہی۔

اور کنز اور اس کی شرح علامہ عینی میں ہے کہ جزیہ اور خراج اور جو کچھ ہم نے اہل حرب سے بغیر لڑائی کئے بطریق صلح حاصل کیا، وہ ہم مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرنا چاہیئے۔ جیسے فتنوں کا بند کرنا اور پلوں کا بنانا اور جیسے نفقہ قاضیوں اور عالموں اور مفتیوں اور جہاد کرنے والوں اور ان کی اولاد کا، انتہی المقصود۔

اور اس کے لانے کا مقصود یہ ہے کہ آئمہ حنفیہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ خراج کو مسلمان امام مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرے، پس وہ مال جن کو حاکم کافر مسلمانوں سے لیتا ہے، اور اس کو خراج کہتے ہیں، وہ خراج شرعی نہیں بلکہ وہ طاغوتی خراج ہے، جیسے شراب پیوے اور اس کا نام شراب کے سوا کچھ اور رکھے، واللہ سبحانہ تعالیٰ وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم

المترجم عبدالودود عفی اللہ عنہ، عن والدیہ وعن جمیع المسلمین

یہ حق ہے اور میں بھی حق کہتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ خراج اس زمین میں واجب ہوتا ہے، جس میں زراعت ممکن ہو خواہ زراعت کی جائے،

الا فی الزرع والعشر حق الزرع و مستحقه اهل الزکوٰة والخراج حق الارض ومستحقه اهل الفئی فهما حقان لمستحقین بسببین مختلفین فاسقاط حق الفقراء واحد ارکان الاسلام وابقاء حق اهل الفئی خلاف الانصاف قال الله تعالیٰ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ ۚ فان هذه الاٰیة تدل علی ان العشر واجب فی کل ما یخرج من الارض للاطلاق وعدم تقییده بارض دون ارض وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر رواه البخاری نعموم الحدیث یدل علی الجمع بین الخراج والزکوٰة لانه عام فی الارض الخراجیة وغیرها۔

وعن عمرو بن میمون قال سالت عمر بن عبد العزیز عن المسلم تکون فی یده ارض الخراج فیسال الزکوٰة فیقول انما علی الخراج فقال الخراج علی الارض والعشور علی الحب

یا نہ اور عشر زراعت ہی میں واجب ہے، تو عشر حق زراعت کا ہے، اور اس کے حقدار زکوٰۃ والے ہیں اور خراج حق زمین کا ہے، اور اس کے حقدار فئی والے ہیں، پس عشر اور خراج دو مختلف وجہوں سے دو حقداروں کے علیحدہ علیحدہ دو حق ہیں تو فقراؤں کے حق اور ارکان اسلام کے ایک رکن کو ساقط کرنا اور اہل فئی کے حق کو باقی رکھنا انصاف کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اے ایمان والو تم اپنی پاکیزہ کمائیوں اور اس سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

پس یہ آیت بوجہ اطلاق اور عدم خصوصیت کسی زمین کے جو کچھ کسی زمین میں سے نکلے اس میں عشر کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس زمین کو مینہ یا چشموں یا ندی نالوں کا پانی لگے، اس میں عشر ہے، اور جس کو چھٹے سے پانی دیا جائے، اس میں نصف عشر ہے، تو عموم حدیث خراج اور زکوٰۃ کی جمعیت پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ حدیث عام ہے، خواہ زمین خراجی ہو یا غیر خراجی، بیہقی نے عمرو بن میمون سے روایت کی ہے کہ میں نے عمر بن عبد العزیز سے پوچھا کہ ایک مسلمان کے پاس خراجی زمین ہے، جب اس سے عشر مانگا جاتا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرے ذمہ صرف خراج ہی ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ خراج زمین

وعن یونس قال سألت الزهری عن الزکوٰة الارض التی علیها الجزیة فقال لم یزال المسلمون علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وبعده یعاملون علی الارض ویستکرونها ویؤدون الزکوٰة مما خرج منها فنری هذه الارض علی نحو ذلك اخرجهما البیهقی والحدیث المرفوع لا یجتمع العشر والخراج موضوع باطل قال شیخ الاسلام ابن تیمیة کذب باتفاق اهل الحدیث ۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما

پڑھتا ہے اور عشر والوں پر اور یونسؒ سے روایت ہے کہ میں زہری سے جزیہ والی زمین کے عشر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی ہمیشہ مسلمان کھیتی کرتے رہے، اور زمین کو کرایہ پرلے کر جو کچھ اس میں سے نکلتا، اس کا عشر ادا کرتے تو اس زمین کو بھی ہم ویسے ہی سمجھتے ہیں۔ (یعنی اس کی پیداوار زمین سے بھی خراج دینا چاہیئے۔ ان دونوں کو بیہقی نے نکالا ہے، اور (یہ) مرفوع حدیث کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے بناوٹی اور بے اصل ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رہ نے کہا کہ تمام اہل حدیث اس پر متفق ہیں کہ (یہ حدیث) جھوٹی ہے۔

مترجم عبدالودود عفی عنہ لدھیانوی

فتاوی غزنویہ صنہ ۱۲۰

عشر کے احکام

از حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مبارکپوری

سوال: عشر کے متعلق آپ قرآن وحدیث سے تحریر فرماویں، گاؤں والے پریشان ہیں کوئی ایسا نہیں جو حل کر سکے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری یہاں آئے تھے، تو موصوف کے دریافت کرنے پر بیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنے کے لئے فرمایا تھا، اب ہم میں سے بعض لوگ کہتے ہیں، کہ دسواں دیا جائے؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سونے چاندی اور مویشی کا نصاب مقرر فرمایا ہے، اور ہر ایک میں بطور زکوٰۃ کے جتنا اور جیسا نکالنا جائز ہے، اس کی بھی تعیین وتصریح فرمادی ہے،

اور اس کو ہمارے اختیار میں نہیں دیا کہ جتنا اور جیسا چاہیں نکالیں یا اپنی مرضی سے اس میں کمی و بیشی کریں، اسی طرح زمین کی پیداوار سے شرعی حق نکالنے کے لئے بھی نصاب بتلا دیا ہے، کہ جب تک کسی کے ہاں اتنی مقدار میں غلہ کی پیداوار نہ ہو تو نکالنا واجب نہ ہوگا ساتھ یہ بھی بتلا دیا ہے، کہ جب اتنا پیدا ہو تو کتنا نکالنا لازم ہوگا، اور جتنا نکالنا لازم اور فرض ہے، اتنا ہی نکالنا ہوگا، کمی و بیشی کا ہمیں حق نہیں ہے، شریعت نے زمین کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، بارانی اور چاہی، اگر پیداوار بارش کے پانی سے ہو تو اس میں سے عشر دسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا، اور اگر کنویں کے ذریعہ آب پاشی سے پیداوار ہو تو اس میں سے نصف عشر بیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کیا جاوے گا، اس کے علاوہ شریعت نے اینچ گوڑنا، جوتنا، نرانا۔ آب پاشی کاٹنا اور ماش کرنا وغیرہ کا اعتبار عشر یا نصف عشر مقرر کرنے میں نہیں کیا اگر پانی کے علاوہ اور چیزوں کا اعتبار ہوتا تو فرما دیا جاتا، اسلامی حکومت میں جو زمین خراجی ہوتی ہے، اس کو اگر کوئی مسلمان خرید لے یا وہ کافر مسلمان ہو جائے، تو اس کو مقررہ خراج کے علاوہ بارانی میں عشر اور چاہی میں نصف عشر ادا کرنا واجب ہے، پیداوار میں سے خراج وضع کرنے کے بعد عشر یا نصف عشر نکالنے کی اجازت نہیں ہوتی، اور نہ ہی خراج دینے کی وجہ سے دسویں یا بیسویں کی بجائے تیسواں یا چالیسواں نکالنے کی اجازت ہے، ٹھیک اسی طرح غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کاشتکاروں سے جو پوت مال گزاری لگان لیا جاتا ہے، اس کا اثر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عشر یا نصف پر نہیں پڑے گا، یعنی نہ تو کل پیداوار سے لگان مال گزاری اور پوت وضع کرنے کے بعد عشر یا نصف عشر نکالنے کی اجازت ہوگی اور نہ مال گزاری اور لگان کی وجہ سے بارانی زمین کی پیداوار سے دسواں کی بجائے، بیسواں اور چاہی سے بیسواں کی بجائے تیسواں اور چالیسواں نکالنا جائز ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا تھا، کہ مسلمانوں پر کبھی غیر مسلم حکمران ہوں گے، اور ان پر طرح طرح کے ٹیکس لگائیں گے پھر کیوں نہ اپنے نبی کے ذریعہ ہم کو یہ بتا دیا کہ پانی کے علاوہ ایسے ٹیکسوں کا بھی لحاظ و اعتبار کرنا ہوگا وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ (مریم) ۔ آنحضرت نے اس کمی پانی پٹا کر غلہ پیدا کرتے کے مصارف ہر جگہ یکساں نہیں ہیں کہیں کم ہیں کہیں زیادہ۔ بیشی کا کچھ اعتبار نہیں کیا کیونکہ ان کا انضباط مشکل تھا، اس لئے مطلقاً ہر حالت میں قاعدہ کلیہ طور بیسواں مقرر اور لازم کر دیا۔ جس میں اب ہم کو کمی و بیشی کرنے کا حق نہیں۔ اور بارانی زمین کی پیداوار سے ہر حال میں دسواں ہی نکالنا ہوگا، حضرت مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری نے اپنے مطبوعہ رسالہ میں، اور ان کے شاگرد رشید اور میرے استاد و شیخ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری

بھی اپنے تامی غیر مطبوعہ رسالہ میں یہی تحریر فرمایا ہے، اور یہی حق ہے۔

(ترجمان دہلی جلد ۶ شمارہ ۷)

سوال:۔ زمین خراجی میں عشر ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنا اور کن کن جنسوں میں!

سائل حاجی نعمت اللہ بستوی والد مرحوم مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری

جواب:۔ خراجی زمین وہ ہوتی ہے، اور خراج اسے کہتے ہیں، جو مسلمان بادشاہ اپنی کافر رعایا سے لے لہٰذا ہندوستان میں کوئی زمین خراجی نہیں جن زمینوں پر سرکاری ٹیکس ہے، ان کی پیداوار پر عشر و نصف عشر فرض ہے۔ جملہ اقسام کے اناج پر عشر واجب ہے، واللہ اعلم **محمد مدرس** محمدیہ مدرسہ اجمیری دروازہ دہلی۔

شرفیہ:۔ سوال گنے میں عشر ہے یا نہیں۔ الخ اس سوال کے اجوبہ بہت دور تک چلے گئے ہیں، دس ۱۰ تک اہلحدیث واحناف دونوں کے جواب مذکور ہیں، مولانا کا بھی ہے حتیٰ کہ میرا بھی نقل ہے۔

اجوبہ میں کچھ حصص صحیح بھی ہیں کچھ غلط، تحقیق کا اکثر حصہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اب پھر لکھا جاتا ہے کہ بحکم اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ الآیۃ پ ۳ ع ۴۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ الآیۃ پ ۸ ع ۴ وعن جابر رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت الانهار والغیوم العشور وفیما سقی بالسوانیۃ نصف العشور رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداود وقال الانهار والعیون وعن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا فیما سقی بالنضح نصف العشر رواہ الجماعۃ الا مسلما لکن لفظ النسائی وابوداؤد وابن ماجہ بعلا بدل عثریا انتہی نیل الاوطار صہ ۱۱۹/۴ کتاب وسنت صحیحہ کے یہ ادلہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر یا نصف عشر کے وجوب پر بین دلیل ہیں، تاوقتیکہ کسی صحیح دلیل کی شے کا استثناء ثابت نہ ہو اور اب تک ثبوت کی صحیح دلیل نہیں ثابت ہوئی، خضروات کے ادلہ سب کے سب معلولۃ ہیں، ایک بھی صحیح نہیں، نہ مرفوع نہ موقوف کما فی نیل الاوطار والتلخیص وغیرهما وقال الترمذی لیس فی ھذا الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شئی الخ وما یقال انہ فیہ حدیث ما اخرجہ الحاکم والبیہقی والطبرانی عن ابی موسیٰ ومعاذ حین بعثنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن یعلمان الناس امر دینہم فقال لا تاخذ الصدقۃ الا من ھذہ الاربعۃ الشعیر والحنطۃ والزبیب والتمر قال البیہقی رواتہ ثقات وھو متصل انتہی کذا فی النیل صہ ۱۲۱ جہ ۴ وقال فی نصب الرایۃ واما احادیث انما تجب الزکوٰۃ فی خمسۃ فکلہا معلولۃ وفی متنہا اضطراب ثم ذکر حدیث ابن ماجۃ والدارقطنی وذکر فیہا من العلۃ

ثم قال ومنہا ما اخرجہ الحاکم فی المستدرک وصحح اسنادہ عن طلحۃ بن یحییٰ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ ومعاذ بن جبل حین بعثہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن یعلمان الناس امر دینہم لا تاخذا الصدقۃ الا من ہذہ الاربعۃ الشعیر والحنطۃ والزبیب والتمر رواہ البیہقی بلفظ انہما حین بعثا الی الیمن لم یاخذا الصدقۃ الا من ہذہ الاربعۃ قال الشیخ فی الامام وہذا غیر صریح فی الرفع انتہی ص ۳۸۹ ج ۱ وطلحۃ بن یحییٰ اثنان احدہما ابن یحییٰ بن طلحۃ بن عبید اللہ صدوق یخطئ الثانی ابن النعمان صدوق یہم کذا فی التقریب التہذیب۔

پس ثابت ہوا کہ اول تو یہ حدیث باعتبار سند کے صحیح نہیں کہ طلحہ مذکور خطا کار واہم ہے، دوم یہ کہ اس روایت کا مرفوع ہونا بھی صراحتہً ثابت نہیں اس میں ہے کہ معاذ اور ابو موسیٰ کا اپنا فعل ہے، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، ہو سکتا ہے کہ ان کا اجتہاد ہو یا اس وقت انہیں چیزوں کی فصل تھی، یہی چیزیں اس وقت موجود تھیں، اور انہوں نے یہی اشیاء وصول کیں، تو اس سے مسئلہ بحوثہ ثابت نہ ہوا لہٰذا ادلہ مذکورہ کی ایسے امور سے تخصیص نہیں ہو سکتی، اور حدیث قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ اوسق من تمر ولا حب صدقۃ رواہ احمد ومسلم والنسائی ومسلم فی روایۃ من ثمر بالثاء ذات النقط الثلاث نیل الاوطار ص ۱۲۰ جلد ۴ لفظ حب سے ثابت ہے کہ ہر قسم کے غلہ میں زکوٰۃ صدقہ ہے، یعنی عشر یا نصف عشر ہے، اور ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر قسم کے پھل آم وانار، سیب سنگترہ امرود وغیرہ میں بھی عشر یا نصف عشر ہے، پس ثابت ہوا کہ ادلہ صحیحہ سے ہر پیداوار میں عشر یا نصف ہے، ملا خضروات کے ادلہ سے کوئی بھی صحیح نہیں، اور قرآن و حدیث صحیحہ مذکورہ کے خلاف بھی ہیں، لہٰذا ان پر عمل باطل اور بفرض صحت بھی تسلیم کیا جائے، تو خضروات سے مراد ساگ پات کدو وغیرہ جو اپنے کھانے کے لئے ایک دو کیاری بوئی جائے، یہ مراد ہے، یہ نہیں کہ کھیتوں کے کھیت کئی کئی جگہ ایکڑ یا مربع جس سے ہزار ہا روپیہ کی پیداوار ہو وہ مراد ہرگز نہیں، یہ نقل عقل دونوں کے خلاف ہے، اور گوبھی، گاجر، مولی، شلجم، چقندر، آلو، شکر قندی وغیرہ تربوز، خربوزہ سے ہزار ہا روپیہ حاصل ہوتا ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۸۵

سوال:۔ خراجی زمین جو آسمانی پانی سے پیدا ہو اور جو نہر یا تالاب وآسمانی پانی سے مل کر پیدا ہو تو عشر ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے، جو چیز بھی زمین سے پیدا ہوئی ہو اس میں سے زکوٰۃ دینی چاہیے عشر اور نصف عشر کا حساب الگ ہے، ہندوستان میں بارانی زمینوں پر بھی سرکاری لگان ہے، جو واجب الادا ہے، اس لئے بارانی زمینوں کی پیداوار سے نصف عشر ادا کر دے تو جائز ہے عشر دیا

کرے، تو بہت ہی اچھا ہے،

(اہلحدیث جلد ۴۰ نمبر ۳۲)

شئ فیہ :۔ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں بھی زمین کا محصول یا معاملہ تھا اور اس محصول کے باعث پیداوار پر نصف عشر ثابت نہیں۔ یہ تقسیم عشر یا نصف عشر کی زمین چاہی یا نفع پر ہے محصول پر نہیں عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اہل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع وزارع علی وسعد بن مالک وعبد اللہ بن مسعود وعمر بن عبد العزیز والقاسم وعروۃ وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی وابن سیرین وقال عبد الرحمن بن الاسود کنت اشارک عبد الرحمن ابن یزید فی الزرع وعامل عمرؓ الناس علی ان جاء عمرؓ بالبذر من عندہ فلہ الشطر وان جاءوا بالبذر فلھم کذا رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۱۵۷ تا ص ۱۵۸

یہ ثلث ربع وغیرہ کی تقسیم مالک زمین کا محصول ہی تو تھا جو آج کل کے محصول سے زائد تھا اور اس پر نصف عشر ثابت نہیں رہا بارانی اور نہری زمین تو اس کے بارہ میں بھی تصریح موجود ہے عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء والانہار والعیون اوکان بعلا العشر وفیما سقی بالسوانی او النضح نصف العشر اخرجہ ابو داؤد اخرجہ ابو داود عن جابر بسند آخر ص ۲۳۲ جلد ۱

پس ثابت ہوا کہ بارانی اور نہری اور عیونی زمین میں عشر سے نصف عشر جائز نہیں اور محصول کا بھی نصف عشر میں اعتبار نہیں۔ یہ غلط فہمی سے کتاب وسنت پر زیادتی ہے جو جائز نہیں۔ ۱۲ منہ المجتھد قد یخطی ویصیب۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

جناب نے پرچہ مورخہ ۷ ۲ جمادی الثانی میں بجواب استفسار یہ ارقام فرمایا ہے آج کل سرکار انگریزی کے ماتحت ہم لوگ رہتے ہیں ہماری سب زمینیں خراجی ہیں سرکار کی طرف سے مالگذاری جو مقرر ہے دینی ضروری ہے اس لئے یہ سوال عام طور پر ہوتا ہے کہ آج کل کی زمینوں میں مسلمانوں پر عشر ہے یا کیا ہے۔ میری ناقص تحقیق اس میں یہ ہے۔ کہ ایسی اراضی پر ربع عشر ہے یعنی چالیسواں حصہ واجب ہے کیونکہ حدیث شریف میں آبپاشی کے اخراجات پر لحاظ کر کے عشر سے نصف عشر آیا ہے تو سرکاری مالگذاری نہ دے تو جوت بھی نہیں سکتا اس سے معلوم ہے کہ سرکاری مالگذاری کو اخراجات آبپاشی سے زیادہ دخل ہے۔ پس جب اس کا لحاظ ہے۔ تو تو اس کا کیوں نہیں ہوگا

جناب من ایسا کیوں نہیں کیا جاوے کہ زمیندار اس امر کا لحاظ کرے کہ سرکار انگریزی

کو مالگذاری ادا کرے اس امر کا خیال کرے کہ سرکار نے جس قدر کہ مالگذاری مجھ سے لی ہے آیا وہ مالگذاری زمین بارانی کی پیداوار کے عشر کے برابر ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اگر عشر کے برابر ہو جاتی ہے تو اب عشر کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر عشر سے کم مقرر کر دیا ہے تو بعد ادائے مالگذاری اتنا حصہ نکال دیوے کہ عشر پورا ہو جاوے۔ فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۳

نہری زمین پر عشر ہے یا نصف عشر

حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ

آج ایک چھوٹا سا رسالہ، مسئلہ عشر کی تحقیق، نظر سے گزرا تحریر میں شوخی اور گستاخی کا رنگ غالب ہے اور زبان بھی ایسی استعمال کی گئی ہے جو ایک عالم دین کے شایان شان نہیں۔ انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مرتب نہ صرف شوخ اور گستاخ ہے بلکہ علوم دینیہ سے بھی واقف نہیں اس رسالہ میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ حدیث میں ہے۔ فیما سقت السماء والانھار والعیون او کان بعلا العشر و فیما سقی بالسوانی او النضح نصف العشر۔ (ابوداود جلد)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو زمین بارش اور نہروں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو یا نمناک زمین ہو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ ہے اور جو مویشیوں کے ذریعے کنوؤں سے پانی نکال کر سیراب کی جائے اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ ہے

مولوی صاحب موصوف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس میں نہری زمین میں عشر ہے، لہذا موجودہ نہری زمین کی پیداوار میں بھی عشر ہے۔ لیکن مولوی صاحب موصوف کا استدلال مسئلہ حدیث کی منشاء کے خلاف ہے۔

حدیث میں اس زمین پر عشر مقرر کیا گیا ہے جس کو سیراب کرنے میں انسان کسی مؤنت و مشقت کا محتاج نہیں ہوتا اور جس زمین میں نصف عشر بیان کیا گیا ہے اس سے وہ زمین مراد ہے جس کو سیراب کرنے میں انسان کو مؤنت و مشقت برداشت کرنا پڑتی ہو مرعات شرح مشکوٰۃ میں ہے

والعیون ای الانھار الجاریۃ التی یستقی منھا بساحۃ الماء من دون اغتراف بآلۃ والمراد ما لا یحتاج فی سقیہ الی مؤنۃ

یعنی چشموں سے وہ جاری نہریں مراد ہیں کہ ان نہروں سے پانی بہنے سے زمین سیراب ہوتی ہے بسوائے کسی آلہ کے اس سے زمین سیراب کی جائے اور اس سے مراد وہ زمین ہے۔ کہ اس کو سیراب کرنے میں مؤنت و مشقت برداشت نہ کرنا پڑے۔

موجودہ نہریں ان نہروں کی طرح نہیں ہیں جن کا ذکر حدیث میں ہے۔ جہاں تک نہریں کھودنے اور زمین تک پانی لانے کا تعلق ہے۔ موجودہ نہریں ان نہروں کی طرح ہو سکتی ہیں۔ جن کا ذکر حدیث میں ہے۔ مگر اس لحاظ سے ضرور فرق ہے کہ حدیث میں جن چشموں اور نہروں کا بیان ہے ان کے پانی کی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی مگر موجودہ نہروں سے پانی لینے کے لئے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جو یقیناً ایک مشقت اور مؤنت ہے اس لئے موجودہ نہروں سے سیراب شدہ زمین کی پیداوار میں عشر نہیں، بلکہ نصف عشر ہے۔

مؤنت اور عدم مؤنت کے اصول کو حدیث میں بیان کر دیا ہے مگر مولوی صاحب اس اصول سے بے خبر اور نا آشنا ہیں۔ اور انہوں نے اسی بے خبری کی وجہ سے چند بے ربط سوالات لکھ کر ان کے جوابات کا مطالبہ بھی کیا ہے چنانچہ ایک سوال یہ بھی ہے۔ کہ

اگر مالیہ اور آبیانہ کی وجہ سے نہری میں بیسواں حصہ یعنی نصف عشر ہے تو پھر چاہی میں بیسویں سے کم ہونا چاہیئے کیونکہ اگرچہ اس میں آبیانہ نہیں، لیکن سرکاری مالیہ تو ضرور ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا مالیہ کا خرچ نکال کر باقی سے بیسواں حصہ دینا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مالیہ کا خرچ بھی نہیں پڑتا تھا۔ حالانکہ ان قیاس کرنے والوں میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں "

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خرچ وغیرہ نکال کر باقی سے عشر لینا کوئی مسئلہ نہیں۔ حالانکہ جس کتاب مرعات کا حوالہ دیا گیا ہے اسی میں ہے کہ "عمر بن عبد العزیز نے عبد اللہ بن ابی عوف عامل فلسطین کی طرف لکھا ہے جو زمین قبضہ میں ہے ان میں جزیہ لیں باقی پیداوار میں سے عشر لیا جائے دیکھئے خرچ وغیرہ نکال کر باقی میں سے عشر لینے کا مسئلہ واضح طور پر موجود ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف رسالہ نے مرعات کا مطالعہ نہیں کیا، ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اشاعت سے پہلے اپنی تحریر اپنے اساتذہ کو دکھا لیا کریں تاکہ غلطی کا شاہکار نہ ہوں

اس مسئلہ پر مفتی زماں حضرت العلام مولانا حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتوی شائع کیا جاتا ہے۔ تاکہ عوام الناس کے سامنے مسئلہ کی اصل صورت واضح ہو جائے اور کوئی شخص اس رسالہ کو پڑھ کر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو (حافظ عبد القادر روپڑی)

بخدمت شریف جناب مولانا حافظ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت فیما بین نیک مطلوب ! کے بعد واضح ہو کہ آپ نے تنظیم اہلحدیث جلد اول نمبر ۱۵ مورخہ ۲ رجمادی الاول ۱۳۵۱ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۳۲ء میں نہری زمین میں زکوٰۃ نصف عشر لکھی ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے۔ وما سقی بالانہار ففیہ العشر یعنی جو کھیتی نہروں کے پانی سے کیجائے اُس میں عشر ہے۔

اور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کا ایک فتویٰ بھی بندہ کے پاس ہے، اس میں انہوں نے بھی عشر ہی لکھا ہے، بعینہٖ نقل ہے۔

سوال: جو زمینیں نہروں سے سیراب ہوتی ہیں۔ اور سرکار پانی کا محصول لیتی ہے، آیا ان زمینوں میں عشر ہے یا نصف عشر؟

جواب: ان زمینوں میں عشر واجب ہے، صحیح بخاری میں ہے:۔ عن عبداللہ ابن عمر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ جس کھیتی کو بارش یا چشمے پانی پلائیں، یا وہ اپنی جڑوں کے ساتھ زمین سے پانی پیئے، اس میں عشر ہے، اور جو اونٹوں وغیرہ سے پلائی جائے، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے، کہ شریعت اسلامیہ میں پیداوار اراضی کے باب میں دو ہی صورتیں رکھی گئی ہیں، ۱۔ عشر ۲۔ نصف عشر، عشر تو جب کہ وہ اراضی بارش کے پانی سے یا چشموں کے پانی سے سیراب کی گئی ہو، یا وہ اراضی عثری ہو۔ نصف عشر جب کہ وہ اراضی بیل وغیرہ کے ذریعے پانی کھینچ کر سیراب کی گئی ہو، اور یہ معلوم ہے کہ چشموں کے پانی سے سیراب کرنے کی یہی صورت ہے کہ ان چشموں سے جداول کھود کر اراضی مذکورہ کی طرف لے آویں، تاکہ ان کے ذریعے سے چشموں کا پانی اراضی مذکورہ میں پہنچ کر اسے سیراب کرے، اور جداول اگر خود کھودیں، بلکہ مزدوروں سے کھدوائیں تو اس صورت میں کھدوائی ضرور دینی پڑے گی۔

مگر شارع نے اس صورت میں بھی عشر ہی واجب فرمایا ہے، تو اس سے ظاہر ہوا کہ جب اراضی چشموں کے پانی سے سیراب کی جائے تو اگرچہ اس میں کچھ خرچ بھی کرنا پڑے، تب بھی عشر ہی واجب ہوتا ہے، اور جو زمینیں کہ نہروں سے سیراب ہوتی ہیں، اور سرکار پانی کا محصول لیتی ہیں، وہ محصول جداول کی کھدائی سے زیادہ نہیں، لہٰذا ان زمینوں میں جو نہروں سے سیراب ہوتی ہیں اور

سرکار پانی کا محصول لیتی ہے عشر واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ، محمد عبداللہ غازی پوری ۲۲ شوال ۱۳۲۵ھ

سوال: یہ ہے کہ آپ کا فتویٰ صحیح ہے۔ یا حافظ صاحب کا (غازی پوری) ؟ اور جواب آپ اخبار تنظیم اہلحدیث میں چھاپ دیں۔ عبداللہ غفرلہ کھپانوالہ تحصیل مکتسر (فیروز پور)

جواب: حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے چشموں سے کھیتوں کو سیراب کرنے کی صورت بتلائی ہے کہ جداول نالیاں، نالے کھود یا کھدوا کر پانی پہنچایا جاتا ہے، یہ بالکل درست ہے، بلکہ کنوؤں سے اونٹوں وغیرہ کے ذریعے جو پانی نکالا جاتا ہے، اس کے لئے بھی جداول کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن حافظ صاحب نے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ مروجہ نہریں اس طرح نہیں کیونکہ یہ دوسرے کے قبضے میں ہیں، اور اس سے پانی لینے کے لئے ہمیں پیسے دینے پڑتے ہیں، جیسے کنویں سے پانی نکالنے کے لئے محنت ہوتی ہے، پھر ان سے جداول کے ذریعے کھیتوں کو پانی دیا جاتا ہے، ہاں اگر یہ نہریں اہل اراضی کھودتے یا کھدواتے یا سرکار صرف کھدوائی لے کر پانی مفت چھوڑتی تو اس صورت میں یہ پانی بارش یا چشموں کے حکم میں ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں یہ صورت نہیں کیونکہ سرکار تجارت کرتی ہے، اور ہر سال پانی کی قیمت لے کر ہمیں پانی دیتی ہے، کھدوائی کا محنتانہ سالہا سال سے پورا ہو چکا ہے۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے، کہ یہ کھدوائی چشموں کے جداول کی طرح ہے، بلکہ جیسے گھڑے میں کوئی پانی محفوظ کر کے اور اس کو قیمتاً فروخت کرے، اسی طرح سرکار کرتی ہے۔

غرض ان نہروں کے پانی پر محنتانہ پڑتا ہے، جیسے کنوؤں وغیرہ کے پانی پر محنتانہ پڑتا ہے، صرف مہنگ سستت کا فرق ہے۔ سو اس فرق سے یہ قدرتی نہروں چشموں کے حکم میں نہیں ہو سکتیں، جیسے کنوؤں میں بڑا فرق ہوتا ہے، کسی کا پانی بہت دور ہوتا ہے، کسی کا نزدیک اور جھلار میں اس سے بھی زیادہ نزدیک ہوتا ہے، مگر چونکہ محنت سے نکلتا ہے، اس لئے اس پانی کی کھیتی میں بیسواں حصہ ہے، اسی طرح ان نہروں کو سمجھ لینا چاہیئے، کیونکہ دارومدار محنتانہ پر ہے۔ محنتانہ کے فرق پر نہیں۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۲۱۵ میں ہے:

المراد من الكل ما كان سقيه بنصب وعناء نصف العشر وهذا الحديث دل على التفرقة بينما سقى بالسوانى وبين ما سقى بماء السماء والامطار بحكمة واضحة وهو زيادة التعب والعناء۔

ترجمہ: یعنی حدیث میں اونٹ وغیرہ کے ساتھ پانی پلانے سے یہ مراد ہے کہ جس کھیتی کا پانی محنت ومشقت سے حاصل ہو، اس میں نصف عشر ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا جو کھیتی اونٹ وغیرہ کے ذریعے سیراب کی جائے اور جو بارش اور نہروں سے پرورش پائے۔ ان دونوں میں فرق ہے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے، اور وہ زیادہ محنت و زیادہ مشقت ہے۔ نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۳۷ میں :- فیما سقت السماء والی حدیث پر لکھا ہے :- المراد بذالک المطر والثلج والبرد والطل والمراد بالعیون الانہار الجاریۃ التی یستقی منہا من دون اغتراف بآلۃ بل تساح اساحۃ قولہ اوکان عثریا قال الخطابی ھو الذی یشرب بعروقہ من غیر سقی زاد ابن قدامۃ عن القاضی ابی یعلی قال ھو المستنقع فی برکۃ ونحوھا یصب الیہ ماء المطر فی سواق تسقی الیہ قال فمثلہ الذی یشرب من الانہار بغیر مؤنۃ او یشرب بعروقہ کان یغرس فی الارض یکون الماء قریبا من وجہہا تتصل الیہ عروق الشجر فیستغنی عن السقی انتہی۔

ترجمہ:- یعنی آسمان کے پانی سے مراد بارش، برف، اولے اور ہلکی پھوار مراد ہے۔ اور چشموں سے مراد وہ نہریں ہیں، جن سے کسی آلہ کے ساتھ پانی نکال کر نہیں پلایا جاتا ہے، بلکہ ویسے ہی بہتی ہیں۔ حدیث میں عثریا کے معنی کی بابت خطابیؒ کہتے ہیں کہ جو اپنی جڑوں کے ساتھ زمین کی نہر سے پانی پی لے۔

۲: اور ابو یعلی سے ابن خزیمہ نے زیادہ کیا ہے، کہ عثری وہ جو نیچی جگہ میں ہو، جہاں نالیوں کے ذریعے بارش کا پانی خود ہی بہہ کر آجائے۔ نیز کہا ہے، عثری کا اصل عاثور ہے، اور عاثور کے اصل معنی ٹھوکر والے کے ہیں، اور نالی بستان کے لئے ٹھوکر کا باعث ہے، اس لئے اس کا نام عاثور رکھ دیا۔ نیز کہا ہے کہ:-

یہی حکم اس کھیت یا درخت کا ہے جو بغیر مشقت کے نہروں سے پانی پیئے یا اپنی جڑوں کے ساتھ زمین سے پیئے۔ مثلاً ایسی زمین میں درخت لگائے کہ اس کا پانی بالکل نزدیک ہے۔ نیچے سے اس کی جڑوں کو پہنچتا ہے، اور پانی پلانے کا محتاج نہیں رہتا۔

ان عبارتوں سے واضح ہوگیا کہ فرق صرف محنت اور مشقت کا ہے، اور محنت و مشقت سے مراد کھدوائی کے علاوہ ہے، جیسے نہر سے جھلار کے ذریعے پانی نکالنے یا کنویں سے رہٹ کے ذریعے یا چرس کے ذریعے یا قیمت ادا کر کے پانی لے۔ یہ ساری صورتیں محنت و مشقت کی ہیں، پس انگریزی نہریں بھی اس میں داخل ہوں گی اور ان کی کھیتی سے بیسواں حصہ لیا جائے گا، نہ کہ دسواں۔

حسن اتفاق :- سائل بھی عبداللہ، مجیب بھی عبداللہ اور مقابلہ بھی عبداللہ کا عبداللہ سے۔ بلکہ حافظ عبداللہ کا

حافظ عبداللہ سے ہے۔ ایسے اتفاق سے خالی نہیں اور بعض دفعہ یہ حسن اتفاق باعث عبرت بھی ہوتا ہے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام سرف میں ہوا۔ جو مکہ معظمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ مکلاوہ بھی وہیں آیا۔ وفات بھی وہیں پائی۔

حالانکہ نہ سرکار دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرف کے رہنے والے اور نہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ دونوں کا اصل مکہ مکرمہ اور جائے رہائش آخر میں مدینہ منورہ۔ لیکن تینوں اہم واقعات (شادی، مکلاوہ اور وفات) سرف میں وقوع پذیر ہوئے۔ کیا یہ انسان کے لئے درس عبرت نہیں ہے۔ (عبداللہ امرتسری)

(تنظیم اہلحدیث لاہور ۱۷ اپریل ۱۹۷۰ء شمارہ ۱۶، جلد ۲۳)

سوال: - کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ عشر ہر ایک جنس میں ہے یا خاص گندم میں ہی ہے؟ مثلاً چنے، باجرہ، جوار، مکی، مونجی، کنگنی، چینا، موٹھ، مہہ، توریا، کپاس، کماد یہ ہر ایک جنس اپنے نصاب کو پہنچ جاوے تو عشر ہے یا نہیں۔ جواب دے کر ثواب لیویں۔

جواب: - عن ابی موسی الاشعری ومعاذ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہما لاتاخذا الصدقۃ الامن هذه الاصناف الاربعۃ الشعیر والحنطۃ والزبیب والتمر رواه الطبرانی والحاکم (بلوغ المرام)

ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو کہا جو، گیہوں، داکھ (خشک انگور)، کھجور کے سوا کسی اور شے سے زکوٰۃ نہ لو۔

اس حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے، کہ سب جنسوں میں عشر نہیں، بلکہ صرف ان چار میں ہے۔ صاحب سبل السلام کا بھی یہی خیال ہے، مگر یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ ابن ماجہ میں ذرہ کا بھی ذکر ہے، جس کے معنی مکی اور جوار کے ہیں۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، جیسے سبل السلام میں حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے، لیکن اس کے بعد سبل السلام میں کہا ہے، - وفی الباب مراسیل فیها ذکر الذرة قال البیهقی انه یقوی بعضها بعضا۔

یعنی اس بارے میں کئی مرسل روایتیں ہیں جن میں ذرہ کا ذکر ہے، بیہقی کہتے ہیں، یہ ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔

صاحب سبل السلام بیہقیؒ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ روایتیں آپس میں ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں، لیکن جس میں چار اشیاء کا ذکر ہے، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر صاحب سبل السلام کا یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں، کیونکہ ذرہ والی روایتوں کے علاوہ بھی کئی روایتیں آئی ہیں جن سے ثابت

بیتی ہے کہ چار اشیاء میں حصر نہیں بلوغ المرام میں ہے، وللدار قطنی عن معاذ قال فاما القثاء والبطیخ والرمان والقصب فقد عفا عنہ رسول اللہ صلعم واسناد ضعیف

معاذؓ فرماتے ہیں، ککڑی، تربوز، انار، گنا کا عشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا ہے، اور اسناد اس کی ضعیف ہیں۔

ایک حدیث میں ہے لیس فی الخضروات صدقۃ یعنی سبزیوں میں عشر نہیں، اس حدیث کو دار قطنی حاکم اثرم، ترمذی، ابن عدی نے مختلف

سندوں سے روایت کیا ہے، امام شوکانی درراری المضیہ میں اور نواب صدیق حسن صاحب روضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں۔

وفی طرق حدیث الخضروات مقال لکنہ روی من طرق کثیرۃ یشد بعضہا البعض فینتہض بہ للاحتیاج (ج ۱ ص ۱۱۹) یعنی سبزیوں کی

حدیث میں اگرچہ گفتگو ہے لیکن انکی سندیں بہت ہیں، سب ملکر استدلال کے لائق ہو جاتی ہیں۔ سبل السلام میں ہے۔

وقد ثبت عن علی وعمر موقوفا ولہ حکم الرفع یعنی سبزیوں کی حدیث حضرت علیؓ اور حضرت

عمرؓ سے موقوف (ان کا قول) روایت کی گئی ہے، لیکن حکم اس کا مرفوع (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشاد) کا ہے، (کیونکہ اس میں قیاس اجتہاد کو دخل نہیں۔)

معاذؓ کا کہنا کہ ککڑی، تربوز، انار، گنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشر معاف کر دیا ہے

اور سبزیوں کی حدیث اور ابن ماجہ کی حدیث جس میں مکی اور جوار کا ذکر ہے، ان سب سے یہی

ثابت ہوتا ہے، کہ معاذؓ اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث میں عشر کو چار میں بند کر دینے سے مقصود

سبزیوں کی نفی ہے، جن کا نہ پیمانہ ہوتا ہے، نہ ذخیرہ چونکہ یمن میں سبزیوں کے علاوہ زیادہ

تر یہ چار ہی تھیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت انہی چار میں حصر کر دیا ہو، تو

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انکے علاوہ کسی اور جنس میں عشر نہیں، دیکھئے ابوداؤد میں ابیض بن حمال کی حدیث ہے۔

انہ کلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصدقۃ حین وفد علیہ فقال یا اخا سبا لا بد من

صدقۃ فقال انما زرعنا القطن یا رسول اللہ وقد تبددت سبا ولم یبق منہم الا قلیل بمارب فصالح نبی اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم علی سبعین حلۃ من قیمۃ وفاء بز المعافر کل سنۃ عمن بقی من سبا بمارب فلم یزالوا یودونہا حتی

قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان العمال انتقضوا علیہم بعد قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فیما صالح ابیض بن حمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلل السبعین فرد ذلک ابو بکرؓ علی

ما وضعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی مات ابو بکرؓ فلما مات ابو بکر انتقض ذلک و

صارت علی الصدقۃ (ابوداؤد باب فی حکم ارض الیمن ج ۲ ص ۴۲۹)

ابیض بن حمال جب قاصد ہو کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشر کی بابت بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عشر ضروری ہے، ابیض بن حمال نے کہا یا رسول اللہ ہماری زراعت صرف کپاس ہے، ہماری سبا قوم منتشر ہو گئی ہے، تھوڑے سے لوگ مقام مارب میں باقی رہ گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے معافر قسم کے کپڑے کی قیمت کے ستر جوڑوں پر صلح کر لی، کہ کپاس کے عشر کے عوض یہ ادا کر دیا کرو، پس ہمیشہ یہ ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ آپ کی وفات کے بعد عاملوں نے یہ صلح توڑ کر کپاس کا عشر لینا شروع کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح کے موافق کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پھر ٹوٹ کر کپاس کا عشر پر ہو گیا... اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جو چیز ذخیرہ ہو سکے، اس میں عشر ہے، مثلاً گنا اسی طرح چارپایوں کو کھلا دیا جائے، یا چوس لیا جائے تو اس میں عشر نہیں، اگر گڑ شکر یا راب بن جائے، تو اس میں عشر ہے، اسی طرح جو شیٔ ذخیرہ ہو سکے، اس سے عشر دینا پڑے گا، راجح مذہب یہی ہے۔ عبداللہ امرتسری

(تنظیم اہلحدیث یکم رجب المرجب ۱۳۷۹ھ شمارہ ۲۰ جلد ۱۲)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ہاں فصل کماد کثرت سے پیدا ہوتا ہے، اور ہمارے زمیندار اکثر کماد مِل پر فروخت کرتے ہیں، کیا کماد کی رقم جو مِل سے وصول ہو گی، اس سے عشر دینا پڑے گا، یا بصورت دیگر زکوٰۃ۔ جماعت کے اندر اس مسئلے پر اختلاف ہے، براہ کرم مکمل دلائلِ شرعی کے ساتھ وضاحت فرما دیں، تاکہ پوری پوری تسلی ہو جائے۔

منجانب:۔ جماعت اہلحدیث چک ۶۳ گ ب بمعرفت مولوی عبدالغفور صاحب امام جامع اہلحدیث اکال گڑھ ڈاکخانہ خاص۔ تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد)

جواب:۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ زمین کی پیداوار سے صدقہ ادا کرنا کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، جس سے کہ کسی مسلمان کو مفر نہیں ہے قرآن حکیم میں ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ (البقرہ)

(اے ایمان والو اپنی حلال پاکیزہ کمائی اور زمین کی پیداوار سے خرچ کرو)۔

حدیث شریف میں ہے۔ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون و البعل العشر وما سقی بالنضح نصف العشر کتب حدیث بارانی چشموں سے سیراب ہونیوالی یا زیر زمین نمی والی کھیتی میں عشر ہے، اور جس کھیتی کو کنوؤں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے) سونا اور چاندی، جانوروں اور تجارتی مال کی زکوٰۃ اور زمین سے حاصل ہونیوالی کھیتی (بشرطیکہ وہ سال بھر باقی رہ سکے) کی زکوٰۃ میں فرق یہ ہے، کہ اول الذکر چیزوں کی زکوٰۃ سال بعد دی جاتی ہے، اور زمین سے پیدا ہونے والی کھیتی کی زکوٰۃ اس وقت دینی پڑتی ہے، جب وہ پک کر تیار ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے، وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام) "یعنی کھیتی کی زکوٰۃ اس کی کٹائی اور صفائی کے وقت دو"

اب جس طرح کھیتی اور دوسری چیزوں کی زکوٰۃ سال کے بعد اور کھیتی کی زکوٰۃ کٹائی کے وقت ہی دینی پڑتی ہے، اس طرح ان کے نام بھی الگ الگ ہو گئے ہیں، سونا اور چاندی وغیرہ دوسری چیزوں کے صدقے کا نام زکوٰۃ اور کھیتی کے صدقہ کا نام عشر ہے۔

کماد میں عشر واجب ہے: عموماً زمیندار کماد سے گڑ، شکر یا چینی وغیرہ گھر پر ہی تیار کرتے ہیں، اس لئے انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے، کہ ان کے کھیت سے پیدا ہوتے والی فصل نصاب کو پہنچی ہے، یا نہیں۔ اگر نصاب (۲۰ من) کو پہنچ جائے، تو اس سے عشر یا نصف عشر (جو صورت بھی ہو) ادا کریں۔ اگر ان کی پیداوار نصاب کو نہ پہنچی تو ان پر عشر واجب نہیں ہے، رہی یہ بات کہ کچھ زمیندار اپنا کماد ملوں میں فروخت کر دیتے ہیں، ان کو گڑ، شکر یا چینی حاصل نہیں ہوتی، تو یہ چیز عشر نہ دینے کی وجہ نہیں بن سکتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھجوروں اور انگوروں کا عشر فصل پکنے اور کٹنے کے بعد خشک کھجوروں اور خشک انگوروں کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا، مگر عموماً لوگ اپنے باغ کے پھل تازہ تازہ تر حالت میں فروخت کر دیتے تھے، جیسے آج کل تر انگور اور تر کھجوریں بازار میں فروخت ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تر پھل نہ سال بھر رہ سکتے تھے، اور نہ ان سے عشر لیا جاتا تھا۔ پھر انگور اور کھجور کی یہ صورت ہوتی تھی، کہ ماہر فن باغ میں گھوم پھر کر اندازہ لگا سکتے تھے۔ کہ اس باغ میں مثلاً موجودہ حالت میں تر پھل ایک

سومن ہیں، جو فصل پکنے اور خشک ہونے پر ۶۰ من رہ جائیں گے، چنانچہ اس اندازے کیمطابق باغ والے پر ۶۰ من کھجور یا انگور کا عشر لازم ہوجاتا تھا، جسے وہ فصل کی کٹائی کے بعد خشک کھجوروں اور منقیٰ کی صورت میں ادا کرتا تھا، لیکن باغ کا اندازہ ہوجانے کے بعد وہ آزاد ہوتا تھا کہ اپنے باغ کے پھل تر حالت میں فروخت کرے، یا پکنے اور تیار ہوجانے کے بعد ان کی کٹائی کرے۔

بالکل اسی طرح آج بھی ماہر فن کماد کے کھڑے کھیت سے پیدا ہونے والی چینی یا گڑ شکر کا اندازہ کریں، اگر کھیت کی پیداوار نصاب (۲۰ من) کو پہنچ جائے، تو اس سے عشر دو من یا نصف عشر ایک من ادا کریں۔ علی ہذا القیاس اگر کسی کھیت سے سو من گڑ شکر پیدا ہونے کا اندازہ ہو تو اس سے عشر دس من یا نصف عشر ۵ من یا اس کی قیمت ادا کریں۔

نوٹ:۔ پیداوار کے نصاب (۲۰ من) کو پہنچنے کے بعد ہر تھوڑی یا زیادہ فصل سے اسی حساب سے عشر دینا واجب ہے، اگر ۲۱ من شکر پیدا ہوتی تو اس سے عشر دو من چار سیر یا نصف عشر ایک من دو سیر دینا لازم آئے گا۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب محمد اسحاق (صدر) مدرس دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور

جواب صحیح ہے۔ محمد عطاء اللہ حنیف الاعتصام جلد ۲۲ شمارہ ۲

سوال:۔ کیا عشر کے لئے کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں، نیز کن کن فصلوں پر عشر ضروری ہے؟ جلال الدین ڈوگر

جواب:۔ عشر کا نصاب مقرر ہے، جو آج کل کے حساب سے بیس من پختہ پڑتا ہے یعنی جب اناج زمین سے بیس من گھر آئے تو اس پر عشر واجب ہے، چاہی زمین کا بیسواں حصہ اور بارانی زمین کا دسواں حصہ پڑتا ہے، نیز ہر فصل جو اناج کے حکم میں ہے، اور جسے عرف عام میں اناج سمجھا جاتا ہے، گندم، جو، چنے۔ مکی، مسور وغیرہ دیگر فصل سبزی کماد، کپاس وغیرہ کی قیمت پر زکوٰۃ جائز ہوگی۔

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۲۷)

کپاس میں عشر کا مسئلہ

اپنی اور ٹھیکہ پر لی ہوئی زمین کی پیداوار ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو عشر کا کیا حکم ہے؟

مفتی قوم حضرت حافظ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب ذیل کے جوابات تحریر فرما کر ممنون فرمادیں۔

۱؎۔ پیداوار اراضی زرعی سے کون کونسی چیزیں عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ کپاس پر عشر ہے، یا نہیں ایک شخص تاجر ہے، اور کاشتکار بھی ہے، اگر کپاس وغیرہ کی آمدنی اس کی دوکانداری کی رقم میں شامل ہوجاتی ہے، اور سال بعد اپنی اس مخلوط آمدنی سے زکوٰۃ نکالتا ہے، تو کیا یہ درست ہے، یا اس کو کپاس کی پیداوار کھیت سے گھر آنے پر عشر نکالنا چاہیئے؛ جواب ذیل کے پتہ پر روانہ فرمادیں، اور اس مسئلہ کو افادہ مسلمین کے لئے تنظیم اہل حدیث میں بھی ضرور شائع کردیں۔ والسلام

حاجی اللہ بخش بلاک ۲؎ گلی ۲؎ مکان ۱۹؎ خانیوال (ضلع ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ **الجواب**:۔ حدیث میں ہے۔ لَیْسَ فِی الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَۃٌ (یعنی سبزیوں میں صدقہ نہیں اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ سبزیوں کے علاوہ باقی سب چیزوں میں صدقہ ہے، کپاس بھی سب چیزوں میں شامل ہے، کپاس کا حدیث میں الگ ذکر بھی آیا ہے، ملاحظہ ہو (ابو داؤد کتاب الخراج)

کپاس کا عشر پہلے دینا چاہیئے۔ جب کپاس کھیت سے نکلی تھی، اُس وقت کے نرخ سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ دے۔ اس کے بعد اس کی رقم اگر تجارتی مال میں شامل ہو گئی تو جب تجارتی مال کی زکوٰۃ دے گا، اُس وقت کپاس کی بھی زکوٰۃ ساتھ ہی ادا ہو جائیگی۔ غرض کھیتی کا حساب علیحدہ ہے، اور تجارتی مال کا علیحدہ ہے، تجارتی مال کی رقم خواہ کہیں سے آئے، اُس کی زکوٰۃ اُس کے حساب سے دینی چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری ۲۵ ج ۱/۱۳۸۲ ۶/۱۸ ۹/۱۹۶۲

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷؎ شمارہ ۲۰؎)

سوال: پونڈا (پونا) کماد اکثر ایک ایک گن فروخت ہوتا ہے، دوسرا کماد بھی زمیندار لوگ چارہ وغیرہ کے لئے کھیت میں فروخت کر دیتے ہیں۔ کچھ خود چارہ کی صورت میں استعمال کر لیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور کماد کا نصاب کتنا ہے؟

جواب: کماد کھیت میں چارہ کے لئے فروخت کر دیا جائے تو اس پر عشر نہیں، وہ سبزی کے حکم میں ہے، اگر خود چرایا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، لیکن اس میں یہ شرط ہے، کہ وہ گڑ شکر بنانے کے قابل نہ ہوا ہو۔ اگر کماد گڑ شکر بنانے کے قابل ہو چکا ہے، تو اب خواہ فروخت کرے یا خود چرائے، اس پر عشر دیا جائے مثلاً اگر گڑ شکر کا اندازہ لگایا جائے، کہ اس سے کتنا گڑ شکر نکلے گا، اس اندازہ سے عشر دیا جائے گا، مثلاً اگر گڑ شکر کا اندازہ پانچ وسق (۲۰ من) ہے تو بیس۲۰ من کی قیمت کا دسواں یا بیسواں حصہ دیا جائے، پونڈا کماد میں یہ شرط نہیں۔ کیونکہ اس سے اصل مقصد گڑ شکر بنانا نہیں ہوتا۔ وہ بہر حال سبزی کے حکم میں رہیگا، ہاں اگر کوئی اس کا گڑ شکر بنالے تو پھر عشر پڑے گا۔

عبداللہ امرتسری (تنظیم اہلحدیث شمارہ ۲۳ جلد ۱۲)

سوال: اراضی موقوفہ خصوصاً اراضی موقوفہ للمسجد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ بالدلائل تحریر فرماویں؟

جواب: عن ابی ہریرۃ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر علی الصدقۃ فقیل منع ابن جمیل وخالد بن الولید والعباس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ینقم ابن جمیل انہ کان فقیراً فاغناہ اللہ ورسولہ واما خالد فانکم تظلمون خالداً فقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ واما العباس فہی علی ومثلہا معہا ثم قال یا عمر اما شعرت ان عم الرجل صنو ابیہ متفق علیہ۔ **ترجمہ:** یعنی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقہ پر عامل بنا کر بھیجا کہا گیا، ابن جمیل، خالد بن ولید اور عباس نے صدقہ ادا نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابن جمیل رضی اللہ عنہ نے تو یہی عیب پکڑا ہے کہ خدا اور رسول نے اس کو (غنیمتوں کے مال سے) غنی کر دیا، اور خالد پر تم خواہ مخواہ ظلم کرتے ہو، اس نے تو اپنی زرہیں، اور سامان جنگ (ہتھیار) گھوڑے اونٹ وغیرہ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا،

ہے، اور عباسؓ کا میرے ذمہ ہے۔ اور اس کی مثل (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ ص۱۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں صدقہ نہیں، اگرچہ یہاں سامانِ جنگ کا ذکر ہے۔ مگر وجہ آپ نے یہ تبلائی ہے، پس معلوم ہوا کہ وقف مانع صدقہ ہے، پس زمین بھی اس کے تحت آگئی۔ نیز حضرت عمرؓ نے خیبر میں جو زمین وقف کی تھی۔ اس کی آمد کے مصارف کی تفصیل میں انہوں نے عشر کا کوئی ذکر نہیں کیا، ملاحظہ ہو، منتقی مع نیل الاوطار کتاب الوقف وغیرہ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ وقف میں عشر نہیں۔ نیز وقف خود ایک قسم کا صدقہ ہے، پس صدقہ میں صدقہ کے کچھ معنی نہیں۔ اسی لئے عشر زکوٰۃ جو بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا صدقہ نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۴۶)

سوال:۔ لوہار، ترکھان، حجام، دھوبی جو کمین کہلاتے ہیں۔ زمینداروں کا کام چھ مہینے کرنے کے بعد دانے لیتے ہیں۔ نصاب کے بعد ان پر بھی عشر فرض ہے، یا زمینداروں پر ہی فرض ہے بینوا توجروا۔

جواب:۔ عشر صرف زمیندار اور مزارع پر ہے۔

(الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۱۴، ۱۵۔ ۲۹ رجب ۱۳۸۷ھ)

توضیح الکلام:۔ اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ کا عموم چاہتا ہے کہ لوہار۔ ترکھان وغیرہ کے دانے نصاب کو پہنچ جائیں، تو ان پر بھی عشر فرض ہے، جیساکہ بٹائی پر زمین لے کر کام کاج کرنے والے پر عشر فرض ہے، اسی طرح ان کمیوں پر بھی فرض ہے،

(الراقم علی محمد سعیدی خانیوال)

جنس میں کتنی مقدار پر عشر ہے؟

سوال:۔ ایک شخص عشر ادا کرتا ہے، یہ تو معلوم ہے کہ بارانی زمین سے دسواں حصہ اور چاہی زمین سے ۲۰ سواں ادا کرنا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جس فصل میں سے عشر ادا کرنا

ہے کیا اس کا کوئی نصاب بھی ہے یا جتنی جنس ہو اتنی میں سے ہی ادا کرے، اور کیا سبزی چارہ وغیرہ بھی اس میں شامل ہے؟

جواب:۔ عشر کی ادائیگی کے لئے حدیث شریف میں پانچ وسق تک نصاب مقرر ہے، اس سے کم غلہ ہو تو عشر نہیں۔ ترمذی شریف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، پانچ وسق کے تین سو صاع ہوتے ہیں، فتاویٰ ثنائیہ میں اکیس من ساڑھے سینتیس سیر (۲۱ من ۔ ۳۷ سیر ۸ چھ) نصاب کا وزن لکھا ہے، واللہ اعلم۔ سبزیوں اور چارہ جات میں کوئی عشر نہیں۔

الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۲۸

سوال:۔ جس زرعی زمین کی نہر سے آبپاشی کی جائے، اس زمین کی پیداوار کا انحصار نہر کے پانی پر ہو، اور اس پانی کا معاوضہ آبیانے کی شکل میں حکومت وصول کرتی ہو، اور ہر بندوبست پر حکومت اس آبیانے کی شرح میں اضافہ کرتی جاتی ہو، اور اس آبیانے کے ساتھ مختلف قسم کے ٹیکس مثلاً مہاجر ٹیکس ترقیاتی ٹیکس بھی وصول کرتی ہو، کیا اس صورت میں نہری زمینوں کی پیداوار میں عشر ادا کیا جائے یا نصف عشر؟ حاجی خان محمد از گوہڑہ پتوکی۔

جواب:۔ اقول وباللہ التوفیق! نہری زمین کی پیداوار میں سے عشر دیا جائے یا نصف عشر یہ سوال غالباً اس لئے پیدا ہوا ہے کہ بعض احادیث میں نہری زمینوں میں سے عشر ادا کرنے کا حکم ہے، اور انہی احادیث میں جہاں "الانہار" میں عشر کا ذکر ہے، ان میں بارانی زمینوں کا بھی ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں بارانی زمینوں اور نہری زمینوں دونوں کے لئے یکساں حکم ہے کہ ان کی پیداوار میں سے عشر ادا کیا جائے، اور اسی بنا پر سائل کو سوال کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بارانی زمینوں میں زمین کو سیراب کرنے کے لئے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی نہ کسی قسم کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے، اور آجکل کی نہری زمینوں میں تو کئی قسم کے اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں، اور اپنی زمینوں تک پانی لانے کے لئے چھوٹے کھالے کھودنے پڑتے ہیں۔ پھر آبیانہ اور آبیانہ کے ساتھ کئی کئی قسم کے ٹیکس دینے پڑتے ہیں، ایسی حالت میں بارانی زمینوں اور نہری زمینوں

کا حکم ایک کیسے ہو سکتا ہے؟

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ حدیث کے لفظ "الانہار" کی تشریح کی جائے، تاکہ واضح ہو سکے کہ اس زمانہ میں انہار کی یہی صورت تھی جو آجکل ہے، یا اس سے مختلف تھی۔ قاضی القضاۃ امام ابو یعلےٰ (متوفی ۴۵۸ھ) اپنی مشہور تصنیف الاحکام السلطانیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ نہریں تین طرح کی ہوتی ہیں۔

احدہا ما اجراہ اللہ تعالیٰ من کبار الانہار التی لم یحفرہا الآدمیون۔ ایک قسم نہر کی یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے جاری کر رکھا ہے، اور انسانوں کی محنت کو اس نہر کے تیار کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے، جیسا کہ دجلہ اور فرات القسم الثانی ما اجراہ اللہ من صغار الانہار فہو علی ضربین، یعنی دوسری قسم وہ چھوٹی نہریں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جاری کر رکھی ہیں، اسکی دو قسمیں ہیں۔

قسم اول:۔ یہ کہ اس قسم کی نہروں میں پانی اس قدر کافی ہے کہ بغیر روکنے یعنی بند لگانے کے اس علاقہ کی زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے کافی ہے، ہر ایک زمیندار اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لئے بقدر ضرورت پانی لے سکتا ہے، کسی کا کسی دوسرے سے تعارض نہیں۔

قسم دوم:۔ یہ کہ ان قدرتی نہروں میں پانی کافی مقدار میں نہیں آرہا، جب تک اس علاقہ کا پہلا زمیندار پانی روک کر اتنا نہ جمع کرے کہ اس کی زمین سیراب ہو سکے، اس وقت تک دوسرا زمیندار اپنی زمین کو سیراب نہیں کر سکتا اس کے لئے ضروری ہے کہ زمیندار باری باری اپنی زمینیں سیراب کریں۔

یہ دونوں قسم کی نہروں کی وہ جو قدرتی نہریں ہیں، ہر ایک ان نہروں سے بغیر کسی قسم کی اُجرت یا معاوضہ یا قیمت ادا کرنے کے پانی حاصل کر سکتا ہے، اور اپنی زمین کو سیراب کر سکتا ہے۔

تیسری قسم نہر۔ فرماتے ہیں:۔

ما احتفرہ الادمیون من الارضین فیکون النہر بینہم ملکا مشترکا۔ وہ نہر جسے اس علاقہ کے لوگوں نے خود کو نکالا ہے، یہ نہر اس علاقہ کے زمینداروں میں مشترک ہو گی،

سب اس کے مالک ہوں گے۔

اس تفصیل کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ احادیث میں بارانی زمینوں کے ساتھ جن نہری زمینوں کا ذکر ہے، یہ وہ نہریں ہیں جو انسانوں نے نہیں کھودیں، بلکہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی اور اس کا انعام ہے، پس جس طرح بارش سے زمین سیراب کرنے والے کو کسی قسم کی محنت نہیں کرنی پڑتی، اور نہ کسی قسم کا معاوضہ دینا پڑتا ہے، اس طرح قدرتی نہروں سے سیراب کرنے میں کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی، اور نہ کسی قسم کا معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے، اس لئے ایسی زمینوں میں عشر ہے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر امام نووی شرح مہذب میں کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں فرماتے ہیں، چھوٹی نہریں، اور کھالے، جو بڑی نہر سے کھود کر نکالے جائیں، اس میں عشر ہے، یہ مشہور قول شافعیہ کا ہے، اس کے بعد شیخ ابو سہل رحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ چھوٹی نہر جو زمیندار خود کھود کر بڑی نہر سے لائیں، اس سے سیراب شدہ زمین پر نصف عشر ہے، اور صاحب تہذیب سے اس کی ایک تشریح یوں نقل کرتے ہیں، کہ اگر چھوٹی نہر یا کھالا ایسا ہے، کہ ہر سال اس پر محنت کرنی پڑتی ہے، مٹی یا ریت سے اٹ جاتا ہے، اور اسے کھود کر پھر اسے صاف کرنا پڑتا ہے، تو اس میں نصف عشر ہے، اور اگر ایک دفعہ نہر کھودنے کے بعد کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی تو اس میں عشر ہے۔

واضح رہے کہ یہ تمام تفصیلات اس صورت کی ہیں، کہ زمیندار خود بڑی نہر سے چھوٹی نہر کھود لیتے ہیں، اور اگر کسی دوسرے کی نہر ہو اور اس سے پانی قیمتاً خریدا جائے، تو اس کے متعلق امام رافعی سے نقل کرتے ہیں۔

قال ابن کج ولو اشتری ما دوسقی بہ وجب نصف العشر صفحہ ۴۶۲ جلد ۵ اگر پانی خرید کر زمین سیراب کرے، تو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے، کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے، صاحب درمختار لکھتے ہیں، کہ نصف عشر واجب ہے، جس زمین کو بڑے ڈول سے یا چھوٹے ڈول سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے، اس کے بعد لکھتے ہیں، اور کتب شافعیہ میں ہے، اگر

قیمتاً خرید کر زمین سیراب کی جائے، تو اس میں نصف عشر ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں، ہمارے قواعد اس کے خلاف نہیں ہیں۔ عبارت یوں ہے:۔

وفی کتب الشافعیۃ اوسقاہ بماء اشتراہ وقواعدنا لا تاباہ ص۵۵ جلد ۲۔

صاحب ردالمختار اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں، لان العلۃ فی العدول عن العشر الیٰ نصفہ فی سقی غرب ودالیۃ ھی زیادۃ الکلفۃ وھی موجودۃ فی شراء الماء اس سے معلوم ہوا کہ نہر کا پانی خرید کر زمین سیراب کرنے سے صورت بدل جاتی ہے، اس لئے اس کا حکم مختلف ہے، آجکل نہریں حکومت تیار کراتی ہے، اور اس پر لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف کرتی ہے، اور آبیانہ معقول شرح کے ساتھ زمینداروں سے وصول کرتی ہے اور ہر بندوبست کے ساتھ آبیانہ کی شرح میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ ایسی نہری زمینوں کو پانی قیمت یا معاوضہ کے ساتھ حاصل کرنا پڑتا ہے، اس لئے ہمارے ملک کی نہروں سے سیراب ہونیوالی زمینوں کا حکم وہ نہیں ہوسکتا، جو بلامعاوضہ وبلاقیمت ادا کئے، قدرتی نہروں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمینوں کا ہوسکتا ہے۔

اس حوالہ کی تحقیق کے مطابق ہمارے ملک کی وہ زمین جو سرکاری نہری پانی سے سیراب ہوتی ہے، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود (مولانا) محمد داؤد غزنوی

(الاعتصام جلد ۹ نمبر ۴۵ صفحہ ۹)

سوال:۔ نہری زمین پہ مالیہ بہت دینا پڑتا ہے، کیا یہ مالیہ عشر میں شمار نہیں ہوسکتا؟

جلال الدین ڈوگر

جواب:۔ مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے، مگر میری تحقیق یہ ہے کہ مالیہ عشر میں شمار نہیں ہوگا، آپ اسے زمین اور کنویں کے دوسرے مصارف میں شمار کرسکتے ہیں، اور تمام مصارف منہا کرنے کے بعد جو بچے اس سے عشر ادا کریں۔

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۲۷)

عشر میں سرکاری مالیے کا حکم

سوال:- شریعت میں جو عشر مقرر ہے۔ آیا وہ سرکاری مالیہ کاٹ کر ادا کیا جائے، یا مالیہ سرکاری اس میں شمار کیا جائے، جواب مدلل قرآن وحدیث سے ہو؟

جواب:- مالیہ سرکاری دو طرح کا ہے، ایک زمین کا دوسرا پانی کا، زمین کا مالیہ کاٹ کر عشر دے، پانی کا مالیہ کاٹنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے بجائے دسویں حصے کے بیسواں حصہ دے کیوں کہ نہر کا پانی قیمتاً آیا ہے، گویا ایسا ہوگا، جیسے کنویں کا پانی۔ کاٹنے کی صورت یہ ہے کہ زمین کا تمام غلہ اگر نصاب کو پہنچ جائے تو اس سے پہلے اتنے دانے الگ کر لیے جائیں جتنوں سے یہ مالیہ پورا ہو جائے، اس کے بعد عشر نکالا جائے حدیث میں ہے۔ عن عائشۃ رض قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما خالطت الزکوٰۃ مالاً قط الا اہلکتہ رواہ الشافعی والبخاری فی تاریخہ والحمیدی وزاد قال یکون قد وجب علیک صدقۃ فلا تخرجہا فیہلک الحرام الحلال مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۷، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کسی مال میں کبھی نہیں ملی۔ مگر اس کو ہلاک کر دیتی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا تعلق مال سے ہے، اور قرآن مجید میں بھی ہے۔ واٰتوا حقہ یوم حصادہ پ (یعنی پکنے کے دن) عشر کو کھیتی کا حق کہا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشر کا تعلق جتنی کھیتی اسکے قبضے میں ہے، اسی کی زکوٰۃ اس کے ذمے ہوگی، جتنی مالیہ میں گئی وہ اس کے ذمے نہیں اس لئے اس کی زکوٰۃ اس کے ذمے نہیں پڑتی۔ اس کی مثال یوں ہے، کہ ایک شخص کے پاس سو روپے تھے، ان سے پچاس چوری ہو گئے، تو وہ باقی پچاس کی زکوٰۃ دے گا، نہ کہ سو کی۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ شمارہ ۷)

سوال:- کسی شخص نے ٹھیکہ پر زمین لے کر کاشت کی، اس میں مثلاً دو صد من گندم پیدا ہوئی، اور وہ سب کی سب ٹھیکہ کی رقم میں چلی گئی، تو کیا ایسے شخص پر عشر ہے؟

جواب:- قرآن وحدیث میں صورت مسئولہ کی صراحت نہیں آئی۔ البتہ بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ ایسا

شخص عشر ادا کرے کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ ومما اخرجنا لکم من الارض۔ یعنی جو کچھ ہم نے تمہاری خاطر زمین سے نکالا ہے، اس سے خرچ کرو۔

رہی ٹھیکہ کی رقم تو وہ قرض ہے، جس کی ادائیگی اس شخص کے ذمے ہے، اور قرض کا حکم یہ ہے کہ اگر دوسری جائیداد سے اس کی ادائیگی ہو سکے تو عشر زکوٰۃ معاف نہیں، اور اگر قرض اتنا ہے کہ اس گندم اور باقی تمام نقدی وغیرہ کو محیط ہے تو اس صورت میں عشر زکوٰۃ معاف ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۳۰۲ ، ۴)

سوال:۔ زید نے کچھ زمین بکر سے ٹھیکہ پر لی ہے کیا عشر ٹھیکہ ادا کر کے دیا جائے یا قبل از ادائے ٹھیکہ نہر کا معاملہ یا مال کا معاملہ وغیرہ کیا عشر کے ادا کرنے سے پہلے پیداوار سے وضع ہو سکتا ہے، اور بکر کا یہ قول کہ مالیہ عشر سے ہی وضع کرنا جائز ہے؟ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ٹھیکہ عشر ادا کرنے سے پہلے وضع کیا جائے، اس کے بعد عشر نکالا جائے۔ اسی طرح مال کا مالیہ نکال کر باقی غلہ سے عشر ادا کریں، نہر کا مالیہ الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ نہری زمین کو کنویں کے حکم میں سمجھنا چاہیئے۔ یعنی عشر کی بجائے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ دے۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ شمارہ ۲

سوال:۔ زید کی کچھ زمین اپنی مملوکہ ہے، لیکن وہ تھوڑی ہے، اس کی پیداوار سے نصاب از عشر پورا نہیں ہوتا نیز اس نے کچھ زمین اجارہ پر لی ہوئی ہے، اس کی پیداوار کے صرف اپنے حصہ کو، اگر پہلی زمین کی پیداوار سے ملایا جائے تو نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں دونوں زمینوں کی پیداوار کو ملا کر عشر نکالنا ہو گا۔ بینوا توجروا۔

عبدالرؤف بلتستانی متعلم مدرسہ سعودیہ کراچی

جواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عشر نکالنا پڑے گا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ، اس میں اجارہ اور غیر اجارہ کا فرق نہیں، کیا اس لئے جب نصاب پورا ہو جائے، خواہ دوسرے کا حصہ ملا کر پورا ہو، پھر بھی عشر دینا پڑے گا، اگر دوسرا نہ دے تو اپنے حصہ کا نکال دیا جائے، اتنا ہو سکتا ہے، کہ اجارہ کے پیسہ کاٹ کر باقی کا عشر دیا جائے۔ کیونکہ درحقیقت

اس کی چیز نہیں بلکہ غیر کی ہے،

فقط عبداللہ امرتسری روپڑی ۹/۵/۱۳۸۰ ہجری ۳۰/۱۰/۱۹۶۰ء لاہور

تنظیم اہل حدیث جلد ۱۷ شمارہ ۲۰

سوال:۔ اگر زمیندار کاشتکاری کے لئے کچھ مزدوروں کو زمین پر لگا دے، تو کیا ان کی مزدوری عشر سے وضع کر سکتا ہے، اسی طرح اخراجات وغیرہ؟۔

جواب:۔ مزدور دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو کھیتی کے لئے لازمی ہے، جیسے لوہار، ترکھان وغیرہ ان کے بغیر تو کھیتی کا کام تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اکثر ہل جوا، بنانے اور ان کو درست کرنے کی ضرورت رہتی ہے، ان کی اُجرت کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے، جیسے ہل جوا وغیرہ اجرت دیکر بنائے یا جیسے بیل وغیرہ خریدنے، یہ اشیاء چونکہ کھیتی میں داخل ہیں، اس لئے عشر دینے کے وقت اُجرت نہ کاٹی جائے، ان کے علاوہ مزدوروں کی اُجرت کاٹی جا سکتی ہے، و دیگر اخراجات بھی جو کھیتی کو لازم ہیں نہ کاٹیں باقی کاٹ سکتے ہیں۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ شمارہ ۲)

سوال:۔ زید کاشتکار ہے، زمیندار کی بھینٹی۔ بیگاری، حق حکومت اور لگان وغیرہ میں سالانہ صرفہ جو زید کا ہوا کرتا ہے، وہ پیداوار کے دسویں حصہ سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ زیادہ ہوا کرتا ہے، البتہ فصل آسمانی بارش یا اس تالاب سے آبپاشی پر ہو جاتی ہے، جو زمیندار کی طرف سے رعایا کی زمین کی آبپاشی کے لئے تیار کیا گیا ہے، آبپاشی پر کوئی رقم زید کی نہیں لگتی تو ایسی حالت میں زید پر زکوٰۃ پیداوار کا دسواں حصہ لگے یا بیسواں یا نہیں؟ سائل بندۂ خدا۔

جواب:۔ تالاب سے کھیت تک پانی پہنچانے پر خرچ ہوتا ہوگا، وہ خرچ اگر زمیندار کرتا ہے تو کاشتکار پر پیداوار کا بیسواں حصہ ہے، اور اگر کاشتکار پر ہے، تو بیسواں حصہ میں بھی تخفیف ہوگی۔ (اہلحدیث ۲۵ رجب ۱۳۵۱ھ)

سوال:۔ بکر بھی کاشتکار ہے، اور سالانہ صرفہ مثل زید اس کو بھی ہوا کرتا ہے، مگر زید کی طرح بکر کی زمین ایسی نہیں، جو صرف آسمانی بارش سے کام چل سکے، نیز زمینداروں کی

طرف سے کوئی تالاب بھی نہیں جو بکر کی کھیتی آبپاشی بلاصرفہ ہو سکے۔ اس غرض سے کہ بکر اپنی زمین کی آبپاشی کر سکے، ایک تالاب بصرف زر کثیر تیار کرایا ہے، اور اسی تالاب سے اس کی زمین کی آبپاشی ہوتی ہے، کیا بکر کو بھی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی، اگر کرنی پڑے گی تو کتنی؟ سائل مذکور

جواب:۔ زمیندار کا حصہ خرچ آبپاشی کی وجہ سے چالیسواں حصہ ان شاء اللہ کافی ہو گا، عرصہ سے اہلحدیث میں یہ فتویٰ چھپ رہا ہے بحکم لِيَسِيرَ ادا لَا تُعْسِرَ

(اہلحدیث ۲۵/رجب ۱۳۵۱ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۹

سوال:۔ عمرو کسی مہاجن کا مقروض ہے، سوا کاشتکاری اور کوئی ذریعہ معاش واد ائے قرض کا نہیں رکھتا ایسی حالت میں عمر پر عشر یا بیسواں حصہ فرض ہو سکتا ہے؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ پیداوار زمین پر جو واجب ہے، اس میں قرض کا حساب نہیں ہوتا بلکہ مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی سے دینا واجب ہے۔

(اہلحدیث ۲۵/رجب ۱۳۵۱ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۹

سوال:۔ کاشتکاروں کو عموماً تخم ریزی وغیرہ میں اگر سومن خرچ ہوا تو تقریباً چار سومن پیداوار آتا ہے کیا عشر چار سومن کا دینا ہو گا۔ یا تین سومن کا؟

جواب:۔ جواب اوپر ہو چکا ہے کہ پیداوار سے دینا ہو گا۔ دانہ کا حساب نہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۶۹)

سوال:۔ زکوٰۃ عشر کا کتنا نصاب ہے۔ خرچ معاملہ حصہ ادا کرنے کے بعد نکالنا چاہیئے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کا نصاب ہر مال پر الگ الگ ہے، چاندی کا الگ۔ سونے کا الگ۔ اسی طرح غلہ کا عشر بھی ہر جنس کا الگ الگ ہے، عشر یا نصف عشر سارے مال سے نکلے گا، خرچ کا لحاظ کر کے اس میں کمی جائز ہے، مگر نکلے گی، سارے سے بحکم وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ۔ یعنی کاٹنے کے روز خدا کا حق ادا کیا کرو۔ واللہ اعلم

(اہلحدیث یکم فروری ۴۶ء)

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۹)

سوال:۔ جس زمین کی پیداوار آب پاشی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کا عشر دسواں حصہ ہے، تو بجائے آب پاشی کے زمین میں کھاد خرید کر دیا جائے۔ جو خرچہ آبپاشی سے بہت زیادہ ہے، اور مالگذاری بھی لگتی ہو تو اس کا عشر کس حساب سے لگے گا؟۔

(شیخ عبدالغفار از واٹ گنج ضلع چمپارن)

جواب:۔ کھاد کا خرچ ہے تو نفع بھی ہے، جو برابر ہو جاتا ہے، اس لئے کھاد کے خرچ سے زکوٰۃ اراضی میں فرق نہیں آئے گا، البتہ سرکاری معاملہ کا لحاظ رکھا جائے گا۔

(اہلحدیث ۲۹ جون ۱۹۴۶ء) فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۴۷۶

سوال:۔ پنجاب کی نہری آبادی والی زمین کی پیداوار میں سے شرعاً کتنا عشر نکالنے کا حکم ہے، نیز بٹائی اور ٹھیکہ پر کاشت کرنے والے کاشتکار کتنا عشر نکالیں۔ نیز نکالے ہوئے عشر کو کس کس جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے؟

احمد سرور جالندھری

جواب:۔ شریعت نے زمیندار کی مؤنت کا بہت لحاظ رکھا ہے، اسی لئے بارانی زمینوں کی بہ نسبت چاہی زمینوں کا عشر نصف کر دیا ہے، اسی طرح سرکاری معاملہ اور آبیانہ کا لحاظ رکھ کر زمینداروں کی مؤنت پر مزید نظر کرنی چاہیئے، یعنی بجائے بیسویں حصے کے تیسواں حصہ بھی دے دیا کریں، تو ان شاء اللہ قبول ہو جائیگا۔ زمین کی پیداوار کے مصارف وہی ہیں، جو قرآن مجید میں ارشاد ہیں۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ الآیۃ۔

(اہلحدیث ۱۵ جون ۱۹۴۵ء) فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۴۷۲

سوال:۔ ہمارے یہاں خراج (سرکاری مالیہ) پورا لگتا ہے، قریباً اس زمانہ میں چھ حصے کے طور پر پڑتا ہے، ایسی حالت میں بیسواں عشر دے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ (زین العابدین از ترہوم)

جواب:۔ ایسی حالت میں بیسواں حصہ یعنی نصف عشر ادا کر دینا کافی ہے۔

(۳۰ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ) فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۴۸۱

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گنے میں عشر ہے یا نہیں؟ ہمارے دیار میں جابجا شکر کی ملوں کے قائم ہو جانے سے زمین کے بہت سے حصوں

پر گنے کی کاشت نے قبضہ کر لیا ہے، عوام الناس کا خیال ہے، کہ گنا ایک "خضروات" سبزیوں کی قسم ہے۔ اس پر عشر نہیں ہے، تو ایسا خیال صحیح ہے یا نہیں؟ زمین کی ایک پیداوار دھان اور اور آلو بھی ہے، اس پر عشر ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب اس بارے میں یا دھان، آلو وغیرہ کے بارے میں کیا ہے۔ اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو تائید ہوتی ہے، یا نہیں؟ ترمذی شریف کے حاشیہ صـ۹۳ پر امام صاحب کا مذہب وجوب العشر صحیح ہے یا نہیں؟ ملاحظہ ہو ترمذی شریف مطبوعہ مجیدی صـ۹۳

جواب: ۱: دھان۔ گندم۔ گنا۔ آلو میں عشر نکالنا لازم ہے، یہ چیزیں خضروات میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا عشر لازم ہے، البتہ جو زمین نہر یا کنویں سے سینچی جائے، اس کی پیداوار میں نصف عشر ہے۔ اور بارانی زمین کی پیداوار میں عشر ہے، فقط واللہ اعلم

مسعود احمد عفا اللہ عنہٗ نائب مفتی دیوبند

جواب صحیح ہے۔ البتہ نہری زمین میں جو حکم دیا ہے، وہ محلِ نظر ہے، فقط محمد مظہر اللہ مسجد فتحپوری

الجواب صواب: عبد الرحمٰن مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ سجاد حسین مدرس فتحپوری دہلی

جواب: ۲: عوام کا خیال غلط ہے، گنوں میں بھی اور دھان اور آلو وغیرہ سب ترکاریوں میں عشر ہوتا ہے، اگر بارش کے پانی سے پیدا ہوتی ہوں، اور اگر رہٹ یا چرس وغیرہ کے ذریعہ سے آب پاشی کی جاتی ہے تو پیداوار میں نصف عشر ہو گا، بشرطیکہ زمین عشری ہو گی۔ عشری زمین وہ ہوتی ہے کہ شاہان اسلام کے وقت سے مسلمانوں کے قبضے میں چلی آ رہی ہو، کسی غیر مسلم کا کسی وقت اس پر قبضہ نہ ہوا ہو،

فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

جواب صحیح ہے: نہروں سے ہماری اصطلاحی نہریں مراد ہیں جن کے پانی کا محصول دینا ہوتا ہے فقط

(مفتی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

جواب: ۳: زمین کی پیداوار جو انسان کے کھانے کے کام میں آئے، اور ذخیرہ کے طور پر رکھی جائے، اس میں زکوٰۃ فرض ہے۔ گنے سے گڑ شکر تیار کرتے ہیں، جو برسوں ذخیرہ کے طور پر رکھے جاتے ہیں۔ اس لئے اس میں زکوٰۃ فرض ہے، اور جو دیگر غلہ جات گیہوں، جو، دھان، مٹر، چنے وغیرہ کا نصاب ہے، وہی

گنے کا بھی ہے، خضروات سے مراد وہ سبزیاں اور ترکاریاں ہیں، جو جلد خراب ہو جاتی ہیں، اور ذخیرہ نہیں کی جاتیں، جیسے آلو۔ بیگن۔ شلغم۔ مولی۔ چقندر اور دیگر ساگ پات، اور ظاہر ہے، راب۔ گڑھ۔ شکران سبزیوں کی طرح نہیں ہیں، چونکہ آلو خضروات میں داخل ہے، اس لئے اس میں اور اس جیسی ترکاریوں میں مثل ککڑی۔ خربوزہ۔ تربوز وغیرہ زکوٰۃ فرض قرار دینا حدیث مذکور فی السوال کی صریح مخالفت موجود ہے۔

واللہ اعلم بالصواب کتبہ عبید اللہ المبارکفوری

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم گنے کے متعلق کوئی صریح و صحیح حدیث مخصوص نہیں ملی، ایک روایت میں فقط قصب ہے جو عموم لفظ کے اعتبار سے گنے کو بھی شامل ہے، جس سے زکوٰۃ کی نفی معلوم ہوتی ہے، مگر حدیث جیسے بعض علماء نے ذکر کیا صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر اور دیگر علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا۔ عموم ادلہ سے اگر استدلال کیا جائے، تو گنے میں زکوٰۃ واجب معلوم ہوتی ہے، اور نصاب عشرات کی روایت میں بعض ایسے الفاظ موجود ہیں۔ جیسے لَیْسَ فِیْ مَادُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ صَدَقَۃٌ جس سے ہر عشری میں نصاب معلوم ہوتا ہے، اس لئے امام ابو یوسف اور امام محمد نصاب کے قائل ہیں، مگر گنے میں نصاب گڑ شکر کا اعتبار کیا جاوے گا، اگرچہ اس میں ان کا اختلاف ہے کہ نصاب ۵ وسق ہے، یا پانچ من، مگر اقرب الصراحۃ یہی معلوم ہوتا ہے کہ گنے میں نصاب ۵ وسق اعتبار کیا جاوے، اور زکوٰۃ خواہ گنے سے ادا کرے یا شکر سے۔ زبیب یعنی منقیٰ جو انگور سے تیار ہوتا ہے، اس میں زکوٰۃ کی تصریح موجود ہے، ابو داؤد کی روایت میں خراج کے بیان میں ابیض بن حمال کی روایت میں کپاس کی کاشت کا ذکر ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لا بُدَّ من صدقۃ لفظ موجود ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن روایات میں صرف چار یا دس میں حصہ معلوم ہوتا ہے، اور ان کی اسانید متکلم فیہا ہیں، پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، ابو داؤد کی یہ حدیث ظاہراً صحیح معلوم ہوتی ہے، پس گنے میں شکر کا اندازہ پانچ وسق تک پہنچ جاوے تو گنے میں عشر ادا کر دیا جاوے۔

العبد ــــــــــــــــــــــل۔

محمد مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ ۴۹۳ ڈاکخانہ گ ب لائلپور ضلع ۲۲ رجمادی الآخر

جواب ۵:۔ عشر پیداوار زمین میں ہے، ہیں کپاس۔ گنا۔ آلو۔ وغیرہ سب میں قائل ہوں، نصاب کے بارے میں بہتر ہے کہ ادنیٰ نصاب غلہ مثلاً جو کی قیمت پر عمل کیا جاوے، ورنہ ہر جنس کے اعلیٰ اسمار پر مثلاً کپاس کے بورے آلو کے چھکڑے۔ ٹھیلے۔ علیٰ ہذا القیاس گنے کی تفسیر مظہری میں تحت آیۃ اَنْفِقُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ الایۃ وَاٰتُوا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ الایۃ

ابوسعید شرف الدین دہلوی

جواب ۶:۔ علامہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے، صحیح ہے۔ احمد اللہ مدرس مدرسہ زبیدیہ محلہ کشن گنج دہلی

عشر پیداوار زمین کی کمائی پر ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں بالصراحت موجود ہے ظاہر ہے۔ کہ گنا بھی زمین کی کمائی سے حاصل ہوتا ہے، یہ مسئلہ تو متفق ہے، نہ معلوم سائل کو اس فتویٰ کی کیوں ضرورت پڑی۔ اس میں عشر ادا نہ کرنے والے اسی طرح مستوجب عذاب الٰہی ہوں گے، جس طرح زکوٰۃ کے نہ دینے والے۔

حکیم عبدالشکور شکراوی۔ حال وارد جھنڈے نگر

جواب ۷:۔ میرے نزدیک گنے میں عشر اسی طرح واجب ہے جس طرح جو۔ گندم وغیرہ کی پیداوار میں۔ البتہ بموجب حدیث شریف صحیح بخاری بارانی اور غیر بارانی زمینوں، اور محنت آبپاشی کا لحاظ کر کے عشر بارانی زمین میں اور نصف عشر غیر بارانی زمین میں۔ اگر عشر میں قیمت دے دے، تو بھی جائز ہوگا۔

محمد منیر خاں مدرس اول مدرسہ جامعہ رحمانیہ

الامر کما قالوا۔ ابوالقاسم محمد خان بنارسی واقع محلہ مدنپورہ شہر بنارس

الجواب صحیح۔ سید عابد علی مہوا ضلع بستی

جواب صحیح ہے:۔ ہندوستان میں جو مالگزاری زمینداروں پر لگائی جاتی ہے مؤنۃ الارض میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے بارانی کی نسبت چاہی میں مؤنۃ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اللہ اعلم

الجواب صحیح والمجیب مصیب ابوشحمہ خان۔ فاضل رحمانیہ مقام سپاٹو پور ۱۶/ فروری ۴۰ء

ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

بلوغ المرام کی ایک حدیث میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ صرف جو، گیہوں، انگور کھجور سے زکوٰۃ لو۔ اس حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے۔ کہ سب جنسوں میں عشر نہیں

ہے، لیکن غلط ہے، کیونکہ ابن ماجہ میں ذرہ کا بھی ذکر ہے، جس کے معنی مکئی اور جوار کے ہیں۔ اور ذرہ میں عشر ہونے کی بابت اور بھی کئی مرسل روایتیں ہیں، جنکی بابت امام بیہقی فرماتے ہیں انه یقوی بعضها بعضاً یعنی سب ملکر ایک دوسرے کی تقویت کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ اور بھی روایتیں ایسی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ عشر چار اشیاء میں منحصر نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤد میں ابیض بن حمال کی حدیث ہے کہ جس میں روئی کی پیداوار پر عشر لینے کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ابوداؤد باب فی حکم ارض الیمن جلد دوم ص۲۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار ہی چیز میں عشر کا انحصار نہیں ہے، جس میں مکئی اور اس طرح دھان۔ چنا۔ گنا وغیرہ بھی ہے، اور دار قطنی کی وہ روایت جو بلوغ المرام میں موجود ہے جس میں گنے کے اندر عشر نہ ہونے کا ذکر ہے بالکل ضعیف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ سے بلوغ المرام میں اس کی تصریح موجود ہے، بہر حال جب انحصار غلط ٹھہرا تو جس طرح روئی، مکئی میں عشر ہے اسی طرح دھان، چنا، گنا وغیرہ میں بھی عشر ہے۔ عشر کی بابت مفصل مضمون میرے پرچہ در اخبار "تنظیم اہلحدیث" روپڑ یکم دسمبر ۳۲ء میں ملاحظہ ہو۔ رقیمہ عبداللہ روپڑی مولوی فاضل ضلع انبالہ۔ مورخہ ۶ر فروری ۱۹۳۴ء

جواب ؛ مثلاً۔ گنے میں عشر اسی طرح ہے جس طرح جملہ اقسام غلہ میں ہے، دار قطنی میں ایک روایت ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ گنے میں عشر نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ اس روایت کے راوی ناقابلِ سند ہیں۔ کیونکہ اس روایت میں ہے، راوی اسحق بن یحییٰ ہیں، ان پر امام نسائیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ نے سخت جرح کی ہے، اور ان کو متروک اور سیئ الحفظ قرار دیا ہے، دوسرے راوی موسیٰ بن طلحہ ہیں۔ چونکہ ان کا لقاء حضرت معاذ بن جبل سے ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ روایت مرسل ہو گئی۔ اور مرسل روایت حجت نہیں ہے، پس یہ حدیث سند نہ رہی (ملاحظہ ہو التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی ص۲۰۱ ج۱ للفاضل الاجل مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی) رقیمہ العبد الضعیف المدعو بہ عبدالرؤف مدرس مدرسہ جھنڈے نگر ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

گنے میں زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ اس کی بنی ہوئی اشیاء مثل گڑ، شکر باقی رہنے والی چیزیں ہیں۔

(مولانا، حافظ محمد حسین بیٹرملی خطیب مسجد لاکھی نظر یاد۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۸۴)

سوال :۔ زید مقروض ہے تجارت کی طرف سے اور غلہ حاصل کرتا ہے، زراعت کی جانب سے عشر دینے میں حیلہ پیش کرتا ہے، کہ جس قدر میں غلہ پاتا ہوں، اس سے زائد دین ہے، تو پھر کیوں کر عشر دوں۔ اب جواب طلب امر یہ ہے، کہ زید کا حیلہ بجا ہے یا بے جا؟

(یکے از خریداران اہلحدیث)

جواب :۔ پیداوار کی زکوٰۃ دو طرح پر ہے، ایک تو مقدار معین (حبۃ وسق) پر ہے، اس کے لئے تو مقدار کا ہونا اور قرض سے فارغ ہونا ضروری ہے، دوسری قسم زراعت کی وہ ہے جس کی نسبت فرمایا ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اس لئے شخص مذکور بوجہ قرض داری کے پہلی قسم ادا نہیں کر سکتا۔ دوسری قسم تو ادا کر سکتا ہے، جو ہر سال میں حسب وسعت فرض ہے،

فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۴۸۶

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام درج ذیل مسائل میں ؟ :۔

کیا چاہی اور بارانی غلہ میں ملاکر زکوٰۃ ادا کی جائے، غلہ کی مختلف اجناس کا کیا حکم ہے؟ چکونہ یا بٹائی کے واتے ملاکر نصاب پورا ہو جائے، تو کیا عشر دینا پڑے گا؟

۱ :۔ اگر غلہ پچاس من ہو، جس میں بارانی بتیس من گندم اور چاہی بیس من ہو تو اس پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کتنا۔ نیز اس کے پچیس من چنے ہیں۔

۲ :۔ ایک شخص کے پاس تیس بکریاں اور پندرہ بھیڑیں ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ ہے ؟

۳ :۔ ایک شخص کے پاس ۷۵ من اناج ہے، اس نے ۲۵ من اناج پہلے اُدھار دینا ہے، اور پانچ من خرچ کمی کا دینا ہے، اب عشر ۷۵ من پر ادا کرے یا ۴۵ من پر ؟

۴ :۔ اگر زمین بٹائی پر ہو، اور غلہ ۳۵ من ہو، لیکن ایک شخص عشر دینا اور دوسرا نہ دینا چاہتا ہو تو کیا اس اکیلے پر عشر واجب ہے یا نہیں ؟ (قاسم علی چشتی نورسر ضلع بہاولنگر)

جواب :۔ ۱ :۔ غلہ ایک موسمی ملایا جائے گا، خواہ چنے ہوں یا گندم یا جو چاہی یا بارانی۔ ہاں عشر نکالنے میں چاہی اور بارانی کا فرق ہے، بارانی کا دسواں اور چاہی کا بیسواں۔ اسی طرح بھیڑیں بکریاں بھی نصاب میں ملائی جائینگی۔ کیونکہ نصاب کے لحاظ سے سب ایک جنس ہیں، نیز حدیث

میں عنہم کا لفظ آیا ہے۔ جو بھیڑ بکری دُنبہ سب کو شامل ہے، اسی طرح غلہ کی نسبت حدیث میں تصریح آئی ہے، ۔ ما سقت السماء ففیہ العشر (الحدیث) یعنی جو جنس کھیتی، بارش یا چشموں وغیرہ سے پرورش پائے یا زمین سے اپنی جڑوں کے ساتھ پانی کھینچ لے، اس میں عشر ہے، اس میں گندم۔ جو۔ چنے وغیرہ الگ الگ ذکر نہیں کیا بلکہ "ما" کے لفظ میں سب کچھ جمع کر دیا ہے، جس حدیث میں پانچ وسق (بیس من پختہ انگریزی) آیا ہے، اس میں الگ نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ نصاب کے لحاظ سے یہ سب جنسیں ایک ہیں۔ سب کو ملا کر نصاب پورا ہو گیا، تو عشر دینا پڑے گا، اور اخبار تنظیم اہل حدیث کے زکوٰۃ نمبر میں ہم نے سونے چاندی کو بھی ملا دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گندم اور چنے وغیرہ اور بھیڑ بکری وغیرہ میں اتنی مناسبت نہیں جتنی سونے چاندی میں ہے، دونوں سے زیور بنتا ہے، دونوں ایک اہم مقصد میں متفق ہیں، یعنی دونوں ثمن بنتے ہیں اور دوسری اشیاء کی خرید و فروخت کا ذریعہ ہیں۔ ایک کی جگہ دوسرا لینے میں فرق نہیں سمجھا جاتا یعنی عام لین دین میں اشرفیوں کی جگہ روپے اور روپیوں کی جگہ اشرفیاں استعمال ہوتی ہیں، اس چیز نے گویا ان کو بالکل ایک کر دیا۔ پس گندم، چنے، جو وغیرہ یا بھیڑ، بکری، دُنبہ وغیرہ سے ان کا ملانا زیادہ مناسب ہے، اس کے علاوہ چاندی کے نصاب میں تو حدیث صحیح آئی ہے، اور سونے کے نصاب کی حدیث صحیح نہیں۔ ہاں ضعیف ہے کہ بیس قیراط یعنی ساڑھے سات تولہ ہے، اور ضعیف میں شبہ رہتا ہے، کہ بیس قیراط شاید چاندی کے نصاب ساڑھے باون تولہ کی اس وقت کے لحاظ سے قیمت لگائی گئی ہو، اس لئے ملانے میں احتیاط ہے، آگے ملانے کی صورت میں اختلاف ہے، امام محمدؒ ملانے میں قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ وزن کا مثلاً ساڑھے باون تولہ کا نصف سوا چھبیس تولہ چاندی ہو، اور بیس قیراط نصف دس قیراط سونا ہو، مگر دس قیراط کی قیمت چھبیس تولہ چاندی نہ ہو، بلکہ کم ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہو گی، اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں ہو گی اور اگر سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت دس قیراط نہ ہوں، بلکہ کم ہوں تو اس صورت میں بھی امام محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہو گی، لیکن ملانے کی یہ جو دوسری وجہ ہم نے بیان کی ہے،

کہ شاید بیس قیراط ساڑھے باون تولہ کی اس وقت کے حساب سے قیمت لگائی گئی ہو، یہ چاہتی ہے کہ چاندی کی قیمت دس قیراط کے ساتھ لگائی جائے۔ نہ کہ عکس (یعنی دس قیراط کے ساتھ) اور یہ وجہ امام محمدؒ کے مذہب کو تائید دیتی ہے، کہ سونا چاندی کے ملانے میں قیمت کا اعتبار ہو نہ کہ وزن کا، مگر امام محمدؒ کا عکس کے قائل ہونا اسکے خلاف ہے۔

ہاں اگر یہ کہا جائے، کہ چونکہ ان میں فرق نہیں سمجھا جاتا، جیسے پہلی وجہ میں ہم نے بیان کیا ہے، کہ عام طور پر لین دین میں ایک کی جگہ دوسرا لیا جاتا ہے، اس لئے امام محمدؒ عکس کے قائل ہوگئے تو اس صورت میں امام محمدؒ پر کوئی اعتراض نہیں۔

خیر یہ تو ملانے کا مسئلہ تھا، اب اُدھار کا سنیئے۔ اُدھار کا مسئلہ یہ ہے، کہ اگر اُدھار جائیداد کو محیط ہو تو پھر عشر نہیں۔ ورنہ عشر ہوگا۔ محیط ہونے کا مطلب یہ ہے، کہ اتنا قرض ہو کہ اس کی ساری جائیداد اس میں بک سکے۔ کمیوں کا خرچ الگ نہیں کیا جاتا جیسے خرچ نوکر یا آلاتِ زرعی یا بیج وغیرہ الگ نہیں۔ زمین کا چکوتہ اس وقت کے حساب سے نکال لیا جائے، کیونکہ وہ اس کی آمد میں شامل نہیں، ہاں نصاب میں چکوتہ کے دانے شامل ہوں گے، اور حساب عشر میں دانے الگ کر لئے جائیں گے۔ ان کا عشر ان کا مالک دے گا، بٹائی کا بھی یہی حکم ہے۔

حدیث میں چارپاؤں کی نسبت آیا ہے، کہ ان سے مشترکہ طور پر زکوٰۃ وصول کرنی چاہیئے اور شریک اپنا حساب ٹھیک کرلیں، سو غلہ کی نسبت بھی اسی طرح ہونا چاہیئے، خواہ چکوتہ ہو یا بٹائی، مگر مالکِ زمین ارا‌ضی نہ ہو تو یہ اپنے حصے کا دیدے۔ عبداللہ امرتسری

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ شمارہ ۲۳

سوال:۔ کھیت میں کئی شریک ہوں تو عشر کا کیا حکم ہے؟

چار اشخاص مثلاً زید، عمرو، بکر، خالد آپس میں ذی قرابت یعنی پہلے تین بیٹے اور چوتھا باپ ہے، یہ چاروں علیحدہ علیحدہ گھر والے ہیں، ہر ایک کا خرچ اپنی جمیع ضروریات ملبس، ماکل وغیرہ میں علیحدہ علیحدہ ہے، لوگ ان کو چند گھماؤں زمین للٹد کاشتکاری غلہ کے لئے دیتے ہیں۔ اب یہ چاروں ہل، بیل وغیرہ لوگوں سے عاریۃً لے کر زمین بجواتے ہیں پھر ذرا عت کاٹ کر جھگڑا

وغیرہ زراعت کا اسباب عاریتہً لے کر اناج غلہ اٹھا لیتے ہیں، اب جو غلہ ان کی محنت سے پیدا ہوا اگر چاروں کا حصہ یکجا جمع کیا جائے۔ بلا تقسیم کے تو غلہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے، اور اگر ہر ایک کا حصہ علیحدہ کیا جائے، تو فرداً فرداً چاروں حصے نصاب زکوٰۃ سے کم رہ جاتے ہیں۔

اشخاص مذکور ہر سال غلہ اٹھاتے ہی غلہ تقسیم کر کے اپنے اپنے گھر ڈال لیتے ہیں، چنانچہ امسال بھی انہوں نے ایسا ہی کیا، اور نیز یاد رہے کہ ان کی یہ غلہ تقسیم حسب فرمان نبویؐ خشیۃ للصدقۃ کے نہیں ہے، بلکہ غلہ مذکور مجموع نصاب سے کم رہے، تب بھی بوجہ علیحدگی خانہ داری کے تقسیم کر لیں گے، اجتماع ان کا زراعت کے کام میں ہے کہ چاروں ملنے سے زراعت کا کام بوجہ عاریتہً لینے آلاتِ زراعت کے جلدی طے ہو جائے گا، اور علیحدہ علیحدہ زراعت کرنے سے وقت ہو گی۔ بوجہ کم ہونے زمین کے تو اب آپ مہربانی کر کے جواب مدلل موافق قرآن و حدیث کے بیان فرمائیں کہ آیا ان کو غلہ مذکور جمع کر کے چاروں حصوں کا عشر نکالنا چاہیے۔ یا بوجہ ہر ایک حصہ نصاب زکوٰۃ کو نہ پہنچنے کے عشر نہ نکالنا چاہیے۔ مہربانی کر کے جواب جلدی تحریر فرما دیں بلکہ اخبار تنظیم اہلحدیث میں شائع کر دیں تو زیادہ بہتر ہو گا، بینوا و توجروا (دین محمد از سرگودھا)

جواب:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ مختلف شخصوں کی اکٹھی شئے کا حکم مسئلہ زکوٰۃ میں ایک شخص کی شئے ہے چنانچہ بکریوں وغیرہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، ہر ایک کی بکریاں نصاب تک نہ پہنچتیں، مگر اکٹھی ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ پڑ جاتی ہے۔ خشیۃ للصدقۃ کو وجوب زکوٰۃ میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ اکٹھی ہونے کو دخل ہے، اگر اکٹھی ہونے کو دخل نہ ہوتا تو صدقہ کے ڈر سے جدا کرنے کے کیا معنی؟ پس جب اکٹھی کو دخل ہوا تو صورت مسئولہ میں عشر پڑ جائے گا خواہ ہر ایک کا حصہ کو پہنچے یا نہ (عبداللہ امرتسری، روپڑی)

تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۲۳

سوالات:۔ فرض کرو غلہ بیس ۲۰ من مئی کے مہینہ میں بارانی زمین سے حاصل ہوا۔ اب زکوٰۃ کا مہینہ ہے، کس حساب سے زکوٰۃ دینی ہے۔ کیا جتنا غلہ اس وقت آیا تھا، اس کا دسواں حصہ یا جتنا

اس وقت موجود ہے، اُس کا دسواں حصّہ کیا غلّہ جتنا آیا تھا، اس میں سے سال بھر کا خرچ نکال کر زکوٰۃ دینی ہے، یا سارے پر؟

زیور پر ایک ہی دفعہ زکوٰۃ ہوتی ہے، یا ہر سال اسی زیور کی زکوٰۃ دینی ہے جو ہمیشہ سے ایک ہی ہے، نہ کم ہؤا نہ زیادہ۔

فرض کرو کہ اس وقت ایک ہزار روپیہ گھر میں موجود ہے، اور دو صد اُدھار پہ ہے، جس کا پتہ نہیں، کب وصول ہوگا۔ کیا صرف ایک ہزار کی زکوٰۃ دینی ہے، یا اُدھار ملا کر ۱۲۰۰ روپے پر دینی ہے؟

(آغا عبد الغنی)

جوابات:۔ زمین کی پیداوار میں کاٹنے کے وقت بھی زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے، اس لئے اب بیس من سے دو من غلّہ ادا کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَاٰتُوْحَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ اس سے سال بھر کا خرچہ نہیں لیا جائے گا، فیما سقت السماء ... العشر بخاری۔

۲:۔ زیور اگر نصاب ۵۲½ تولہ چاندی اور ۷½ تولہ سونا کو پہنچ جائے تو اس وقت ہر سال زکوٰۃ دینی پڑے گی، اگرچہ زیور میں زکوٰۃ کے متعلق اختلاف ہے، مگر صحیح بات یہی ہے، اور احادیث صحیحہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، (دیکھو ابوداؤد) مائی ام سلمہؓ سے زیور کے بارے میں پوچھا گیا۔ کیا یہ کنز ہے؟ یعنی اس میں وعید ہے، آپ نے فرمایا اِذَا اَدَّیْتِ زَکَاتَهٗ فلیس بکنز اور جب زکوٰۃ ادا کی جائے تو اس میں وعید نہیں ہے۔

۳:۔ قرض جب وصول ہوگا، تو اس وقت اس سے زکوٰۃ دی جائے گی، صورت مذکورہ میں صرف ایک ہزار کی زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ کیونکہ زکوٰۃ مال سے ادا کرنی ہوتی ہے، جب موجود نہیں ہے، تو اب اس سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جا سکتی۔

از قلم حضرت العلام حافظ محمد صاحب مدظلہ العالی امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان

الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۱۵

سوال:۔ پاکستان میں غیر مسلموں کی متروکہ زمین جس پر حکومت پاکستان نے مہاجرین کو آباد کیا ہے، اس کی پیداوار پر عشر ہے یا نہیں؟ جب کہ ہم مہاجرین تین گنا معاملہ ادا کرتے ہیں، زمین

نہری ہو یا چاہی اور خراجی زمین کے متعلق بھی وضاحت فرمادیں۔ کہ پاکستانی زمین خراجی ہے یا نہیں؟

۲:۔ ہمارے چک میں جماعت نے اپنا بیت المال قائم کیا ہوا ہے، کیا اس میں جو اجناس یا روپیہ جمع ہو، وہ آئندہ سال تک ختم ہو جانا چاہیئے یا بچ بھی رہے تو کچھ حرج نہیں؟

۳:۔ اگر بیت المال میں سے کسی ایسے شخص کو اناج یا روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں جو کہ ایسا غریب نہیں ہے کہ صدقہ کا مستحق ہو، اور وقتی ضرورت بھی ہے، پھر وہ قرض بھی ادا کر سکتا ہے۔

ان سوالات کے جوابات قرآن و حدیث کے دلائل سے نہایت وضاحت سے بیان فرمادیں تاکہ ہماری جماعت کا اختلاف دور ہو۔ (احمد دین ناظم جماعت اہلحدیث چک نمبر ۸۰ گ ب (لائلپور)

جوابات:۔ مذکرہ بالا سوالات کے متعلق کوئی صریح حدیث میری نظر میں نہیں ہے، میں اپنا فہم عرض کر رہا ہوں، اس لئے آپ کو اس پر قانع ہونے کی ضرورت نہیں، بہتر ہے، کہ تسکین کے لئے علماء کی طرف رجوع کر لیا جائے،

۱:۔ پاکستان میں بعض زمینوں کی ملکیت متنازع فیہ ہے، جب تک دونوں حکومتیں فیصلہ نہ کریں، یہاں کی زمین کے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، الاٹ منٹوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے، کہ بتدریج مستقل ملکیت کی طرف رجحان ہو رہا ہے، معاملہ کی شرح میں اس قدر اضافہ، یہ ظالمانہ فعل ہے، جس پر حکومت کو نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ اس کے باوجود صحیح مسلک کے مطابق ان پر عشر واجب ہو گا حکومت لاعلمی کی وجہ سے معاملہ تو خراج کی طرح وصول کر رہی ہے، جو اسے انگریزی وراثت میں ملا ہے، حالانکہ زمین کی اسی نوعیت پر سب سے پہلے غور کرنا چاہیئے تھا، چونکہ معاملہ زمین کی رقم کے مصارف اور عشر و زکوٰۃ کے مصارف الگ الگ ہیں، اس لئے معاملہ کی اس کثرت کے باوجود عشر اور زکوٰۃ کی فرضیت رہے گی۔

۲:۔ بیت المال میں زکوٰۃ آجانے کے بعد اسے سال میں ختم کرنا ضروری نہیں، بلکہ حسب ضرورت ختم کرنا چاہیئے، بیت المال کے مصارف کی نوعیت کا تعین حکومت کا فرض ہے، یا ان لوگوں کا جو بیت المال کا انتظام کریں۔

۳:۔ زکوٰۃ کے مصارف قرآن میں متعین اور معلوم ہیں۔ ان میں صرف کرنا ضروری ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الآیۃ قرض دینے کے متعلق کوئی نص نظر میں نہیں۔ لیکن اگر اس عمل سے فقراء و مساکین کے حقوق کو نقصان نہ پہنچے۔ تو کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، فقراء اور مساکین کی ضرورت کو بر وقت پورا ہونا چاہیئے۔

محمد اسماعیل گوجرانوالہ

(الاعتصام گوجرانوالہ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۱ء شمارہ نمبر ۲۰، جلد نمبر ۳)

سوال:۔ آج کل ٹھیکیدار زمین ٹھیکہ پر لیتے ہیں، جو کہ فی مربعہ سال کے لیئے دو صد یا چار صد مقرر کیئے جاتے ہیں، نیز معاملہ سرکاری اس کے علاوہ ادا کرتے ہیں، ایسی صورت میں جو پیداوار گندم یا کپاس وغیرہ کی ہوتی ہے، اس میں عشر کی صورت ہے، آیا رقوم ٹھیکہ و معاملہ پہلے وضع کرے جاویں بعدہٗ عشر نکالا جاوے یا پہلے عشر نکالا جاوے؟

جواب:۔ تنصیصات کتاب و سنت اور قاعدہ اَلنُّصُوْصُ تُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاهِرِهَا سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عشر پہلے نکالا جائے بعدہٗ تمام اخراجات پورے کیے جائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے، وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ یعنی جیسے دیگر اموال نقدی روپے پیسے وغیرہ کی زکوٰۃ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ۔ ایک سال گزرنے پر فرض ہے، اتنا سال میں جو خرچ ہو گیا کھا پی لیا، اس میں کچھ نہیں اختتام سال پر جو موجود ہو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ ایسا زمین کا حساب نہیں بلکہ زمین کی پیداوار پر کھیت کٹتے ہی فی الفور زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، چنانچہ حکم ہے، "اور دو تم حق اُس کا دن کاٹنے اس کے کے"، نیز دوسرے مقام پر ارشاد عالی ہے:۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ یعنی اے ایمان والو! خرچ کرو پاکیزہ اس چیز سے کہ کمایا تم نے اور اس چیز سے کہ نکالا ہم نے واسطے تمہارے زمین سے۔

وجہ استدلال آیت ہذا سے یہ ہے کہ زمین سے جتنا غلہ پیدا ہوا ہے، مَاۤ اَخْرَجْنَا کے اندر داخل ہے، جس شخص نے غلہ اٹھالیا، اور اس میں سے نصف یا ثلث یا اور کچھ کم و بیش خرچ کرتے

کے بعد عشر نکالا تو اس نے آیت ہذا کے خلاف کیا تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن جلد ا صـ۳۵۶ میں تحت آیت ہذا مرقوم ہے۔ وَقَالَ عَلِیٌّ یَعْنِیْ مِنَ الْحَبِّ وَالثَّمَرِ وَشَیْءٍ عَلَیْہِ زَکوٰۃٌ وَقَالَ مُجَاھِدٌ مِنَ الثِّمَارِ وَظَاھِرُ الْاٰیَۃِ یَدُلُّ عَلٰی وُجُوْبِ الزَّکوٰۃِ فِیْ کُلِّ مَا اَخْرَجَ مِنَ الْاَرْضِ یعنی زمین سے جتنی چیزیں پیدا ہوں، حبوب ثمار سب پہ زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ ما اخرجنا کے عموم میں داخل ہے، ہاں جن اشیاء مثلاً بتن دبھس) بقول، خضروات، فواکہات، کھیرے، لگڑی، ساگ پات وغیرہ کو شریعت نے مخصوص و مستثنیٰ کر دیا ہے، وہ آیت ہذا کے عموم سے خارج ہیں۔ ان کی جنس پر زکوٰۃ نہیں قیمت پر ہے، بعض لوگوں نے آیت ہذا سے نفلی صدقہ مراد لیا ہے، لیکن ایک جماعت سلف سے صدقہ مفروضہ منقول ہے، وقد ذھب جماعۃ من السلف الی ان الاٰیۃ فی الصدقۃ المفروضۃ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی ثابت ہے، کہ یہ آیت زکوٰۃ مفروضہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وعن علی قال نزلت ھٰذہ الاٰیۃ فی الزکوٰۃ المفروضۃ (فتح البیان صـ۲۵۷) نیز موطا امام مالکؒ مطبوعہ مجتبائی کے صـ۱۱۸ میں مسطور ہے۔ قال المالک والحبوب التی فیھا الزکوٰۃ الحنطۃ والشعیر والسلت والذرۃ والدخن والارز والعدس والجلبان واللوبیا والجلجلان وما اشبہ ذلک من الحبوب التی تصیر طعاما فالزکوٰۃ تؤخذ منھا کلھا بعد ان تحصد وتصیر حبا قال والناس مصدقون فی ذلک ویقبل منھم فی ذلک ما دفعوا قال یحییٰ وسئل مالک متی یخرج من الزیتون العشر اقبل النفقۃ ام بعدھا فقال لا ینظر الی النفقۃ ولکن یسئل عنہ اھلہ کما یسئل اھل الطعام عن الطعام الخ یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام دار الہجرت فرماتے ہیں۔ جن غلہ جات میں زکوٰۃ و عشر فرض ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں، گیہوں جو، پیغمبری جو (جو برہنہ) جوار، ارزن یعنی چینا و کنگنی، برنج یعنی چاول، مسور، ماش، لوبیہ، تل اور مانند ان کے باجرہ، مونگ، ہرہر، چنا، مٹر وغیرہ جن پر طعام کا اطلاق آ سکتا ہو، ان سب کی زکوٰۃ بعد کاٹنے، گاہنے صاف کرنے اٹھانے کے لی جائے گی، اور اس بارے میں زمینداروں کا اعتبار کیا جائے گا، جتنا وزن غلہ کا وہ اپنی دیانت و امانت و آخرت کو مدنظر رکھ کر بتائیں اسی وزن کے حساب سے مصدق، عامل، تحصیلدار کو چاہیئے کہ زکوٰۃ لے بیجا کر بدو وجت

بحث نہ کرے۔

یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ زیتون وغیرہ کی زکوٰۃ خرچ اخراجات (معاملہ) وغیرہ ادا کرنے سے پہلے نکالی جائے، یا بعد۔ پس جواباً فرمایا کہ نہ مہلت دی جائے طرف نفقہ کے لیکن دریافت کیا جائے، اس کے اہل سے جیسا کہ دریافت کیا جاتا ہے، اہل طعام سے اور تصدیق کیے جائیں، وہ یعنی جتنی پیداوار وہ اپنی ایمانداری سے بتائیں اس کی زکوٰۃ لے لی جائے۔

نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب مسوی شرح موطا کے ص۲۱۳ میں بایں الفاظ باب منعقد کیا ہے، باب توخذ الزکوٰۃ من الزرع والنخیل عند الحصاد الخ قال مالک فی قولہ تعالیٰ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ان ذلک الزکوٰۃ یعنی آیت ہذا میں حق سے مراد زکوٰۃ ہے، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب مصفی شرح فارسی موطا میں تحت باب مندرجہ بالا رقمطراز ہیں، مترجم گوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ واجب می شود اداء زکوٰۃ نزدیک حصاد یعنی درو دن وجائز می شود اداء زکوٰۃ نزدیک بدو صلاح واشتداد حب زیرا کہ خرص دریں صورت مشروع شدہ است و بخرص بر ذمہ مالک مقرر می شود یعنی کھیتوں کی کٹائی اٹھائی کے وقت زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، اسی واسطے پھلوں کی پختگی وظہور صلاحیت کے وقت ان کا اندازہ کرنا بغرض وصولی زکوٰۃ مشروع وجائز ہے، اور اسی اندازہ کے مطابق مالک ذمہ زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، مقصد یہ کہ اگر رقوم معاملہ وخرچہ وغیرہ کی ادائیگی کے بعد زکوٰۃ لینے کا حکم ہوتا ہے شریعت ان چیزوں کے بعد خرص یعنی اندازہ کرنے کا حکم دیتی واذلیس فلیس۔

ہاں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اتنی رعایت ثابت ہے، کہ جو زمین چاہی نہری ہو، یعنی اس کا آبیانہ ادا کرنا پڑتا ہو، اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے، اور جو زمین بارانی ہو یعنی اس پر پانی وغیرہ کا خرچ نہیں آتا، اس میں عُشر (دسواں حصہ) ہے، بنا بریں حدیث ہذا اگر کہا جائے تو غالباً بعید از صواب نہ ہوگا، کہ جس زمین کا معاملہ سرکاری بھرنا پڑتا ہو، اس میں سے بوجہ کثرت نفقہ کے نصف دے دیا جائے، اگرچہ وہ بارانی ہی ہو کیونکہ

زمین چاہی میں خرچ ہی کی وجہ سے نصف عشر مقرر کیا گیا ہے۔

فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص ۱۹۶

توضیح: عشر یا نصف عشر زیادہ خرچ کی وجہ سے نہیں، بلکہ مشقت اور محنت کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے، چونکہ بارانی فصل میں محنت اور مشقت کم ہے، لہٰذا عشر کا حکم دیا، اور چاہی نہری میں مشقت زیادہ ہے، اس لئے نصف عشر کا حکم ہے۔

(الراقم علی محمد سعیدی خانیوال)

سوال: جناب نے بیان فرمایا ہے، ماہ ربیع الاول ۵۹ھ کے رسالہ میں ص۱۵ سوال ۴۹ کے جواب میں کہ کھیتی کی زکوٰۃ کھیت کٹتے ہی دی جائے، بخلاف روپے کی زکوٰۃ کے کہ اس میں سال گزرنے پر دی جائے۔ کیا جو مالک نصاب نہیں، جیسا کہ روپے کی زکوٰۃ سال گزرنے پر دی جائے گی، تو مقروض کے پاس تو سال گزرنے تک روپیہ رہنے کا ہی نہیں، اور کھیتی کی کھیت کٹتے ہی دی جائے گی، تو کیا مقروض شخص کو بھی کھیتی کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور کوئی شخص زمیندار جو چار آنہ فی بیگہ سال اور غیر زمیندار ۱۲ ر وعلاوہ ر ۱ ر وللعہ ر اور اس سے بھی زائد لگان دخراج ادا کرتے ہیں۔ کیا سب کو دسواں حصہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔

جواب: جو شخص صاحب نصاب نہیں اس پر زکوٰۃ بھی نہیں۔ جس مقروض کے پاس سال گزرنے تک روپیہ نہیں بلکہ اس نے قبل از اختتام سال دائن کو سب روپیہ ادا کر دیا اسی طرح تمام غلہ قرض خواہ کو دے دیا، اور اس کے ملک میں زکوٰۃ کے قابل نہیں بچا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں جو مدیون دائن کو روپیہ وغیرہ ابھی نہ دے، اپنے پاس رکھے، اور زکوٰۃ کا وقت آجائے، تو برابر اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی، جیسے لوگوں کا قرض واجب الادا ہے، اس سے کئی درجہ زیادہ زکوٰۃ اللہ کا قرض ہے۔ فدین اللہ احق بالقضاء، تیرہ ہر زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر (جیسی صورت) لازم و فرض ہے، بشرطیکہ مالک پیداوار مسلمان ہو، اور پیداوار نصاب کو پہنچ جائے، خواہ زمین خراجی ہو یا عشری اور خواہ زمین مالک پیداوار کی مملوک ہو یا نہ ہو یعنی مالک پیداوار زمیندار ہو یا غیر زمیندار بہر صورت عشر یا نصف عشر لازم ہے، کیونکہ ادلہ وجوب عشر و نصف

عشر عام ہے، کما قال تعالیٰ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر (متفق علیہ)

الغرض زمین کا خراج، لگان، معاملہ، محصول، آبیانہ ادا کرنا پڑتا ہو یا نہ پڑتا ہو ہر حالت میں زکوٰۃ واجب ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ جس زمین پر آبیانہ وغیرہ کا خرچ کافی پڑتا ہے، اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے، اور جس پر خرچ وغیرہ نہیں آتا، اس میں عشر دسواں حصہ ہے، جو لوگ زمین کے لگان خراج وغیرہ کی وجہ سے وجوب زکوٰۃ کے قائل نہیں ان کا قول غلط و باطل ہے۔ لانہ قد صح عن عمر بن عبد العزیز انہ قال لمن قال انما علی الخراج الخراج علی الارض والعشر علی الحب اخرجہ البیہقی من طریق یحیی بن آدم فی الخراج لہ وفیہا عن الزہری لم یزل المسلمون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ یعاملون علی الارض ویستکرونہا ویؤدون الزکوٰۃ عما یخرج منہا وفی الباب حدیث ابن عمر فیما سقت السماء عشر (متفق علیہ) ویستدل بعمومہ انتہیٰ۔ یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم چونکہ زمین کا خراج و لگان وغیرہ ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ان کو امیر المومنین عمر ثانی عمر بن عبد العزیز نے یہ دنداں شکن جواب دے کر ساکت کر دیا کہ خراج زمین پر ہے، اور زکوٰۃ (عشر) دانوں یعنی زمین کی پیداوار پر ہے، امام بیہقی نے اس کو بطریق یحییٰ بن آدم روایت کیا ہے، نیز امام بیہقی کی کتاب الخراج میں امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے، کہ عہد نبوی سے برابر یہ دستور چلا آیا ہے، مسلمان زمین کی کاشت کرتے زمینیں بٹائی وغیرہ پر دیتے لیتے تھے، اور اس کی کل پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے، حدیث ابن عمرؓ سے بھی یہی امر مستفاد ہوتا ہے، کہ شارح علیہ السلام کی جانب سے عشر یا نصف عشر ہے، لگان و معاملہ وغیرہ مسلمانوں پر شاہی ایجاد ہے شرعی حکم نہیں، اگر لگان زمین کا جو خلاف شرع ہو، خواہ وہ ۴ر فی بیگہ ہو یا ۴؍ یا اس سے زائد زمیندار پر ہو یا غیر زمیندار پر ادا نہ کیا جائے، تو شرعاً کوئی حرج نہیں، اور زمیندار ہو یا غیر زمیندار اگر زکوٰۃ (عشر) نہ ادا کرے تو شرعاً سخت مجرم، یعنی کافر ہے، حدیث میں ہے، مَنْ لَّمْ يُزَكِّ فَهُوَ لَيْسَ بِمُسْلِمٍ جو

زکوٰۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں۔

مسئلہ ہذا کے متعلق ائمہ اربعہ کا مذہب علماء کے مابین یہ مسئلہ معارک عظیم سے ہے، امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا یہ مذہب ہے، کہ خراج و عشر دونوں لازم ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں سوائے خراج کے اور کچھ لازم نہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج اھ فتح القدیر میں ہے، وقال الشافعی ومالک واحمد یجمع بینھما لانھما حقان ذاتا ومحلا وسببا ومصرفا اھ گو صاحب ہدایہ نے اپنے مدعا کے اثبات میں تین ادلہ قائم کئے ہیں۔ مگر حنفی مذہب کے بڑے ٹھیکیدار امام ابن ہمام مصنف فتح القدیر نے تینوں کو مخدوش و منظور فیہ قرار دیا ہے، نیز علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی نے اپنی کتاب تفسیر مظہری میں صاف لکھ دیا ہے، ولم یثبت منع الجمع بین العشر والخراج بدلیل شرعی۔ یعنی عشر اور خراج میں تفریق کرنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں (کہ وہ دلیل خراجی زمین سے عشر کو مانع ہو) بعض حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی امام جائر یا عادل سے خراجی زمین کا عشر لینا صراحۃً ثابت و مذکور نہیں نہ خلفاء اربعہ سے نہ دیگر کسی صحابی وغیرہ سے پس ثابت ہوا کہ اس پر تمام صحابہ کا اجماع تھا، لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے اس دعویٰ اجماع کو بالکل توڑ دیا ہے فرماتے ہیں۔ لا اجماع مع خلاف عمر بن عبد العزیز والزھری بل لو یثبت عن غیرھما النص بخلافھما انتھی۔ یعنی عمر بن عبد العزیز و امام زہری جیسے حضرات سے اس کے خلاف منقول ہے، تو پھر اجماع کہاں رہا۔ بلکہ ان دونوں کے سوائے کسی سے بھی اس کے خلاف تصریح ثابت نہیں۔ پس مسئلہ ہذا میں جو کچھ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ دوم کا بھی مسلک ہے، لانہ کان متبعا لہ مقتفیا لاثارہ۔ رہا صاحب ہدایہ کا حدیث لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم سے استدلال کرنا، سو اول تو حنفیہ کے امام ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ وھو حدیث ضعیف دوم علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درایہ ص ۲۶۸ میں لکھا ہے کہ حدیث لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم الی قولہ وفیہ یحیی بن

عنبسۃ وھو داہ وقال الدارقطنی ھو کذاب یعنی یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں یحییٰ بن عنبسہ راوی واہی اور کذاب ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ صاحب ہدایہ کا اس سے استدلال پکڑنا بالکل غلط ہے، کیوں کہ حدیث میں لفظ ''مسلم'' کا صاف بتارہا ہے کہ مسلمان پر یہ دونوں چیزیں نہیں یعنی امام وقت و بادشاہ وقت کو چاہیئے کہ ایک مسلم شخص پہ زکوٰۃ کے ہمراہ خراج لگان وغیرہ نہ لگائے اگر کوئی بادشاہ اس مسلمان پر جو صاحب نصاب ہے، اور پورے طور پہ موافق شرح زکوٰۃ ادا کرتا ہے، خراج ولگان وغیرہ لگادے اور، جبراً اس سے وصول کرے تو یہ اس کا اپنا جور و استبداد ہے، شرعی حکم نہیں۔ ہاں شرعاً اس مسلمان کو بھی ہرگز حق حاصل نہیں کہ حکام وقت کا مقرر کردہ خراج تو ادا کرے، مگر اس احکم الحاکمین کا مقرر کردہ عشر ہضم کر جائے، اور ادا نہ کرے، اگر ایسا کرے گا، تو یوم الحساب میں اس ذی الجبروت والملکوت کو کیا جواب دے گا، بجز تحسر، افسوس، ندامت خجالت، حسرت کے کچھ بن نہ پڑے گا، اور عذاب الٰہی میں مرکوس و منکوس ہو جائے گا۔ فقط

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق مئی ۱۹۴۰ء جلد ۲۰ نمبر ۱۴) (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ ص ۲۰)

فتویٰ عشر پر ایک نظر

جناب حضرت العلام علامۃ الدہر و مجتہد العصر حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی متع اللہ المسلمین بطول حیاتہم کا علم و فضل مسلم ہے، آپ جامع معقول و منقول ہیں، ماہر اصول و فروع ہیں، خصوصاً میری عقیدت میں آنجناب بحر العلوم ہیں، جن پر جماعت کو بجا طور پہ ناز ہے کئی بار کا تجربہ ہے، کہ راقم الحروف نے مسائل مختلف فیہا میں حضرت العلام سے تبادلہ خیالات کیا، تو آپ مجھے علمی سمندر کی اتنی گہرائی میں لے گئے کہ وہاں پہنچ کر غوطے کھانے لگا، آخر آپ ہی نے اطمینان دلا کر بفضل خدا سلامتی سے باہر نکال لیا، تو میں نے آپ کا یہ کمال دیکھ کر یہ کہا:۔

عالم بین العلوم کامل بین الکمال ۞ مثلہ ماجاء شخص فی الدھر والزمن

لیکن بندہ کسی جامع العلوم سے کتنی ہی حسن عقیدت رکھتا ہو، ان کی بات کو بلا دلیل تسلیم نہیں کیا کرتا۔

بلکہ اس کو تقلید تصور کرتا ہوں، اس لئے ہر شرعی مسئلہ کی دلائل سے تحقیق کرنے کے درپے رہتا ہوں، جب تک اس مسئلہ کی دلیل سمجھ میں نہ آئے، کبھی نہیں مانتا۔ چنانچہ ایسے ہی حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی کا یہ فتویٰ کہ ”جو شئے ذخیرہ ہو سکے، اس سے عشر دینا پڑے گا، راجح مذہب یہی ہے۔“

میری سمجھ سے بالاتر ہے، کہ اس کی نہ کوئی دلیل بعبارۃ النص حضرت ممدوح کے مضمون میں مل سکی، اور نہ ہی دیگر کتب شرعیہ میں۔ ہاں یہ ائمہ دین میں سے کسی امام مجتہد کا اجتہاد ہو جس کی اتباع حضرت العلام نے فرمائی ہو، تو یہ ممکن ہے، لیکن ؎

ما اہلِ حدیثیم دغا را نشناسیم ٭ با قولِ نبی چون و چرا نشناسیم

اگر اجتہاد مجتہد اور قول خلاف عبارۃ النص حجت ہے، تو پھر علماء اہل حدیث کو مجتہد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک مان لینا چاہیئے، کہ ”زمین کی ہر پیداوار قلیل و کثیر میں عشر واجب ہے“ کہ اس میں احتیاط بھی ہے، اور ظاہر قرآن مما اخرجنا لکم من الارض کے مطابق بھی ہے، لیکن حدیث نصاب خمسۃ ادسق سے دست بردار ہونا پڑے گا، اگر یہ تسلیم نہیں تو پھر یہ بھی تسلیم نہیں کہ ”ہر شئے ذخیرہ ہو سکنے والی میں عشر ہے“، کہ یہ مندرجہ ذیل دلائل کے سراسر خلاف ہے، جن کا کوئی مسکت جواب نہیں ہے، **دلیل اول**، تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صہ۱۴ میں ہے،

رواہ الحاکم فی المستدرک عن معاذ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والبلی والسیل العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر وانما یکون ذلک فی التمر والحنطۃ والحبوب۔ واما القثاء والبطیخ والرمان والقصب فقد عفی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال الحاکم صحیح الاسناد۔ ”یعنی حاکم نے مستدرک میں معاذ رض سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کو بارش نے پانی پلایا۔ تر و تازگی زمین نمناک سے پیدا ہوئی یا سیلاب سے سیراب ہو کر پیدا ہوئی۔ اس چیز میں دسواں حصہ ہے، اور جس پیداوار کو پانی نکال کر دیا جائے، اس میں بیسواں حصہ ہے، اور کھجور اور گندم اور غلہ میں ہے، لکڑی، کھیرے اور کدو خربوزے، اور انار اور گنا پونڈا۔ بانس سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشر معاف

کر دیا ہے،، اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ زراعت اور باغ کی ان چیزوں میں زکوٰۃ ہے جو طعام کے طور پر استعمال میں آتی ہیں جن میں سے بعض کا نام لیا ہے، کہ کھجور، اور گندم ہیں، اس تخصیص کے بعد تعمیم ہے کہ حبوب، دانوں میں عشر ہے، اس کلام میں انما ذلک جملہ حصر پر دال ہے، پس کپاس سبزی۔ کماد وغیرہ اس سے خارج ہوا۔

دلیل دوم:۔ جزء کتاب الزکوٰۃ ابن ابی شیبہ ص۱۸۱ میں ہے:۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بلغ الطعام خمسة اوسق ففیه الصدقة۔ ’’یعنی جب طعام پانچ وسق کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے‘‘

اس سے ظاہر ہوا کہ کپاس۔ کماد سبزی وغیرہ جو کیلی اور طعام نہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں، صاع اور وسق میں کھجور، زبیب حبوب گندم وغیرہ غلہ کا اندازہ کیا جاتا ہے، کماد۔ کپاس کا نہیں کہ نہ ان میں زکوٰۃ ہے، اور نہ ان کا صاع یا وسق سے نصاب بیان کیا گیا ہے، کماد کی زکوٰۃ جب معاف ہوئی، جو اصل ہے، تو شکر، گڑ۔ کھانڈ کی خود معاف ہوگی کہ وہ اس کی فرع ہے۔ ہاں ان کی صراحت آجائے تو مانا جا سکتا ہے، ورنہ قیاس کو بمقابلہ نصوص کوئی دخل نہیں ہے کہ یہ طعام عرفاً نہیں ہے۔

دلیل سوم:۔ جزء کتاب الزکوٰۃ ص۱۹۰ میں ہے:۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال العشر فی التمر والزبیب والحنطة والشعیر۔ ’’یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر کھجور اور داکھ اور منقیٰ اور گندم اور جو میں ہے‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر دانہ اور غلہ اور طعام اور میوہ میں عشر نہیں ہے، عشر صرف چار چیزوں میں ہے، کھجور، منقیٰ۔ گندم، جو۔

جن حدیثوں میں حبوب اور طعام کا لفظ ہے، وہ مجمل ہیں یا عام ہیں، اور یہ حدیث ان کی مفسرہ یا مخصص ہے، امام طحاوی نے دو حدیثوں کی بابت ایک مقام پر یہ قاعدہ ظاہر کیا ہے کہ:۔ ان الاولیٰ مفسرۃ وھذہ مجملة فالمفسر من ذلک اولیٰ من المجمل۔ یعنی روایت اولیٰ مجمل ہے، اور دوسری مفسر ہے، مفسر کا لینا اولیٰ ہے۔

دلیل چہارم:۔ نیل الاوطار جزء رابع ص۱۴۳ مصری میں ہے:۔ اخرجه الحاکم والبیہقی

والطبرانی من حدیث ابی موسیٰ ومعاذ حین بعثهما النبی صلی الله علیه وسلم الی الیمن یعلمان الناس امر دینهم فقال لا تاخذ الصدقات الا من هذه الاربعة الشعیر والحنطة والزبیب والتمر قال البیهقی رواته ثقات وهو متصل - یعنی ابوموسیٰؓ اور معاذؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کیطرف بھیجا کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، اور ساتھ ہی عاملین کی حیثیت سے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں، پس عشر فصلی چار چیزوں سے وصول کریں۔ ان چار کے علاوہ کسی چیز پیداوار سے عشر نہ لیں، اور وہ چار چیزیں یہ ہیں، جو۔ گندم۔ منقی۔ کھجور۔

اس حدیث میں صاف حصر کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ عشر صرف چار جنسوں میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی چیز سے عشر لینا منع ہے۔

دلیل پنجم :۔ جز کتاب الزکوٰۃ ص۱۹ میں ہے، ابوبردہ کہتے ہیں۔

عن ابی موسیٰ الاشعری انه لم یاخذها الا من الحنطة والشعیر والتمر والزبیب۔

یعنی حسب الحکم ابوموسیٰ الاشعریؓ چار اشیاء مذکورہ کے بغیر کسی جنس سے زکوٰۃ وصول نہ کرتے تھے، اسی طرح حضرت معاذ کا عمل مروی ہے، پس ارشاد نبوی اور عمل عاملین صاف مظہر ہیں۔ کہ عشر صرف چار چیزوں میں ہے، ان کے علاوہ کسی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ :۔ والزکوٰۃ فی البر والشعیر والتمر والزبیب۔ یعنی زکوٰۃ صرف گندم، جو، کھجور، منقیٰ میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی جنس میں کسی حدیث صحیح سے عشر ثابت نہیں ہے۔

دلیل ششم :۔ عن علی قال الصدقة عن اربع من البر فان لم یکن بر فتمر فان لم یکن تمر فزبیب فان لم یکن زبیب فشعیر (جزء کتاب الزکوٰۃ ص۱۹) یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صدقہ چار چیزوں میں ہے، گندم میں ہے، اس میں نہ ہو تو کھجور میں ہے، کھجور میں نہ ہو تو منقی میں ہے، اگر منقی میں نہ ہو تو جو میں ہے۔

دلیل ھفتم :۔ مشکوٰۃ میں ہے :۔ عن موسیٰ بن طلحة قال عندنا کتاب معاذ بن جبل عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال انما امره ان یاخذ الصدقة من الحنطة والشعیر

والزبیب والتمر موسل رواہ فی شرح السنۃ ۔

یعنی موسیٰ بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت معاذؓ کا خط ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ معاذ نے کہا کہ مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ زکوٰۃ چار چیزوں سے لیں۔ گندم، جو، کھجور اور منقی سے یہ حدیث مرسل ہے، جس کی تائید، دوسری مرسل سے ہوتی ہے۔

دلیل ہشتم :۔ عن الشعبی انہ قال کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اھل الیمن انما الصدقات فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب ۔

یعنی شعبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو لکھا کہ صدقہ صرف ان چیزوں میں ہے، گندم۔ جو۔ کھجور۔ انگور (ان کے علاوہ کسی چیز میں نہیں ہے۔

دلیل نہم :۔ دار قطنی میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ "انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکوٰۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب :۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ ٹھہرا عشر زکوٰۃ کا چار چیزوں میں گندم، جو، کھجور انگور خشک ۔

دلیل دہم :۔ نیل الاوطار میں ہے "اخرجہ الطبرانی عن عمر قال انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکوٰۃ فی ھذہ الاربعۃ فذکرھا :۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار فصلی چیزوں میں عشر مقرر کیا ہے، جو مذکور ہوئیں۔ (یہ حدیث مرسل ہے)

تلک عشرۃ کاملہ۔ یہ دس دلائل مجموعی طور پر اس امر کے ثبوت پر قطعی ہیں، کہ عشر چار فصلی چیزوں میں منحصر ہے، ان کے علاوہ کسی چیز میں عشر نہیں ہے۔ ابن ماجہ میں جوار کا ذکر ہے، جو غیر ثابت ہے، پس ان کے علاوہ کسی چیز میں عشر لینا درست نہیں، سخت خطرہ کا مقام ہے۔ کہ حدیث میں ہے کہ: المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا۔ یعنی زکوٰۃ لینے میں زیادتی کرنے والا مثل زکوٰۃ نہ دینے والے کی ہے، نعوذ باللہ منھا۔

ائمہ دین کا فیصلہ

اس بنا پر امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "فیکون الحق ماذھب الیہ الحسن البصری

والحسن بن صالح والثوری والشعبی من ان الزکوٰۃ لا تجب الا فی البر والشعیر والتمر والزبیب لا فیما عدا ھذہ الاربعۃ مما اخرجت الارض :۔ یعنی اس مسئلہ میں حق مسلک امام حسن بصریؒ اور حسن بن صالح اور امام ثوریؒ اور امام شعبیؒ کا ہے کہ زکوٰۃ ان چار چیزوں میں منحصر ہے۔

اسی طرح تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجرؒ کا فیصلہ ہے، اور اسی طرح علامہ امیر یمنی کا سبل السلام میں فیصلہ ہے۔ ان کے علاوہ تنقیح الرواۃ تخریج مشکوٰۃ میں علامہ مولانا ابوالوزیر احمد حسن محدث مرحوم حدیث "اربعہ اجناس" پر لکھتے ہیں کہ:۔ والحدیث یدل علی انہ لا تجب الزکوٰۃ الا فی البر والشعیر والتمر والزبیب لا فیما عدا ھذہ الاربعۃ :۔ یعنی حدیث اربعہ اجناس اس حکم پر دال ہے کہ زکوٰۃ فصلی ان چار جنسوں پر واجب ہے، گندم، جو، کھجور، اور انگور خشک، ان چار کے سوا کسی جنس زراعت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ پس مؤلف سبل السلام علامہ یمنی کا یہ فرمان صحیح ہے کہ:۔ فالاوضح دلیلا مع الحاصرین للوجوب فی ھذہ الاربعۃ یعنی جو لوگ چار جنسوں میں زکوٰۃ عشر کا حصر کرتے ہیں، ان کی دلیل بہت واضح ہے، پھر اس کے قریب امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ "جمیع حبوب جو طعام کا حکم رکھتے ہیں، ان سے عشر لیا جائے۔"

جیسے بروایت حاکم اس پر لفظ حبوب دال ہے، نیز مشکوٰۃ میں ہے:۔ کہ لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق (نسائی) یعنی غلہ اور کھجور میں عشر نہیں ہے، جب تک پانچ وسق کو نہ پہنچ جائیں۔ پس سبزی، کماد، کھانڈ، شکر، کپاس اشیا دکیلی نہیں، اور نہ یہ طعام ہیں، لہٰذا ان چیزوں میں عشر لینے دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور عموم ادلہ سے استدلال صحیح نہیں ہے، کہ وہ مخصوص ہو چکی ہیں: اور اب وہ اپنے عموم پر باقی نہیں ہیں۔

آنجناب نے دلیل اربعہ کا معارضہ کرتے ہوئے جو دلیلیں بیان فرمائی ہیں، وہ سب اجتہادی اور وجدانی ہیں، کوئی معارضہ کے قابل نہیں، البتہ کپاس والی حدیث ایک ایسی دلیل ہے، جس سے سطحی نظر رکھنے والا شخص ظاہر یہ ضرور دھوکہ کھا سکتا ہے، کہ اس سے کپاس کا عشر مفہوم ہے، لیکن عمیق تحقیق سے کام لینے والا شخص ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا، کہ اس حدیث میں عشر کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اس میں جزیہ مراد ہے۔

سُنن بیہقی کبریٰ جب میرے پاس عہد قیام ہندوستان میں تھی تو اس وقت اس کے مطالعہ سے مجھے یہ انکشاف ہوا تھا کہ حدیث ابو داؤد زرع قطن سے عشر مراد نہیں جزیہ ہے، اب سنن کبریٰ میرے پاس نہیں ہے، لیکن مندرجہ ذیل وجوہ جن کی بنا پر میں حدیث کو جزیہ پر محمول سمجھتا ہوں۔

۱:۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث کو کتاب الخراج میں ارض یمن کے ذکر میں بیان فرمایا ہے، جہاں اہل ذمہ کے احکام ہیں، عشر زکوٰۃ کو کتاب الزکوٰۃ میں باب صدقۃ الزرع میں ذکر کی جاتی ہے، اذ لیس فلیس۔

۲:۔ اس حدیث میں صاف یہ الفاظ جزیہ پر دال ہیں۔ فصالحہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی سبعین حلۃ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سبا سے ستر حلہ پر صلح کرلی، زکوٰۃ تو خدائی فریضہ ہے جو پیداوار کے نصاب کے اندازہ پر لیا جاتا ہے، اس میں یہ صلح کیسی کہ سالانہ ستر حلہ دے دیا کریں پیداوار زیادہ ہو یا کم ہو، پھر فصل پر چھ ماہی عشر ہے، یہ سالانہ خراج یا جزیہ ہے، جو صلح سے طے ہوا ہے، پھر یہ کپڑے لئے گئے ہیں، اگر عشر ہوتا تو جنس پیداوار کے حساب سے لی جاتی ہے، جیسا کہ عشر کا قاعدہ ہے، مقدار زکوٰۃ میں کمی بیشی پر صلح کیسی؟

ابو داؤد کی ایک روایت اسی کتاب الخراج میں ہے صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل نجران علی الفئی۔ ظاہر ہے کہ صلح اہل ذمہ سے ہے۔

۳:۔ عشر ہر مالک یا کاشتکار سے اس کی مملوکہ پیداوار کا حساب لگا کر دسواں یا بیسواں حصہ لیا جائے گا، لیکن اس حدیث میں یہ ذکر ہے، کہ کل ستۃ عمن بقی من سبا بمارب۔ یعنی ہر سال ستر حلے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے رہے جو مارب میں باقی رہ گئے تھے، (خواہ وہ زراعت کریں یا نہ کریں) کسی کو کم ہو یا زیادہ، یہ طریقہ جزیہ خراج کا تو ہو سکتا ہے، عشر کا یہ دستور شرعی نہیں ہے۔

۴:۔ پھر اس میں یہ ذکر ہے کہ پہلے تو ستر حلہ عہد صدیقی تک رہے، پھر صدقہ مقرر ہو گیا اس سے ظاہر ہے کہ پہلے جزیہ تھا۔ کپڑوں سے پھر صدقہ ہو گیا، گویا یہ سیاسی نظام تھا، شرعی نہیں کیونکہ شرعی قوانین مقرر ہیں، وہ بدلتے نہیں ہیں، لا تبدیل لکلمات اللہ۔

اگر اس میں صدقہ سے مراد صدقہ نفلی ہو تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ وہ بحکم واٰتوحقہ یوم حصادہ ہر فصل سے کچھ دینا پڑتا ہے، جس کا کوئی اندازہ مقرر نہیں ہوتا، مالک زراعت کی مرضی سے ہوتا ہے، فی المال حق سوی الزکوٰۃ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سبا کو ترغیب دی کہ لابد من صدقۃ تب انہوں نے کچھ دینا شروع کر دیا تھا، جو صلح اور رضامندی سے طے ہوا تھا، یہ توجیہہ بایں شرط ہے کہ اس وقت اہلِ سبا اسلام قبول کر چکے ہوں ورنہ جزیہ متصور ہے۔

۵:۔ ابوداؤد کی اسی کتاب الخراج میں آگے باب فی اخذ الجزیۃ میں اس کی صراحت ہے، کہ امرہ ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدلہ من المعافری ثیاب تکون بالیمن۔ یعنی عامل کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر من المعافری کپڑے، جو یمن میں ہوتے ہیں، وصول کرو، جزیہ کی وصولی عاملین کے ذمہ تھی، کسی سے دیناروں کا حساب فی کس یا کپڑے دیناروں کے حساب سے۔ اور کسی قبیلے سے ستر حلّے لے لیتے تھے۔

۶:۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ زمین خراجی ہو اور اس سے سالانہ خراج لیا گیا ہو، کیونکہ اگر عشر ہوتا تو غلہ پر ہوتا، جیسے خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کا فرمان ہے کہ: "الخراج علی الارض والعشر علی الحب" یعنی خراج زمین پر ہوتا ہے، اور عشر غلہ پر ہوتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس وفد سے صدقہ کی بابت فرمایا، تو انہوں نے زراعت قطن بتلائی کہ اس میں عشر نہیں ہوتا۔ تو آپ نے کپڑوں پر صلح کر لی۔ کہ چلو نفلی صدقہ ہی سہی، پھر ابوبکرؓ کے بعد غلہ ہوا، تو یہ صلح ٹوٹ گئی، پھر فرضی عشر مقرر ہو گیا۔

خلاصہ: یہ کہ بحکم خذ الحب من الحب عشر غلہ پر ہوتا ہے، اور غلہ ہی لیا جاتا ہے، کہ ہر جنس سے وہی جنس زکوٰۃ میں لینا مشروع ہے، امام ابوداؤد کے "باب ارض الیمن" سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ زمین خراجی تھی، جس سے کپڑے لئے جاتے تھے اعشر نہیں تھی۔ ورنہ عشر وصول کیا جاتا۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔

۷:۔ شاید آنجناب یا دیگر اہل علم سے کوئی صاحب حدیث میں الفاظ صدقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے، یہ فرمائیں کہ یہ شخص (حصاری) بڑا کم فہم ہے، کہ لفظ صدقہ کا صاف موجود ہے۔ اور

یہ خلاف محاورہ صدقہ سے جزیہ مراد لے رہا ہے، تو میں عرض کرتا ہوں کہ قصور و فہم اور کم علمی کا تو مجھے اعتراف ہے، خصوصاً حضرت العلام کے آگے تو سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہوں، لیکن مجھے بالکل ہی بے وقوف نہ سمجھ لیا جاوے، بلکہ احادیث جزیہ اہل ذمہ پر ظاہرانہ نظر کرلی جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا، کہ اہل ذمیہ کے جزیہ کو صدقہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے،

چنانچہ جزء کتاب الزکوٰۃ لابن ابی شیبہ صہ۱۵ میں دو باب فی نصاری بنی تغلب مایؤخذ منھم کے تحت یہ حدیث ہے کہ ان عمر بن الخطاب استعمل اباہ ورجلا اخر علی صدقات اھل الذمة مما یختلفون بہ الی المدینة فکان یامرھم ان یاخذو من القمح نصف العشر تخفیفاً علیھم لیحملوا علی المدینة ومن القطنیة وھی الحبوب العشر (صہ۱۵)

یعنی عبیداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ عبداللہ اور ایک شخص کو اہل ذمہ کے صدقات پر عامل مقرر کیا اور ان کو حکم دیا گیا کہ گندم سے نصف عشر وصول کریں۔ یہ ان کی رعایت تھی۔ اور دیگر غلوں کا دسواں حصہ وصول کریں۔

نیز دوسری روایت میں ہے:۔

عن عمر بن الخطاب انہ صالح نصاریٰ بنی تغلب علی ان تضعف علیھم الزکوٰۃ مرتین:۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصاری بنی تغلب سے اس بات پر صلح کرلی کہ وہ زکوٰۃ دگنی (یعنی سال میں دو بار) ادا کریں۔

تیسری روایت میں ہے کہ ابن ابی ذئب کہتے ہیں، میں نے امام زہری سے نصاریٰ کلب وتغلب کے جزیہ کی بابت سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا۔ کہ:۔ بلغنا انہ یوخذ منھم نصف العشر من مواشیھم۔ یعنی ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ان کے مویشیوں سے نصف عشر لیا جاتا تھا،

نیز دوسرے باب میں یہ روایت ہے کہ ایک نصرانی نے عدالت فاروقؓ میں درخواست کی کہ میں بوڑھا عیسائی ہوں، آپ کا عامل مجھ سے سال میں دو بار عشر لیتا ہے، کچھ رعایت کیجئے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ میں بوڑھا حنیف ہوں، پھر عامل کو حکم دیا کہ اس سے سال میں ایک بار عشر لیا کریں۔

نیز درایہ تخریج ہدایہ ص ۱۵۹ میں ہے :۔

ابو عبید فی الاموال من طریق داؤد بن کردوس ان عمر صالح نصاریٰ بنی تغلب علی ان یضاعف علیھم الصدقۃ۔ یعنی حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کے عیسائیوں سے اس بات پر صلح کی کہ یہ نسبت مسلمانوں کے ان سے دگنا صدقہ وصول کیا جائے گا۔

نیز درایہ ابن حجرؒ کے ص ۱۷۱ میں ہے :۔

نصاریٰ بنی تغلب یوخذ من اموالھم ضعف ما یوخذ من الزکوٰۃ لان عمر صالحھم علی ذلک بحضر من الصحابۃ۔ ان دلائل سے صاف واضح ہوا کہ اہلِ ذمہ کے جزیہ پر صدقہ زکوٰۃ، عشر کا اطلاق آیا ہے، لیکن مجازاً حقیقت میں وہ جزیہ تھا۔

درایہ کے اسی صفحہ میں ہے کہ :۔

قال عمر ھذا جزیۃ فسموھا ما شئتم :۔ ہے تو اس کا نام جزیہ مگر تم جو مرضی ہے نام رکھ لو۔

پس ثابت ہوا کہ اہل سبا سے بھی جزیہ پر صلح ہوئی تھی، جس کو صدقہ ان کے محاورہ کی بنا پر کہا گیا ہے، وہ شرعی عشر نہ تھا۔ جو مسلمانوں پر فرض ہے، اہل ذمہ کے جزیہ کو بھی عشر کہتے ہیں، مگر اہلِ اسلام کے عشر اور اہل ذمہ کے عشر میں فرق ہے، کما لا یخفی علیٰ اہل العلم۔

۸ :۔ حدیث ابو داؤد متعلقہ کپاس اہل سبا سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے مراد عشر زکوٰۃ اہل اسلام ہے، حضرت العلام منفرد ہیں، کسی محدث نے متقدمین و متاخرین سے اس حدیث سے عشر کپاس پر استدلال نہیں کیا، حاضرین زکوٰۃ اجناس اربعہ کے مقابلہ میں دیگر دلائل عامہ سے تو معارضہ کرتے رہے ہیں، لیکن اس حصر حقیقی کو توڑنے کے لئے حدیث ابوداؤد سے معارضہ کسی نے نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے، کہ اس سے مراد جزیہ ہے، اس لئے معارضہ بے سود ہے۔

پس اپنی گستاخی کی معافی مانگتا ہوا، حضرت العلام کی عدالت میں اپیل کرتا ہوں کہ یہ فرضی زکوٰۃ کا معاملہ ہے اس لئے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی فرمائیں، اور حدیث حصر اجناس

اربعہ کے مقابلہ میں کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل بیان فرمائیں، جس کی بنا پر اس حصر حقیقی کو حصر اضافی قرار دیا جا سکے۔

مولانا عبدالقادر صاحب حصاروی کے تعاقب کا جواب۔

(از حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی)

مولوی عبدالقادر صاحب نے صرف چار چیزوں میں عشر بتلایا ہے، اور اپنے خیال میں چار چیزوں کے انحصار پر دلائل ذکر کئے ہیں۔

پہلی حدیث:۔ میں آخر کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں (انما یکون ذلک فی التمر والحنطة والحبوب):۔ کے متعلق مولوی عبدالقادر صاحب نے کہا ہے کہ تعمیم بعد تخصیص ہے لیکن پھر اس کو شعیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے، تو پھر غور فرمایئے تعمیم بعد تخصیص کیسے ہوئی، اور اگر شعیر کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر تعمیم بعد تخصیص کے کچھ معنی ہی نہیں۔ اور اسی حدیث میں ککڑی، تربوز اور انار اور گنے کو عشر سے مستثنیٰ کیا ہے، یہ بھی قرینہ ہے کہ حبوب سے خاص شعیر مراد نہیں بلکہ عام ہیں۔ کوئی جنس ہو خواہ طعام ہو یا غیر طعام اور اس کی تائید حدیث:۔

"ولیس فی الخضروات صدقة" یعنی سبزیوں میں صدقہ نہیں۔" مطلب یہ ہوا کہ جو ذخیرہ نہیں ہو سکتیں۔

دوسری حدیث:۔ ابو سعید خدری کی ذکر کی ہے، اس میں کوئی کلمہ حصر نہیں۔

تیسری حدیث:۔ عمرو بن شعیب کی ہے، یہ پہلی حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ پہلی حدیث بھی حصر کے لئے ہے، اور تیسری کو بھی حصر پر محمول کریں، تو پہلی سے منقطع کی نفی ہوگی، اور اس سے منقطع کا اثبات ہوگا۔

چوتھی حدیث:۔ اسی طرح چوتھی حدیث ابو موسیٰؓ اور معاذؓ کی ذکر کی ہے، جو پہلی کے خلاف ہے، کیوں کہ اس میں بھی منقطع کا ذکر ہے، ہاں اگر تیسری چوتھی کا مطلب

یہ بیان کیا جائے ،۔

یمن کے اس علاقہ میں جہاں ابوموسیٰؓ اور معاذؓ بھیجے گئے ۔وہاں زیادہ تر چار ہی چیزوں کی پیداوار ہوتی ،اس لئے چار پر اکتفا کیا ۔ یہ مطلب نہیں کہ جس علاقہ میں اور چیزوں کی پیداوار ہو وہاں ان میں عشر نہیں ،اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے ۔

وقائع الاعیان لا یحتج بہا علی العموم (نیل الاوطار کتاب الجمعہ ص۳) یعنی خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں کیوں کہ یہ خاص یمن کا واقعہ ہے اس لئے ہر ملک پر اس کو چسپاں نہیں کر سکتے ،جہاں دوسری چیزوں کی بھی پیداوار ہو۔

پانچویں حدیث :۔ یہ بھی چوتھی کی مثل ہے ۔

چھٹی حدیث ۔:۔جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ،اس کے الفاظ عجیب قسم کے ہیں ،ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ؛۔

"صرف ایک چیز یعنی گندم میں عشر ہے ،اور گندم نہ ہو تو پھر کھجوریں اور اگر کھجور نہ ہو تو پھر منقی میں اور اگر منقی نہ ہو تو پھر جو میں ہے " ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں یہ چاروں چیزیں ہوں ،تو چاروں میں عشر نہیں ہوگا ،صرف گندم میں ہوگا ،اور اگر گندم نہ ہو، اور باقی تین چیزیں موجود ہوں تو پھر صرف کھجوریں ہوگا ،باقی میں نہیں ہوگا ،علیٰ ہذا القیاس ۔

حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں ،اور پہلی پانچ حدیثوں کے بھی خلاف ہے ،پھر اس کا تعلق بھی یمن کے ساتھ ہے ۔کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ بھی یمن کو گئے تھے ۔

ساتویں ،آٹھویں ،نویں اور دسویں :۔حدیث چوتھی اور پانچویں کی طرح ہیں ،ان کا بھی وہی ہے ۔غرض ان حدیثوں کی موافقت اس طرح نہ کی جائے ۔ جیسے ہم نے تیسری چوتھی حدیث میں کی ہے ،تو پھر ان احادیث سے استدلال صحیح نہیں ۔کیوں کہ آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں ،اس کے علاوہ یہ سب متکلم فیہ ہیں ،صحت کو کوئی بھی نہیں پہنچی ،اور ملا کر ایک دوسری کو تقویت پہنچائی جائے تو ۔پہلے موافقت ہونی چاہیئے ،کیونکہ تعارض کی صورت میں ضعف زیادہ ہو جاتا ہے ،اور استدلال کے قابل نہیں رہتیں ۔

اخیر میں مولوی عبدالقادر صاحب نے ابوداؤد کی حدیث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اس میں کئی ڈبل غلطیاں کی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالقادر صاحب نے حدیث کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔ ہم پورے الفاظ نقل کئے دیتے ہیں، اور پھر ان کی غلطیاں بتلاتے ہیں۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔

عن سعید یعنی ابن ابیض عن جدہ ابیض بن حمال انہ کلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصدقۃ ای فی زکوٰۃ العشر ان لا توخذ منھم حین وفد علیہ فقال ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اخاسبا ولا بد من صدقۃ العشر فقال انما زرعنا القطن یارسول اللہ وقد تبددت سبا ولم یبق منھم ای من اھل سباد الا قلیل بمارب فصالح نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سبعین حلۃ بز من قیمۃ وفا بز المعافر کل سنۃ عمن بقی من سباء بمارب فلم یزالوا یؤدونھا حتیٰ قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما صالح ابیض بن حمال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الحلل السبعین فرد ذلک ابوبکر وروی الطبرانی ان ابیض وفد علی ابی بکر لما انتقض علیہ عمال الیمن فاقرہ ابوبکر علی ما صالحا علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی مات ابوبکر فلما مات ابوبکر انتقض ذلک وصارت علی الصدقۃ ای العشر او نصف العشر کما العامۃ المسلمین فی اراضیھم۔ واللہ اعلم والحدیث سکت عنہ المنذری (ابوداؤد مع عون المعبود ج ۳ ص ۱۲۹)

(ترجمہ) ابیض بن حمال جب کہ اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ ہوکر آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ عشر کے بارے گفتگو کی کہ یہ زکوٰۃ عشر ہم سے نہ لیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "زکوٰۃ عشر سے چارہ نہیں، وہ ہر صورت میں دینی پڑے گی" ابیض بن حمال نے کہا یارسول اللہ! ہماری زراعت صرف کپاس ہے، اور اہل سبا منتشر ہو گئے ہیں، ان میں سے تھوڑے لوگ شہر سبا علاقہ مآرب میں آباد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی کپڑے معافر کی قسم سے ہر سال ستر جوڑوں پر مصالحت کرلی جتنے لوگ سبا شہر میں باقی رہ گئے ان سب کی طرف سے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک وہ ستر جوڑے ادا کرتا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عاملوں نے اس کو اصل زکوٰۃ عشر کی صورت دے دی،

ابیض بن حمال نمائندہ ہوکر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، ابوبکرؓ نے اسی حالت پر کردیا جس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کرلی تھی حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد یعنی حضرت عمرؓ کی خلافت اور اس کے بعد عشر یا نصف عشر کی صورت ہوگئی، جیسے عام مسلمانوں سے عشر یا نصف عشر وصول کیا جاتا ہے، اور اس حدیث پر منذری نے سکوت کیا ہے یعنی حدیث صحیح ہے۔"

اس حدیث میں صاف بیان ہے کہ کپاس میں زکوٰۃ عشر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سبا کے ساتھ نرمی برتی اور عشر لینے کی بجائے صرف ستر جوڑے معین کرلئے مقصد ان پر تخفیف تھی۔ کیوں کہ ابیض بن حمال نے کچھ کمزوری کی معذرت کی تھی، تو آپ نے اس کی معذرت کو قبول کرلیا، بالکل معافی نہیں دی، اس کو خراج کی شکل دے دی، کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ کسی کی خصوصیت کردیں، جیسے بعض مواقع پر آپ نے بعض احکام میں بعض صحابہؓ کو خاص کردیا، جذعہ بکری قربانی میں جائز نہیں۔ آپ نے ایک صحابی کے لئے اجازت دے دی، ایک عورت کو بیعت کرنے سے پہلے نوحہ (بین) کرنے کی اجازت دے دی، ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں، سو ایسے ہی ابیض بن حمال کا واقعہ ہے۔

مولوی عبدالقادر صاحب کا اس کو جزیہ بناتا ڈبل غلطی ہے خراج ضرور نہیں کہ جزیہ ہو۔ مالک غلام پر خراج مقرر کردیتا ہے، اس کو جزیہ نہیں کہتے، جزیہ کافر پر ہوتا ہے، ابیض بن حمال مسلمان تھا، چنانچہ "یا رسول اللہ" سے صاف واضح ہے، اور عاملوں کا اس کو زکوٰۃ عشر کی طرف لوٹانا اور پھر آخر خلافت فاروقی میں اور اس کے بعد زکوٰۃ عشر کی طرف لوٹانا اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ جزیہ نہ تھا، اور اس لئے صاحب عون المعبود نے "کعامۃ المسلمین" کہا ہے، یعنی جیسے عام مسلمانوں سے زکوٰۃ ہوتی ہے، ان سے بھی زکوٰۃ عشر لیا جاتا تھا، صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخفیف کو عارضی چیز سمجھا اس لئے اس کو بدل دیا، ابوبکرؓ کے پاس ابیض بن حمال کا دوبارہ آنا اور ابوبکرؓ کا مصالحت کو برقرار رکھنا یہ بھی عارضی تھا، ورنہ خلافت حضرت عمرؓ میں اور اس کے بعد تبدیلی نہ ہوتی، اہل سبا کو مولوی عبدالقادر صاحب کا "بنی تغلب" پر قیاس کرنا ڈبل

غلطی ہے کیوں کہ بنی تغلب عیسائی تھے، اور اہل سبا مسلمان تھے پھر ایک غلطی مولوی عبدالقادر صاحب نے یہ کی کہ جزیہ کو صدقہ کہہ دیا، حالانکہ جزیہ نہ لغتہ میں صدقہ ہے، نہ اصطلاح شرح میں اسی واسطے حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کو کہا کہ تم اس کا نام جو چاہو، رکھو۔ اس سے اسی طرف اشارہ تھا، کہ ہمارے ہاں تو یہ جزیہ ہے، تم اس کا جو چاہو نام رکھ لو، اصل واقعہ یہ ہے کہ بنی تغلب عرب میں ایک معزز قوم کہلاتی تھی، انہوں نے جزیہ کے لفظ کو برداشت نہ کیا، کیونکہ یہ ذلت کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید میں ہے :۔

"حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ"

حضرت عمرؓ کے پاس انہوں نے درخواست کی تھی کہ مسلمان جو زکوٰۃ عشر دیتے ہیں، ہم اس سے دگنا دینے کو تیار ہیں، مگر آپ اس کا نام بدل کر زکوٰۃ عشر رکھ دیں حضرت عمر نے کہا کہ تم جو مرضی ہو رکھ لو، یہ درحقیقت فرضی نام ہے، نہ لغتہ میں صحیح ہے، نہ شرعاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابیض بن حمال محض فرضی نام نہ استعمال کر سکتے تھے، کیونکہ یہاں نہ کوئی درخواست ہے، نہ ہی اس کا کوئی موقعہ محل ہے، مولوی عبدالقادر صاحب نے ویسے ہی کھینچا تانی کی ہے، ابوداؤد مع عون المعبود کو ذرا غور سے دیکھیں، اور اس تفسیر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابوداؤد اس کو کتاب الخراج میں کیوں لائے ہیں، چنانچہ بیان ہو چکا ہے، کہ اس کو شکل خراج کی دے دی کیوں کہ جو چیز معین طور پر ذمہ کر دی جائے، وہ خراج ہوتا ہے، اس میں عامل کے حصہ کا لحاظ نہیں ہوتا ہے، اور اسی بنا پر ابوداؤد نے باب باندھا ہے. باب حکم ارض الیمن کیوں کہ یہ خصوصیت اہل سبا کے ساتھ ہوئی تھی، جو علاقہ مارب (یمن) میں رہتے تھے.

(نوٹ) مولوی عبدالقادر صاحب نے ابوداؤد کی حدیث کے ساتھ استدلال میں مجھے متفرد کہا ہے، میں نے عون المعبود کی عبارت اس حدیث کی شرح میں بقدر ضرورت صاف صاف نقل کر دی ہے، اور عون المعبود کی شرح کا خلاصہ ہے تو گویا تمام شارحین ابوداؤد کی اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں، جو میں نے لکھا ہے تو پھر میں اس میں منفرد کیسے ہوا؟

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۳ شمارہ ۷)

نمبر ۲۲۲ صدقہ، عشر، زکوٰۃ وغیرہ کے امتناعی مصارف

سوال:۔ گاؤں والے صدقہ زکوٰۃ عشر اور چرم قربانی جمع کر کے ایک یا دو مدرس رکھ کر گاؤں کے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں کیا اس مدرسہ میں مالداروں کے بچے بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اور کیا اس قسم کے مال کو مسجد میں بھی لگایا جا سکتا ہے۔ یا اپنی ہی مسجد کے لئے منع کیا گیا ہے؟

جواب:۔ نفلی صدقات وخیرات اور فریضہ عشر وزکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی ان تینوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ قربانی اور ہدی میں فرق ہے۔ بنا بریں قربانی کی کھال فقراء ومساکین کے لئے مخصوص نہیں ہوگی۔ قربانی کرنے والا خود بھی اس کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔ اور دوسروں کو ہدیہ بھی کر سکتا ہے۔ اور مہدی الیہ وموہوب لہ اس کو اپنی ضروریات کے علاوہ تمام مصالح اور رفاہ عام کے کاموں میں بھی صرف کر سکتا ہے۔ اور طلبہ کے وظائف مدرسین کی تنخواہوں اور مدارس کی تعمیر وترمیم پہ بدرجہ اولیٰ خرچ کر سکتا ہے، علامہ محب الدین الخطیب العواصم من القواصم کے مقدمہ صہ۲۶ میں قاضی ابوبکر بن العربی مالکی قاضی اشبیلیہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

كان ابن العربي اول من خطر على باله الاستفادة من جلود الاضاحي في المصالح العامة فحض الناس على ان يتبرعوا بجلود اضاحيهم لبناء سور اشبيلية (فكان في ذلك موفقا الا ان اعداءه ومبغضي طريقته اثاروا العامة عليه باساليبهم الخبيثة ۔ الخ۔

نفلی صدقات وخیرات محض اختیاری ہوتے ہیں، اور صرف فقراء ومساکین کو دیئے جاتے ہیں، اور اس کے دینے سے محض اخروی ثواب مقصود ہوتا ہے، کوئی دنیاوی منفعت مقاصد نہیں ہوتی۔ پس نفلی صدقہ کرنے والوں کو اپنی خیرات کی رقم کو اپنے بچوں کی تعلیم پر یا امیر وغریب کے بچوں کی تعلیم پہ یا غریب ملازم کی تنخواہ میں صرف کرنا صدقہ اور خیرات کے مقصد اور موضوع شرعی کو مسخ کر دینا ہے، فرض زکوٰۃ کا مصرف قرآن میں موجود ہے جو علماء اہلحدیث

(سبیل اللہ) کو مطلق وجوہ خیر پر محمول کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ عشر کو مدرس کی تنخواہ اور تعمیر مدرسہ و مسجد وغیرہ میں صرف کرنے کو جائز بتاتے ہیں، اور جو اس کو جہاد بالسیف پر محمول کرتے ہیں، ان کے نزدیک اموال زکوٰۃ وعشر کا جہاد اور اس کی ضروریات کے علاوہ دوسرے غیر منصوص وجوہِ خیر میں صرف کرنا ناجائز نہیں وہذا ہو الراجح عندی۔

بعض علماء اہل حدیث کا خیال ہے کہ زکوٰۃ وعشر کی رقم سے جس مدرس کو مستقلاً غرباء کے بچوں کو تعلیم کے لئے تنخواہ دی جائے، تو زکوٰۃ دہندگان کے بچے تبعاً اس مدرس سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، ولا یخفیٰ ما فیہ

ہر شخص پر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت صحت ولباس کا انتظام ضروری ہے۔ جب عشر و زکوٰۃ بچوں کو کھلانا جائز نہیں تو ان کی روحانی و دماغی غذا پر بھی صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

زکوٰۃ وعشر نہ اپنی مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے۔ نہ دوسری مسجد پر۔ مسجد اور اس کی ضروریات زکوٰۃ کے مصرف میں داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(مولانا) عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (ترجمان دہلی جلد ۲ شمارہ ۱)

سوال:۔ مسجد یا مدرسہ میں ایک میاں یا ملا رکھ کر گاؤں کے بچوں کو تعلیم دلائی جاتی ہے، اور ان میں صاحبان زکوٰۃ کے بچے بھی تعلیم پا دیں تو کیا یہ جائز ہو گا یا نہیں دراں حالیکہ زکوٰۃ دینے والے حضرات میاں یا ملا کی تنخواہ اپنے عشر و زکوٰۃ کی رقم سے دیتے ہیں۔

جواب:۔ اصحاب اموال کا اپنے بچوں کو ایسے لوگوں سے تعلیم دلانا جن کو وہ تنخواہ اپنے اموال کی زکوٰۃ وعشر سے دیتے ہوں درست نہیں۔ ھذا ھو الراجح عندی الی ھذا الآن ایسے علماء دین جو اس آیت کے مصداق ہوں۔ اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ (الآیۃ) یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لئے وقف ہو گئے ہوں، اور فکرِ معیشت کے لئے وقت نہ نکال سکتے ہوں، "مساکین" میں داخل ہیں، بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو، ضرورت اور حاجت سے زیادہ نہ لیتے ہوں، اور کسی حالت میں بھی ساعی وسائل

نہ بنتے ہوں، ایسے علماء و دعاۃ مدِ زکوٰۃ کے بلاشبہ مستحق ہیں، اسی طرح غریب طلبہ علوم دینیہ بھی آیت مذکورہ کی رو سے فقراء و مساکین میں داخل ہیں، اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی خبر گیری کی جائے، رہ گئے علماء اغنیاء (جو سونے چاندی کے نصاب کے مالک ہیں، یا خوشحال و زمیندار ہیں، یا کرایہ کی جائیدادوں کے مالک ہیں، اور قرآن وعلوم دینیہ کی ترویج اور دعوت و ارشاد ہدایت و تبلیغ یا درس و تدریس میں مصروف و مشغول رہتے ہیں، ان کو زکوٰۃ دینی اور خود ان کو زکوٰۃ لینی جائز ہے، یا نہیں؛ اسی طرح مدارس کا اجراء و قیام اور مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اس مد سے دینی جائز ہے یا نہیں، سو اس میں اختلاف ہے بعض علماء اہل حدیث اسے جائز و درست کہتے ہیں، ان میں سے بعض نے ان علماء و مدرسین کو "سبیل اللہ" میں داخل سمجھا ہے، ان کا خیال ہے کہ سبیل اللہ کے ذریعہ ایک جامع دعاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا ہے، جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آگئیں، مثلاً قرآن اور علوم شرعیہ کی ترویج و اشاعت مدارس کا اجراء و قیام دعاۃ و مباخین کا قیام ارسال ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید مسائل۔

اکثر علماء کے خیال میں سبیل اللہ سے مراد صرف مجاہدین و غزاۃ ہیں۔ کما قال شمس الائمۃ ابن قدامہ فی الشرح الکبیر علی متن المقنع لاخلاف فی انھم الغزاۃ لان سبیل اللہ عند الاطلاق ھو الغزو انتہی۔ علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم نے مخالفت کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :۔

ھذا غیر صحیح بل سبیل اللہ ھو الطریق الوصل ای مرضاتہ وجنۃ وھو الاسلام فی جملتہ وایات الانفاق فی سبیل اللہ تشتمل جمیع انواع النفقۃ المشروعۃ وماذا یقول فی ایات الصد و الاضلال عن سبیل اللہ والھجرۃ فی سبیل اللہ بل لا یصح ان یفسر سبیل اللہ فی ایات القتال نفسھا بالغزو لان القتال ھو الغزو وانما یکون فی سبیل اللہ اذا ارید بہ ان تکون کلمۃ اللہ ھی العلیا ودینہ ھو المسبع فی سبیل اللہ فی الایۃ یعم الغزو الشرعی وغیرہ من مصالح الاسلام بحسب لفظہ العربی ویحتاج التخصیص الی دلیل صحیح انتہی قلت الراجح عندی انھو الغزاۃ خاصۃ وان کانت کلمۃ سبیل اللہ بحسب لفظھا العربی عامۃ تشتمل جمیع مصالح الاسلام العامۃ لکن المراد فی ایۃ مصارف الزکوٰۃ فیما اری واللہ اعلم بمراد کلامہ

الغزاۃ خاصۃ والدلیل علی ھذا التخصیص ما روی احمد و مالک و ابو داؤد و ابن ماجۃ وغیرھم عن ابی سعید مرفوعاً لاتحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لعامل علیہا او رجل اشتراھا بمالہ او غارم او غاز فی سبیل اللہ الخ و علی ھذا فلا یدخل فی سبیل اللہ الاغنیاء من اصحاب الدعوۃ والارشاد والھدایۃ والتبلیغ والافتاء والتدریس وغیرھم من الموظفین فی المدارس الدینیۃ ولا یدخل فیھا ایضاً تاسیس المعاھد الدینیۃ وتعمیرھا واعانتھا واقامتھا وغیر ذالک مما یشبھہ۔

اور بعض علماء اہلحدیث نے ایسے اصحابِ نصاب کو ''عَامِلِیْنَ'' میں داخل سمجھا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ عاملین کو زکوٰۃ کا مصرف ٹھہرانے کی علت بجز اس کے اور کچھ نہیں ان عاملین نے ایک کام کو جو مصالح مسلمین سے ہے۔ انجام دیا ہے، (قال الشوکانی حدیث ابن سعید (عند الشیخین) دلیل علی ان عمل الساعی سبب لاستحقاق الاجرۃ کما ان وصف الفقراء والمسکنۃ ھو السبب فی ذلک واذا کان العمل ھو السبب اقتضی قیاس قواعد الشرع ان الماخوذ فی مقابلۃ اجرۃ۔ اسلامی حکومت کے اور عاملین کو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ٹھہرایا ہے، لیکن روایات حدیثیہ سے ثابت ہے کہ عہدِ نبوت میں جو اشخاص اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے تھے، ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کاموں کی اُجرت عنایت فرماتے تھے، ابوداؤد میں بریدہ سے مرفوعاً روایت ہے:۔ من استعملنا علی انہ عمل فرزقناہ رزقاً فما اخذ بعد ذلک فھو غلول قال الشوکانی فیہ دلیل علی انہ لا یحل للعامل زیادۃ علی ما فرض لہ من استعملہ وان ما اخذہ بعد ذالک فھو من الغلول وذالک بناء علی انہ اجارۃ ولکنھا فاسدۃ یلزم فیھا اُجرۃ المثل الی اخر ما قال (نیل الاوطار)

پس حکومتِ اسلامی کے دیگر عاملین مثل قضاۃ وغیرہ بوجہ اشتراک فی العلۃ بحکم سعاۃ میں داخل ہیں اس کے علاوہ عہد خلافت راشدہ میں بھی دیگر عاملین کی اُجرت بلکہ خود حاکم کی اُجرت مال مسلمین سے دیا جانا ثابت ہے، اور انہی وجوہ سے خلف و سلف کی ایک

بڑی جماعت اس جانب گئی ہے۔ قال الطبری ذهب الجمهور الی جواز اخذ القاضی الاجرة علی الحکم لکونه یشتغله الحکم من القیام بمصالحه (عمدة القاری للعینی) واحتج ابو عبیدة علی جواز ذلک بما فرض الله للعاملین علی الصدقة جعل لهم حقا منها لقیامهم وسعیهم الی قوله وقال ابن المنذر حدیث ابن سعدی حجة فی جواز ارزاق القضاة من وجوهها (فتح الباری) وقال القاری فی المرقات فی شرح حدیث وغیره جواز اخذ العوض من بیت المال علی العمل العام وان کان فرضا کالقضاء والحسبة والتدریس بل یجب علی الامام کفایة هولاء ومن فی معناهم فی بیت المال انتهی (وقال المولوی عبد الحی اللکهنوی فی عمدة الرعایة وکل من فرغ نفسه لعمل من امور المسلمین یستحق علی ذلک رزقا کالقاضی الخ) پس ایسا مدرسہ جو مصالح مسلمین پر مشتمل ہے، اس کے مدرسین کو مدِ زکوٰۃ سے تنخواہ دینی کیوں درست نہیں، ساتھ ہی اس کے اس زمانہ میں مدارس دینیہ کے قیام و بقا کی جو ضرورت ہے۔ وہ مخفی نہیں، یہ بھی ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ مدرس کی امداد مدِ زکوٰۃ سے نہ ہوگی۔ کوئی مدرسہ چل نہیں سکتا، پس جب عاملین صدقات کے ساتھ دوسرے عاملین ملحق ہیں، اور عاملین زکوٰۃ کے لئے بحالت ان کے غنی ہونے کے بھی زکوٰۃ سے اُجرت لینی درست ہے۔ تو مدِ زکوٰۃ سے مدرسین کو زکوٰۃ معین و غیر معین دونوں طرح لینا ان کے غنی ہونے کی صورت میں بھی جائز اور درست ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوبکر کی تنخواہ کے واقعہ سے ثابت ہے اخرج ابن سعد عن میمون قال لما استخلف ابوبکر جعلوا له الفین فقال زیدونی فان لی عیالا وقد شغلتمونی عن التجارة فزادوه خمس مائة (تاریخ الخلفاء) علمائے حنفیہ کے نزدیک مدِ زکوٰۃ سے مدرسین و ملازمین مدرسہ کو بصورت ان کے غنی ہونے کے تنخواہ نہیں ادا کی جا سکتی، اور نہ ان کے لئے لینا جائز ہے۔ وہ کہتے ہیں، زکوٰۃ ایک فریضہ الٰہی ہے جس کی ذمہ داری مالکِ نصاب پر ہوتی، اور چونکہ وہ حج روزہ نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ اسی لئے مالکِ نصاب کو مقررہ شروط و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ مال کا ایک معین حصہ اس کے مصارف میں بطور تملیک اس طرح ادا کرنا ضروری ہے۔ کہ اس کی ادائیگی میں بجز امتثال امر الٰہی شخص مؤدی الیہ سے کسی

قسم کی کوئی غرض حصول نفع کی خاطر نہ ہو (تنویر الابصار) اس لئے وہ ان لوگوں پر بھی اس کو صرف نہیں کر سکتا کہ جن کے دینے میں حصول نفع کا احتمال ہو۔ کما قال فی رد المحتار فلا یدفع لاصلہ ای وان علا ولفرعہ ای وان سفل وکذا الزوجتہ وزوجہا وعبدہ ومکاتبہ لانہ بالدفع الیہم لم تنقطع المنفعۃ عن الملک ای المزکی من کل وجہ۔ رد المحتار جلد ۲ ص اداسی بنا پر اُجرت معاوضہ پر بھی اس کا صرف کرنا جائز نہیں معلوم ہوا کہ مدرسین کی تنخواہ مد زکوٰۃ سے نہیں ادا کی جا سکتی کہ وہ معاوضہ ہے ان کے عمل کا اور زکوٰۃ میں معاوضہ مقصود نہیں ہوتا، حنفیہ کہتے ہیں کہ عاملین صدقات کے ساتھ اغنیاء مدرسین کو ملحق کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ ملتا ہے۔ وہ بطریق عمالہ ہے اور چونکہ یہ عمالہ بقدر کفاف یعنی ان کے اور ان کے اعوان کی ضرورت اور حاجت کے مطابق دیا جاتا ہے، اس لئے اس کو اُجرت و معاوضہ سمجھنا غلط ہے، کیونکہ وہ مقدار جو اسکو اور اس کے اعوان کو کافی ہو سکے، وہ مجہول اور غیر معلوم ہو، اور احد العوضین کی جہالت جواز اجارہ سے مانع ہے، پس معلوم ہوا کہ عامل صدقہ کا استحقاق بطور اُجرت و معاوضہ کے نہیں ہے۔ بلکہ بطریق کفایہ ہے، بنا بریں مدرسین و ملازمین مدرسہ کو عاملین صدقات کے ساتھ ملحق کرنا غلط ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دیگر عاملین کے عمالہ سے جو ان کو بیت المال سے ملتا ہے۔ مدرسین کے مد زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کے جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بیت المال دراصل اسلامی خزانہ کا نام ہے جس کے مختلف شعبے ہوتے تھے، اور ہر شعبے کے مصارف جداگانہ ہوتے ہیں، مثلاً ایک شعبہ بیت الخمس کا تھا جس میں جنس غنائم وغیرہ جمع ہوتے تھے، اور اس کو آیت "وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُم" الخ کے تحت صرف کیا جاتا تھا، دوسرا شعبہ بیت الصدقات تھا۔ جس میں عشر و زکوٰۃ فطرہ کے اموال جمع ہوتے تھے، اور اس کو مصارف منصوصہ ثمانیہ میں صرف کیا جاتا تھا، تیسرا شعبہ خراج الارض والجزیہ تھا۔ جس میں زمینوں کا خراج اور جزیہ وغیرہ کا مال جمع رہتا۔ اس شعبہ سے قاضی مفتی اور علماء کرام کو بقدر کفاف ملتا تھا۔ چوتھا شعبہ لاوارث لوگوں کے ترکہ اور لقطات کا تھا، جس کو ضوائع کہتے ہیں، اس سے عام مصالح

مساکین میں امداد ملتی تھی (عالمگیری) پس یہ ثابت کرکے کہ علماء و قضاۃ اور عمال کو بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی، یہ ثابت کرنا مدِ زکوٰۃ سے مدرسین تنخواہیں پا سکتے ہیں، صحیح نہیں۔ الی آخرہ

(املاہ عبید اللہ المبارکپوری رحمانی المدرس مدرسۃ دار الحدیث الرحمانیہ دہلی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۶)

توضیح:۔ ان سب عبارتوں کا جواب قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے مضمون میں دیکھئے۔ (سعیدی)

سوال:۔ سلاطین اسلامی کے وقت میں عشر کہ رعایا سے لیا جاتا تھا، اس کو وہ کس مصرف میں صرف کرتے تھے، اور کتب فقہ کی رو سے مصارف عشر کیا کیا ہیں معہ حوالہ کتاب بذریعہ اخبار مطلع کریں؟

اہلحدیث:۔ آپ کی پیش کردہ صورت پر کوئی نص دلیل نہیں ہے، نہ میرے پر۔ ہاں میری صورت میں فقراء کا فائدہ اور ایک مقیس علیہ بھی ہے، آپ کی میں نہیں۔ تمام کتب فقہ میں عشر کے مصارف وہی ہیں، جو زکوٰۃ کے ہیں، بعض سلاطین اصل مصارف میں خرچ کرتے تھے، بعض اپنی شراب نوشی کا حصہ بھی اسی سے نکالتے تھے، کیا آپ نے نہیں سنا۔

ھل افسد الناس الا الملوک + وعلماء سوء ورھبانھا (۱۳ مارچ ۱۹۱۱ء)

تعاقب:۔ از حضرت العلامہ مولانا عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ رحیم آبادی

سوال: غلہ کی زکوٰۃ جس کو عشر کہتے ہیں، نکالنی واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو نہری زمین سے کتنا حصہ کس طرح آنا چاہیئے؟ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اخبار اہلحدیث مؤرخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ ہجری مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۱۲ء میں یہ مسئلہ بایں مضمون لکھا ہے کہ غلہ کی زکوٰۃ واجب ہے، مگر چونکہ سرکاری مالگذاری بھی ضروری ہے، اس لئے میری ناقص رائے میں بقایا میں سے چالیسواں حصہ ادا کرنا کافی ہے۔

جواب:۔ یہ مسئلہ باعثِ شہرت محتاجِ بیان نہیں ہے، مگر شاید مولوی ثناء اللہ صاحب کی تحریر سے شبہ پیدا ہوا ہے۔ وہی موجب سوال ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صاف صاف یہ حکم ہے کہ جو بارش خواہ زمین کی شادابی سے پیدا ہو اس میں دسواں حصہ اور جس میں پانی سینچنے سے پیداوار ہو اس میں نصف العشر یعنی بیسواں ہے دو ہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں، مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ اپنا خیال ہے کہ سرکاری مالگذاری کے سبب سے کم ہونا چاہیئے۔ اور چالیسواں حصہ کافی ہے، یہ ان کی ذہنی بات ہے، نہ شریعت کا حکم۔ شریعت میں

وہی صورت ہے جو بہت مذکور ہوئی اور حدیث میں وارد ہے۔ کہ صحابہ کرام ان کی زمین کی پیداوار میں سے عشر دیتے تھے اور چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ممکن نہیں ہے۔ عن یحیی ثنا ابن المبارك عن یونس قال سألت الزهری عن زکوٰۃ الارض التی علیها الجزیة فقال لم تزل المسلمون علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وبعده یعاملون علی الارض ویستکرونها و یؤدون الزکوٰۃ مما اخرج منها فتری هذه الارض علی نحو ذلك ۔ اگر کسی کو ہر سال ہونے کا خیال ہو تو کم از کم اتنا تو ضرور ثابت ہے کہ مدینہ کا دستور یہی تھا کہ کرایہ والی زمین میں عشر دیا جاتا تھا۔ اول نصوص کا عموم اس کے ساتھ یہ روایت پھر کیا حیل تخن ہے علاوہ چالیسواں حصہ اپنی طرف سے نکالنے کا کیا حق کسی کو ہے؟

(اہلحدیث ۳ مئی ۱۹۱۲ء)	راقم عبدالعزیز رحیم آبادی

تعاقب:۔ جناب نے اپنے موقر اخبار مجریہ ۳۰ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ میں سوال نمبر ۱۰۸ کے جواب میں فرمایا ہے کہ ایسی حالت میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کر دینا کافی ہے۔ جامع ترمذی اور صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔ عن سالم عن ابیه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سن فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر ترمذی باب الصدقة فیما یسقی بالانهار وغیرها یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پیداوار میں جس کو آسمان کی بارش اور چشمہ پلائے یا وہ زمین تری والی ہو جس کے پلانے کی ضرورت نہ ہو اس میں دسواں حصہ مقرر فرمایا ہے۔ اور جسکو اونٹ وغیرہ کے ذریعے پلایا جائے اس میں بیسواں حصہ مقرر فرمایا ہے۔ اس حدیث سے اور اس کے ماسوا دوسری صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جو غلہ آسمانی یا نہر وغیرہ کے پانی سے پیدا ہوا اس میں دسواں حصہ فرض ہے یہی مذہب تمام محدثین کا ہے زمین کے خراجی ہونے سے عشر میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔ ہمارے استاد مکرم حضرت علامہ زماں مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ترمذی میں یہی مسلک اختیار فرمایا ہے نیز آپ نے اپنے دیگر فتویٰ قلمیہ اور مطبوعہ میں اسی کو حق و صواب فرمایا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ نذیریہ اور خاکسار کے پاس موصوف کا ایک قلمی فتویٰ بھی موجود ہے۔ آپ نے شرح ترمذی میں عشر کے علی الاطلاق بلا تخصیص واجب ہونے پر منجملہ اور دلائل کے دو اثر بیان فرمائے ہیں۔ پہلا اثر حضرت عمر بن عبدالعزیز سے عمرو بن میمون نے پوچھا کہ مسلمان کے قبضے میں خراجی زمین ہے اور اس سے مال زکوٰۃ (یعنی عشر) طلب کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے ذمہ خراج ہے، تو عمر بن عبدالعزیز نے

جواب دیا کہ ۔ الخراج علی الارض والعشر علی الحب یعنی خراج مالگذاری زمین پر ہے اور عشر پیداوار پر ہے "دوسرا اثر امام زہری سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد مسلمان لوگ برابر زمین کا معاملہ کرتے اس کو کرایہ پر یعنی مالیہ کے عوض لیتے اور اس کی زکوٰۃ اس کی پیداوار سے ادا کرتے رہے :۔ لم یزل المسلمون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعد لا یعاملون علی الارض ویستکرونھا ویؤدون الزکوٰۃ عما یخرج منھا ۔ پس اس صورت مذکورہ اور ہر دو اثر مذکور سے صاف نکلتا ہے کہ زمین سے جو غلہ بلا مؤنت اور خرچ کے پیدا ہو اس میں دسواں حصہ فرض ہے، اور بیسواں حصہ کافی نہ ہوگا ۔ لہذا آنجناب سے مؤدبانہ عرض ہے کہ آپ اپنے جواب پر نظر ثانی فرما کر محقق ومدلل جواب سے بذریعہ اخبار مسرور وممنون فرما دیں۔

(خاکسار ابو الطیب عبد الصمد مبارکپوری عفی عنہ)

جواب :۔ متعاقب کا یہ فقرہ جو بلا مؤنت اور خرچ کے پیدا ہو اس میں عشر ہے اپنے معنی میں بالکل صحیح ہے ۔ مگر اس سے پہلے جس صورت میں آپ نے نصف عشر خود تسلیم فرمایا ہے، اس کو مؤنت پر مبنی آپ بھی مانتے ہیں، اب یہاں فقہ الحدیث کی بنا پر دیکھنا ہے کہ پانی کنوئیں سے نکالنے کی جو مؤنت (خرچ) ملحوظ رکھی گئی ہے ۔ تو نہری آبیانہ کو نظر انداز کس طرح کر سکتے ہیں ۔ کیا یہ مؤنت نہیں ہے، یقیناً ہے ۔ شریعت کے احکام میں غور وتدبر کرنا چاہیے خصوصاً ان مسائل میں جو نظام حکومت کے متعلق ہوں کامل غور سے کام لینا چاہیے مؤنت آبیانہ نہری کے علاوہ مؤنت مالگذاری بھی قابل لحاظ ہے میں اس کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بھی زمیندار کی خود ساختہ مؤنت نہیں، بلکہ جبریہ مؤنت ہے، جو کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتی ۔ پس آپ آیات واحادیث پر فاروقی دماغ سے تدبر کیا کریں، یہ محض بے دلیل قیاس نہیں ہے، بلکہ اس کی بنا بھی ملتی ہے، چنانچہ آپ نے بھی چاہی مؤنت کی وجہ سے عشر تسلیم کیا، اور کرنا چاہیے ۔ فافہم وتدبر ۔ (۱۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۵)

سوال :۔ غلہ عشر یا فطر یا چرم عقیقہ یا چرم قربانی اپنے اپنے ہاتھ سے خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگرچہ سردار بھی بطور نام نہاد من بزرگ جو کہ موجود ہوں) کیا ان کی اجازت یا مشورے سے خرچ کیا جائے؟

جواب :۔ مقررہ سردار کی بیعت کے وقت چرم قربانی وغیرہ کا انتظام اگر اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے، اور سب بیعت کنندوں نے تسلیم کیا ہے، تو اس کی معرفت خرچ کرنا چاہیے، اور اگر سردار یا امیر کوئی نہیں تو خود تقسیم کر سکتا ہے۔

لحدیث ان لم یحی امیر الحدیث ۔ (۱۳ مئی ۱۹۳۰ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۷۶)

سوال: ۔ زکوٰۃ کی مد سے اور عشر سے مدرس کی تنخواہ دی جا سکتی ہے، یا نہیں یا مدرسہ کے کسی خرچ میں مثلاً کتب خانہ یا مرمت میں لگا سکتے ہیں؟

جواب: ۔ زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بعض علماء عام کرتے ہیں، وہ ہر نیک کام میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز کہتے ہیں، نیک کاموں میں مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی دیگر ضروریات بھی شامل ہیں ۔ (۲۶ رجب ۱۳۶۲ھ)

منشرفیہ: ۔ میں کہتا ہوں کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بعض علماء نے کتنی وسعت کی ہے کہ کوئی شے بھی اس کے شمول سے باہر نہیں جا سکتی تو پھر آٹھ مصارف کے بیان کی کیا ضرورت تھی، غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین وغیرہ جمہور کو صحابہ کو شہر کی حفاظت خندق وغیرہ مساجد، کنواں، مُردوں کے کفن ودفن بلوں وغیرہ کی ضرورت تھی، مگر مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی بھی آپ نے یا خلفاء راشدین نے زکوٰۃ کے مال میں سے اُن امور پر صرف کیا ہو، اس سے ثابت ہوگیا کہ باوجود ضرورت، مال زکوٰۃ کو ان پر صرف نہ کرنا، اور طرح سے ان امور کو سرانجام دینا، مال زکوٰۃ کو ان پر صرف نہ کرنے کی بین دلیل ہے، اور لفظ فی سبیل اللہ کا عموم یا کلیہ نہ ہونے پر بھی صحیح مسلم وغیرہ کی مرفوع حدیث بھی ہے کہ عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مال زکوٰۃ کی تحصیل پر ہم کو مقرر کر دیں تاکہ ہم بھی وصول کر کے کچھ معاوضہ لیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ مال زکوٰۃ اوساخ الناس ہے، وانہا لا تحل لمحمد ولا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۴۴ جلد ا صفحہ ۳۴۵ جلد ا۔ ثابت ہوا کہ سادات بنی ہاشم کی ضرورت کو پورا کرنا فی سبیل اللہ میں داخل تھا، مگر پھر بھی ان پر جائز نہیں، اور مفت بھی نہیں محنت تھی، مگر پھر بھی ناجائز ثابت ہوئی ویسے ہی مساجد خانہ خدا پر بھی اوساخ الناس صرف کرنا جائز نہیں، کفن دفن پر بھی جائز نہیں کہ مالِ زکوٰۃ حق زندوں کا ہے، مُردوں کا نہیں، ورنہ فقراء ومساکین وغیرہ مصارف مذکورہ فی القرآن زندوں اور مردوں دونوں کا حق مساوی

ہوگا، تو مال زکوٰۃ نہ ندوں کا حق مردوں ہی پر پورا نہ ہوگا، چہ جائیکہ قلعہ مساجد وغیرہ انکی تجدید یہ ہی مشکل ہوگی، اذلیس فلیں اور پلوں اور سڑکوں، قلعوں، نہروں، چشموں، مسافر خانوں، لنگر خانوں شہروں کی فصیلوں غرباء تجار جن کے پاس کار و بار چلانے کو روپیہ کم ہو، اور ان کو اور کاشتکاروں کو قرض دینا وغیرہ کہ یہ فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہیں، ان پر صرف کیا جائے گا، تو اس صورت میں بھی نہ ندوں، فقراء و مساکین وغیرہ مصارف کے لئے خاک بھی نہیں بچ سکتا۔ اور یذکر عن ابی اساس قال حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج انتہیٰ مافی ترجمہ البخاری اول تو یذکر ہے، دوم اس میں تصریح نہیں کہ وہ لوگ غنی تھے، اور صرف حج ہی باعثِ حمل تھا۔ بظاہر وہ زکوٰۃ کے مستحق معلوم ہوتے تھے، یہی جواب عبداللہ بن عباس کے قول یعطی فی الحج کا ہے اور قال الحسن ان اشتری اباہ من الزکاۃ جاز یہ فی الرقاب کا ایک فرد ہے، اور غنیاء کو مال زکوٰۃ لینے کے متعلق حدیث مرفوع میں آچکا ہے۔ لغاز فی سبیل اللہ او لعامل علیہا اولغارم اولرجل اشترا بما لہ اورجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاہدی المسکین علی الغنی رواہ مالک وابوداؤد مشکوٰۃ ص ۱۶۱ جلد ۱۔

خلاصہ یہ کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ایسی وسعت نہیں کہ دنیا کی تمام ضروریات کو شامل ہو، جیسے کہ بعض علماء نے حواشی مذکورہ میں کیا ہے۔ پس اس سے جہاد میں صرف کرنا مراد ہے، ہاں اگر کسی آیت یا حدیث مرفوع صحیح کی نص سے کسی شئی میں کسی کو علاوہ جہاد کے صرف کرنے میں ثابت ہوجائے، تو فبہا ورنہ نہیں اور دینی مدارس جہاں کتاب و سنت کی تعلیم باقاعدہ ہوتی ہو، کتاب و سنت پر عمل بھی صحیح طور پر ہو، صورت و سیرت کتاب و سنت کے مطابق ہو وہاں دینی جائز ہے، اور صرف یہی نہیں کہ تعلیم انگریزی ہندی تعلیم وغیرہ دنیوی علوم کی ہو، اور برائے نام کچھ عربی کا قلیل اقل شغل رکھ لیا ہو نہ صورت نہ سیرت نہ نماز کی پابندی نہ اور فرائض کی، نہ اخلاق حمیدہ، نہ اساتذہ پابند شرع، بلکہ بعض شرع کا مذاق اڑانے والے تو وہاں قطعاً جائز نہیں پس قسم اول ہی کو دینی جائز ہے، اور مدارس مذکورہ جن کو جائز ہے، ان میں طالب العلم اصل ہیں، جو عموماً نادار، مفلس ہوتے ہیں، یا

جن کو والدین وغیرہ علم دین حاصل نہیں کرنے دیتے، اور وہ گھر سے نکل کر عموماً پردیس پڑھتے ہیں، وہ ابن السبیل بھی ہوتے ہیں، مسکین فقیر بھی پھر ان کے خورد و نوش، لباس و قیام کتب وغیرہ کا انتظام جس میں مدرسین جزء اوّل ہیں، پھر اگر وہ نادار ہوں یعنی وہ صاحب جائداد نہیں، کہ درس دے کر، ان کو اپنی ضروریات کے لئے مدرسہ سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو، پھر ان کو بھی جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، کہ اگر وہ اور کام کرتے تو، تنخواہ سے اپنی ضروریات پوری کرتے۔ اب مدرسے سے کریں گے۔ مدرسہ کی تعمیر کتب کی خرید، جلد سازی بھی بلکہ اگر مدرسہ میں اور ملازم منشی وغیرہ کی ضرورت ہو وہ بھی مدرسہ میں داخل ہے، جیسے بیت المال یا تحصیل زکوٰۃ میں قرون ثلاثہ میں تھا، ہاں یہ بھی ضروری ہے، کہ متولی اور ناظم مدرسہ پابند شرع خداترس ذی علم جو کتاب و سنت سے اچھی طرح واقف ہو، اور انتظام کا مادہ بھی۔ اور حتی الامکان وہ زکوٰۃ کے مال کو وہیں صرف کرے، جہاں جہاں کرنا چاہیئے، اس لئے کہ مدارس میں اور طریق سے بھی چندہ وصول ہوتا ہے، اور مدّوں میں حتی الامکان اور چندوں سے صرف کرے، ہاں چرم قربانی بھی مدارس مذکورہ دینیہ میں دی جا سکتی ہیں، اور جب ثابت ہو چکا کہ قرآن شریف میں إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیۃ میں لام لبیان المصرف ہے للتملیک نہیں کما فی الفتح اور مصرف صرف آٹھ ہی ہیں، اور لفظ فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد میں ہی صرف کرنا مراد ہے، ورنہ اگر ایسا عام مراد ہوتا، جیسے بعض علما نے لکھا ہے کہ کوئی چیز کوئی مصرف اس سے باہر نہیں رہتا، دنیا کے مصارف اس میں آ جاتے ہیں، تو پھر آٹھ کا بیان ہی معاذ اللہ فضول ہے، وَإِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ اگر یہ لفظ اوّل آیۃ میں ہوتا تو اس کے بعد کو اس کی تفسیر بنایا جاتا، اور اگر اس کو سب سے آخر ہوتا تو تعمیم بعد تخصیص سو یہ بھی نہیں تو پھر سوا اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک مستقل چیز ہے، جو اقسام کو جو اس کے ساتھ مذکور نہیں ان کو شامل ہو اس لئے کہ تقسیم اقسام میں تقابل اور ہر ایک دوسرے کا قسیم ہوتا ہے، اور عموم مذکور میں شمول ہوتا ہے، لہٰذا تفسیر بعض علما قطعاً باطل ہے، صرف جہاد ہی مراد ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ میں تنگی وسعت نہ کی جائے، تو اور مصارف کفن دفن

موتی، مساجد وچاہ وغیرہ کیسے نہیں تو جواب یہ ہے، کہ کتاب وسنت میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال صرف کرنے کا ذکر یا ترغیب ہے، اس میں سے اُن امور کو سرانجام دیا جا سکتا ہے، بلکہ دیا جاتا تھا، زکوٰۃ کے مصارف کو تو خود اللہ تعالیٰ نے معین کر دیا ہے، اور جانتا بھی ہے، اور تھا کہ فلاں فلاں امور کی ضرورت ہوگی، پھر بھی آٹھ ہی مصرف کو بیان کیا، عام نہ رکھا، ہاں اور طرح اور مصارف یا اور اشیاء کو بیان کر دیا وہ یہ ہے، قال اللہ تعالےٰ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ آتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ الایۃ پ ۱ ع ۳ وقال اللہ تعالےٰ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ الایہ پ ۳ ع ۵ دیکھئے زکوٰۃ کے بعد جس چیز کا بیان ہے، وہ ہر قسم کے خرچ کو شامل ہے، جو مشروع ہو۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المال لحقاً سوی الزکوٰۃ ثم تلا لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الایہ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۹ جلد ۱ وعن سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئراً فقال ھذہ لام سعد رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص ۱۶۹ جلد ۱ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثۃ الا من صدقۃ جاریۃ اوعلم ینتفع بہ اوولد صالح یدعولہ رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۳۲ جلد ۱ وقال ایضاً ان مما یلحق للمؤمن من عملہ حسنۃ بعد موتہ علماً علمہ ونشرہ وولداً صالحاً ترکہ او مصحفاً ورثہ اومسجداً بناہ اوبیتاً لابن السبیل بناہ اونہراً اجراہ اوصدقۃ اخرجھا من مالہ فی صحتہ وحیوتہ یلحقہ بعد موتہ رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۳۶ جلد ۱ وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من یشتری بئر رومۃ یجعل دلوہ مع دلاء المسلمین بخیر لہ منہا فی الجنۃ الحدیث رواہ الترمذی والنسائی والدارقطنی مشکوٰۃ ص ۵۶۱ جلد ۱ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۶۸ ج ۱۔ ان امور مذکورہ ہیں مدارس کی تعمیر بھی آ سکتی ہے، اور ہر قسم کے مصارف وضروریات عامہ اور ہر جگہ وہر حال وموقعہ ناداری کا عذر غلط ہے، جب بعض زکوٰۃ دیتے ہیں تو ویسے بھی خرچ کے مستحق بلکہ بعض اوقات ان پر یہ ضروری ہو، جاتے ہیں،

اور کفن دفن تو اہل اسلام پر موتیٰ کا حق ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ مسلم وقال ایضا البسوا من ثیابکم البیض فانہا من خیر ثیابکم وکفنوا فیہا موتاکم رواہ الخمسۃ الا النسائی وصححہ الترمذی (بلوغ المرام)

ابوسعید شرف الدین دہلوی

جواباً عرض ہے:۔ کہ فقیر کے نزدیک تعمیر مدرسہ، تنخواہ مدرسین، امداد طلبہ وفی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہے، اس لئے کہ لفظ مذکور عام ہے، بعض مفسرین بھی اس طرف گئے ہیں، چنانچہ تفسیر خازن میں ہے:۔ قال بعضہم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولہذا اجاز بعض الفقہاء صرف سہم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المسجد وغیر ذالک لان قولہ وفی سبیل اللہ عام فی الکل فلا یختص دون غیرہ انتہیٰ (مطبوعہ مصر ص۲۴۰ جلد ۲)

بعض مفسرین (قفال مروزی) وغیرہ نے کہا ہے، کہ لفظ سبیل اللہ عام ہے پس اس کو محض غازیوں پر منحصر کرنا جائز نہیں۔ اس لئے بعض فقہا نے حصہ سبیل اللہ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے، جیسے مردوں کا کفن دفن اور پل اور قلعوں کا بنانا، مساجد کی تعمیر اور اس کے سوا جیسے مدرسہ کی تعمیر وغیرہ اس لئے کہ اللہ کا فرمان فی سبیل اللہ ہر ایک کو عام ہے پس وہ غزوہ ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔ اعلم ان ظاہر اللفظ فی قولہ وفی سبیل اللہ لا یوجب القصر علی الغزاۃ فلہذا المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقہاء انہم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد لان قولہ فی سبیل اللہ عام فی الکل انتہیٰ۔ (مفاتیح الغیب مصری ص۲۸۱ جلد ۲)

یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ کا ظاہر لفظ موجب حصر بر مجاہدین ہے، اس معنی کے لحاظ سے امام قفال مروزی (محدث) نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے، جیسے تکفین موتی اور قلعوں

کا بنانا اور مساجد کی تعمیر اس لئے کہ اللہ کا قول وفی سبیل اللہ ہر امور خیر کو عام ہے، ایسا ہی خاتمۃ المفسرین نواب صدیق حسن صاحب مرحوم نے تفسیر فتح البیان میں فرمایا ہے۔ حیث قال:-

ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک انتہی (فتح البیان۔ مصری ص۲۴ الجلد ۴)

بے شک لفظ (سبیل اللہ) عام ہے، پس اس کو ایک خاص قسم (غزوہ) پر منحصر کرنا جائز نہیں، اس میں نیکی کے تمام اقسام داخل ہیں، کفن، موتی۔ پل اور قلعوں کا بنانا۔ مسجدوں کا تعمیر کرنا اور بھی اس کے سوا (جیسے تعمیر مدرسہ وغیرہ) انتہی۔ ان عبارات سے ظاہر و باہر ہے کہ لفظ سبیل عام ہے جو ہر نیک کام کو شامل ہے، اس میں طلباء کی امداد و اعانت بھی شامل ہے، جیساکہ تفسیر مظہری میں ہے۔

من انفق مالہ فی طلبۃ العلم صدق انہ انفق فی سبیل اللہ ص۱۵ (مطبوعہ ہاشمی)

جس نے اپنا مال طالبعلموں پر صرف کیا اس کی بابت یقیناً کہا جائے گا کہ یہ خرچ ثمانیہ سے سبیل اللہ میں داخل ہے، اسی طور سے تعمیر عمارت مدرسہ بھی مال زکوٰۃ سے فی سبیل اللہ میں داخل ہے کما مر بیانہ فقیر کے نزدیک اسی طور سے تنخواہ علماء مدرسین بھی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

امام شوکانی وبل الغمام میں لکھتے ہیں:۔ ومن جملۃ فی سبیل اللہ الصرف فی العلماء فان لھم فی مال اللہ نصیبا سواء کانوا اغنیاء او فقراء بل الصرف فی ھذہ الجھۃ من اھم الامور وقد کان علماء الصحابۃ یاخذون من جملۃ ھذہ الاموال التی کانت تفرق بین المسلمین علی ھذہ الصفۃ من الزکوٰۃ اھ ملخصاً (دلیل الطالب ص۴۳۲)

منجملہ سبیل اللہ کے علمائے کرام پر صرف کرنا بھی ہے، اس لئے کہ ان کا بھی اس مال میں حصہ ہے خواہ وہ امیر ہوں، یا فقیر، بلکہ اس راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے، علماء صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) بھی ان مالوں سے لیتے تھے، جو مسلمان پر مدِ زکوٰۃ سے تقسیم ہوتے تھے۔

نواب محمد صدیق حسن صاحب مرحوم اس عبارت شوکانی کا ترجمہ اپنی کتاب "عرف الجادی" میں یوں تحریر فرماتے ہیں "در سبیل اللہ مختص بہ جہاد نیست۔ منجملہ سبیل خدا صرف زکوٰۃ در اہل علم است۔ ایشاں را نصیبے در مالِ خدا است توانگر باشد یا گدا۔ بلکہ صرف آں دریں جہت از اہم امور است الخ (ص ١٠١)

خاکسار تفسیر سبیل اللہ میں انہیں اصحاب مذکورین کا ہمنوا ہے، اور اب تک اسی خیال پر قائم ہے، سائل موصوف کی اگر اس سے تشفی ہو جائے، اور خدا کرے کہ ہو جائے تو فبہا ورنہ ان کے نزدیک جو حق ہو آشکارہ فرمائیں۔ والسلام عاجز محمد قاسم محمدی بنارسی (٢٢ نومبر ١٩٤٨ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ٤٤٩)

باب آلات معاش پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ زید نے پانچ سو روپیہ سے کشتی خریدی۔ اب ہر سال اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کشتی مذکور اگر بغرض تجارت خریدی ہے، تو زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ اموال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے، امام نوویؒ قول نبوی واما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعہ واعتادہ فی سبیل اللہ کے تحت میں لکھتے ہیں۔

قال اہل اللغۃ الاعتاد آلات الحرب من السلاح والحرب وغیرہا ومعنی الحدیث انہم طلبوا من خالد زکاۃ اعتادہ ظنا منہم انہا للتجارۃ وان الزکوٰۃ فیہا واجبۃ الی قولہ واستنبط بعضہم من ہذا وجوب الزکوٰۃ فی اموال التجارۃ وبہ قال جمہور العلماء من السلف والخلف خلافا لداؤد انتہی۔

اور اگر بغرض تجارت نہیں ہے، بلکہ پیشہ کے لئے ہے تو زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اس صورت میں کشتی مذکورہ آلہ معاش ہے، اور آلات معاش میں زکوٰۃ نہیں۔ لا یخفی واللہ اعلم بالصواب

حررہ احمد عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ص ٤٩٧ جلد ١)

سوال:۔ کارخانہ، مکان، لاریاں اور ٹرک جو کرایہ پر چلتے ہیں۔ اِن کی مالیت ہزار ہا روپیہ ہوتی ہے، ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ (عبد المجید از قصور)

جواب:۔ قرآن مجید میں ہے:۔ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ (پ ۱۶) یعنی جس کشتی کو خضر علیہ السلام نے عیب دار کیا۔ وہ ان مساکین کی تھی، جو دریا میں کام کرتے تھے۔ کشتی کافی مالیت کی ہوتی ہے، باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے ان کو مساکین فرمایا ہے، جس کی وجہ یہ ہے، کہ آمدنی تھوڑی تھی، جو گذر اوقات کے لئے کافی نہ تھی، اس سے معلوم ہوا کہ کمائی کے ذرائع کارخانہ، مکان، لاریان، اور آلات وغیرہ کی مالیت خواہ کتنی بھی ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں ان کی آمدنی نصاب کو پہنچ کر اس پر سال گذر جائے تو اس آمدنی پر زکوٰۃ ہے، اور اگر ان ذرائع اور آلات کی تجارت کی جائے، مثلاً لاریوں، ٹرکوں اور کارخانوں وغیرہ کی خرید و فروخت کی جائے، تو پھر یہ مال تجارت سمجھا جائے گا، اور اس کی مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔ (اخبار تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۲۵)

جائیداد غیر منقولہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جائیداد غیر منقولہ مثل پختہ مکانات و دکانیں وغیرہ جو کہ ہزار ہا روپوں کی ملکیت ہیں، مالکان کے ذمہ ان کی سالانہ زکوٰۃ ان کی قیمت لگا کر ادا کرنی ہوگی، یا آمدنی کرایہ سے و نیز اگر کرایہ کھانے پینے و دیگر حوائج ضروری پر صرف ہو جائے تو جائیداد کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ جائیداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، صرف اس کے کرایہ پر ہے، اگر کرایہ حاصل شدہ مالک جائیداد کے خرچ کرنے سے بچ رہے، اور اس پر حولانِ حول یعنی پورا ایک سال گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ ہے۔ (محمد یونس دہلوی)

(اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۲ شمارہ ۱۲)

باب صدقۃ الفطر
صاع کی تحقیق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین کہ حدیث شریف میں جو صاع کا لفظ آیا ہے، جس سے بہت سے احکام متعلق ہیں، اس کا وزن ہندوستانی تول میں کیا ہوتا ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ جاننا چاہیئے کہ صاع کا جو لفظ حدیث میں آیا ہے، وہ صاع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے، اسے صاع حجازی کہتے ہیں، اسی صاع حجازی سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے، صاع عراقی سے نہیں، کیونکہ صاع عراقی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صاع نہیں ہے، چنانچہ اس کی تصریح کتب حدیث میں موجود ہے، اور اجراء احکام اسی صاع سے ہونا چاہیئے۔ جو صاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور اس کا وزن سیروں کے حساب سے یہ ہے جو مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے:۔

پس صدقہ فطر بسیر پختہ لکھنؤ کہ نود وشش روپیہ است و روپیہ یازدہ ماشہ نصف صاع از گندم ایک آثار و شش چھٹانک و سہ ماشہ باشد و از جو و چیزہائے دیگر یعنی دو آثار و نیم پاؤ و شش ماشہ کہ وزن صاع است ونصف صاع بسیر انگریزی کہ ہشتاد روپیہ چہرہ دارست وہر روپیہ یازدہ ماشہ و چہار رتی است یک سیر و نیم پاؤ و نیم چھٹانک و یکتولہ وسہ ماشہ باشد انتہی۔

اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے، کہ اصل صدقہ فطر میں کیل یعنی پیمانہ تانبے کا ہے اور وزن کے قدر کی جو حاجت پڑتی ہے تو صرف استظہاراً و استعانۃً لطلب حفظ الاحکام کما لا یخفی علی الماہر اور لامحالہ قدر وزن میں قدر قلیل اختلاف معلوم ہوتا ہے، اور حقیقت میں مشکل ہی ہے، ضبط صاع کا ساتھ ارطال وغیرہ کے کیونکہ صاع جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا، اس سے صدقہ فطر ادا کیا جاتا ہے، تو وہ پیمانہ معروف و مشہور تھا،

اب اندازہ وقدر اس کا وزناً ہوتا ہے، سائھر مختلف ہونے اجناس صدقہ کے مثل حمص و ذرہ وغیرہ کے تو ضروری ہے کہ ایسے پیمانہ سے صدقہ دینا چاہیئے، کہ موافق صاع و پیمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو، اور جو شخص اس کو نہ پائے، تو لازم ہے کہ اس طرح سے ادا کرے کہ یتقن کامل ہو کہ یہ اس سے کم و ناقص نہیں ہوگا، مسلک الختام میں لکھا ہے کہ احتیاطاً در صدقہ فطر دو سیرا انگریزی گندم باید داد و صاع از جو و چند آں یعنی دو سیر و یک نیم چھٹانک واحتیاطاً از جو چہار سیر باید داد انتہیٰ"، پس مقدر کرنا صاع کو ساتھ پانچ رطل وثلث رطل کے بہت اقرب الی الصواب ہے، اور کہا صاحب روضہ نے "و قد یشکل منبط الصاع بالارطال فان الصاع المخرج بہ فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکیال معروف ویختلف قدرہٗ وزناً باختلاف جنس ما یخرج کالذرۃ والحمص وغیرہما والصواب ما قالہ الدارمی ان الاعتماد علی الکیل بصاع معایر بالصاع الذی کان یخرج بہ فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن لم یجدہٗ لزمہٗ اخراج قدر یتقن انہ لا ینقص عنہ، وعلی ہذا فالتقدیر بخمسۃ ارطال وثلث تقریباً کذا فی عون الباری لحل ادلۃ البخاری"، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صاع چار لپ یعنی چار لپ متوسط آدمی کا ہے، اور یہ تجربہ بھی کیا گیا ہے، پس صحیح اور موافق ہے، صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کذا فی القاموس وحکاہٗ النووی ایضاً فی الروضۃ،

اور اہل پنجاب اس امر میں بہت اچھے اور خوب ہیں، کیونکہ ان کے یہاں پیمانہ مثل مد کے پڑوپی ہے، اور مثل صاع کے ٹوپہ ہے، اور وہ اسی پیما جراء احکام وغیرہ کرتے ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حررہٗ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی فی اواخر شہر اللہ الذی انزل فیہ القرآن ۱۳۰۵ھ ہجری۔

سید محمد نذیر حسین	خادم شریعت رسول الاداب محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰
سید محمد عبد السلام غفر اللہ لہٗ ۱۲۹۹	خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲
محمد امیر الدین ۱۳۰۱	

محمد امیر الدین واعظ مذہب حنفیہ جامع مسجد دہلی۔

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی۔ جواب صحیح لکھا ہے، راقم محمد یس الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی جواب ہٰذا صحیح ہے، حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ، جواب صحیح ہے محمد فقیر اللہ۔ قد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الفقیر ابو محمد عبدالرؤف البہاری المانفوری [عبدالرؤف ۱۳۰۳]

اصاب من اجاب محمد حسین خان خورجوی۔ الجواب صحیح عبداللطیف عفی عنہ [عبداللطیف]

(فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۵۱۶ ج ۱)

صاع کی مقدار

صاع شرعی نزدیک ائمہ ثلاثہ وابو یوسف وجمہور اہل علم پنج رطل وثلث رطل است ونزدیک امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ ثمانیہ ارطال بالحجازی وہو القول القدیم لابی یوسف ثم رجع الی قول الشافعی ودر عمدہ حاشیہ شرح وقایہ نوشتہ ورجع ابو یوسف الی قول الشافعی حین دخل المدینۃ ووقف علی ذالک بعد ما کان یقول بقول شیخہ ومد شرعی کہ ربع صاع است نزد ائمہ ثلاثہ و ابو یوسف وجمہور اہل علم یک رطل وثلث رطل است ونزد امام ابو حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ دو رطل است۔ حافظ ابن حجر در فتح الباری نوشتہ والمد اناء یسع رطلاً وثلثاً بالبغدادی قالہ جمہور اہل العلم وخالف بعض الحنفیۃ فقالوا المد رطلان مداز مد کفین است یعنی آنچہ در کفین از غلہ ہموا شتہ شود آن مد است وہمیں است رطل وثلث رطل۔

شرعی صاع ائمہ ثلاثہ وابو یوسف اور جمہور اہل علم کے نزدیک ⅓ ۵ رطل کا ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ حجازی رطلوں کا ہے، پہلے امام ابو یوسف کا بھی یہی قول تھا، پھر اس سے شافعی کے قول کیطرف رجوع کر لیا، عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف جس وقت مدینہ میں تشریف لائے اور صاع شرعی کی تحقیق کی تو اپنے شیخ کے قول سے امام شافعی کے قول کی طرف رجوع کیا۔ مد شرعی جو کہ صاع کا ربع ہے، ائمہ ثلاثہ اور ابو یوسف وجمہور اہل علم کے نزدیک دو رطل کا ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں

تحریر فرماتے ہیں، کہ مدوہ برتن ہے کہ اس میں ۱⅓ رطل بغدادی سما جاوے جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے، لیکن بعض حنفی اس کے خلاف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مد دو رطل کا ہے، (اصل میں) مد مدِ کفین سے ہے، یعنی جس قدر غلہ ہاتھوں میں آجائے، وہ مد ہے، اور وہ ۱⅓ رطل ہے۔

در مرقاۃ الصعود نوشتہ قال فی المشارق سمی مداً لانہ یملأ کفی الانسان اذا مدہما طعاماً پس صاع چہار بار ملأ کفین است یکفین درمیانہ وہمیں قدر است پنج رطل وثلث رطل در قاموس نوشتہ الصاع اربعۃ امداد کل مد رطل وثلث قال الداؤدی معیارہ الذی لا یختلف اربع حفنات بکفی الرجل الذی لیس بعظیم الکفین ولا صغیر ہما از لیس کل مکان یوجد فیہ صاع النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہیٰ۔

مرقاۃ الصعود میں لکھا ہے۔ کہ مشارق میں ہے کہ مد کا نام اس واسطے مد رکھا گیا ہے، کہ جس وقت انسان اپنے ہاتھوں کو پھیلا دے، تو غلہ کا مد ان دونوں ہاتھوں کو بھر دیتا ہے، پھر اس حساب سے مد کی مقدار معلوم ہوگئی کہ اگر ہاتھوں کو چار دفعہ بھرا جائے، تو جتنا غلہ ان میں آجائے وہ مقدار صاع کی ہے،

صاحب قاموس میگوید وجربت ذلک فوجدتہ صحیحاً۔ وچہار حفنات از گندم بتجربہ معلوم شدہ کہ دو سیر پختہ انگریزی ونصف پاؤ مے شود وہذا علی مذہب الجمہور ونزدیک امام ابو حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ صاع ہشت رطل است بایں حساب صاع سہ سیر پختہ ویک نیم پاؤ انگریزی وزن ہشتاد روپیہ ڈبل است دو وزن رطل بحساب مذکور دو آنہ کم سی و دو روپیہ مے شود دریں مسئلہ قول راجح قول جمہور است لہٰذا ابو یوسف بعد از تحقیق صاع نبوی در مدینہ منورہ رجوع از قول شیخ خود بقول جمہور نمود

قاموس میں لکھا ہے کہ صاع چار مد کا ہوتا ہے، اور ہر مد ۱⅓ رطل کا اور داؤدی نے کہا کہ معیار اس کا جس میں اختلاف نہیں ہے، وہ چار لپ ایک ایسے آدمی کے ہیں، کہ جس کے ہاتھ نہ بڑے ہوں، اور نہ چھوٹے اس واسطے کہ صاع نبوی ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتا انتہیٰ اور صاحب قاموس کہتا ہے کہ میں نے اس کو آزمایا تو صحیح پایا دلیعنی صاع نبوی کے

موافق پایا! اور گیہوں کے چار بک تجربہ سے معلوم کیا گیا ہے، کہ ۲½ سیر انگریزی ہوتے ہیں، اور جمہور اہل علم کے مذہب کے موافق بھی یہی ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہے، اس حساب سے صاع ۳½ سیر انگریزی ہوئے سیر پختہ انگریزی سے مراد اسی روپے کا سیر ہے۔ حساب مذکور سے رطل کا وزن اکتیس روپے چودہ آنے ہوتا ہے، ان مسائل میں راجح قول جمہور ہی کا قول ہے، اسی واسطے امام ابویوسف نے مدینہ منورہ میں آکر جب صاع نبوی کی تحقیق کی تو اپنے شیخ (امام ابوحنیفہ) کے قول سے جمہور اہل علم کے قول کی طرف رجوع کیا۔ حررہٗ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما

مجموعہ فتاویٰ غزنویہ ص ۲۰۴

سوال:۔ صدقۃ الفطر ہر ایک شخص کی طرف سے کتنا دینا چاہیئے؟ ایک صاع انگریزی تول سے کتنا ہوتا ہے، آج کل کنٹرول کیوجہ سے غلہ نہیں ملتا، اگر ملتا ہے تو بڑی دقت سے۔ لہٰذا کیا ایسی صورت میں فطرہ معاف ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے، انگریزی تول سے ایک صاع میں ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتے ہیں۔ علماء احتیاطاً پونے تین سیر بتاتے ہیں، ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، میں اس کی سند دیا کرتا ہوں، حدیث شریف میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مسلمان پر ایک صاع فطرہ دینے کو فرض فرمایا ہے، لہٰذا ایک صاع یعنی پونے تین سیر غلہ فطرہ میں دینا چاہیئے۔ فی زمانہ بے شک کنٹرول کی وجہ سے دقت ہے، لیکن کسی نہ کسی صورت سے کھانے کے لئے، جس طرح غلہ مہیا ہو جاتا ہے، اسی طرح فطرہ کے لئے بھی کوشش سے مل سکتا ہے؛

اہلحدیث گزٹ شمارہ ۱۶ صفحہ ۱۶

محمد یونس مدرس مدرسہ حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی

احکام صدقۃ الفطر

سوال :۔ احکام صدقۃ الفطر کے کیا کیا ہیں تفصیلاً بیان فرمادیں ؟

جواب :۔ جاننا چاہیئے کہ صدقہ فطر از روئے آیت کریمہ و احادیث صحیحہ کے فرض عین ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ترجمہ فلاح پائی، جس نے صدقہ فطر ادا کیا کیونکہ یہاں تزکّی سے مراد از روئے حدیث مرفوع کے صدقہ فطر ادا کرنا ہے، اور یہ آیت صدقہ فطر کے بارہ میں نازل ہوئی ہے، قال اللہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ولابن خزیمۃ من طریق کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُئل عن ہذہ الآیۃ فقال نزلت فی زکوٰۃ الفطر انتہیٰ ما فی نیل الاوطار للعلامۃ الشوکانی اور ابی سعید خدری اور ابن عمر سے بھی یہی روایت ہے اور ابو العالیہ اور ابن سیرین بھی یہی کہتے ہیں، اور اکثر لوگ ان کے سوا قال الامام البغوی فی تفسیر المعالم تحت ہذہ الآیۃ وقال الآخرون ہو صدقۃ الفطر روی عن ابی سعید الخدری فی قولہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی قال اعطیٰ صدقۃ الفطر وقال نافع کان ابن عمر اذا صلی الغداۃ یعنی من یوم العید قال یا نافع اخرجت الصدقۃ فان قلت نعم مضی الی المصلّے وان قلت لا قال فالآن فاخرج فانما نزلت ہذہ الآیۃ فی ہذا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۔ الآیۃ وہو قول ابی العالیۃ وابن سیرین انتہیٰ ملخصاً۔

اور صحیحین میں یعنی بخاری اور مسلم میں اعرابی کے قصہ میں فلاح اس کے لئے ثابت ہوئی ہے، جو صرف فرائض ادا کرے، اور صدقہ فطر ادا کرنے والے کو بھی اَفْلَحَ یعنی فلاح پائی فرمایا تو معلوم ہوا کہ صدقۃ الفطر بھی فرض ہے، کما لا یخفی علی الفطین ۔

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری شرح البخاری وقال اللہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وثبت انہا نزلت فی زکوٰۃ الفطر وثبت فی الصحیحین اثبات حقیقۃ الفلاح لمن اقتصر علی الواجبات انتہیٰ ۔ ان احادیث صحیحہ موعودہ میں سے ایک یہ ہے :۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من

شعیر علی العبد والحر والذکر والانثٰی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بہا ان تؤدی قبل خروج الناس الی الصلوٰۃ رواہ البخاری ومسلم۔ یعنی روایت ہے، ابن عمرؓ سے کہا فرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ایک صاع خرما سے یا ایک صاع جو سے اس سے جو ان کے سوا کھانے کی چیزیں ہوں، جن کا بیان انشاء اللہ آوے گا ہر غلام و آزاد مرد و عورت لڑکے اور جوان پر مسلمانوں سے اور حکم کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا جاوے صدقہ فطر پہلے اس سے کہ لوگ نماز کو نکلیں روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

اس حدیث سے صراحتاً صدقۃ الفطر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، حدیث میں لفظ فرض کا موجود ہے، اور فرض کے دوسرے معنی مراد لینا بغیر کسی قرینہ صارفہ کے صحیح نہیں کیونکہ یہ معنی فرض کا حقیقت شرعیہ ہے، کما تقرر فی الاصول اور اس کے سوا بہت سی حدیثیں ہیں ایک ہی پر اکتفا کیا ہے تاکہ طول نہ ہو، چنانچہ بخاریؒ نے صدقہ فطر کے فرض ہونے پر ایک باب منعقد کیا ہے، مگر اس کی قضا نہیں ہے، اور قاعدہ حکمیہ نہیں ہے، کہ جو فرض عین ہے، اس کی قضا لازم محض بے دلیل ہے کما تقرر فی الاصول۔ اور ہر مسلمان پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو، خواہ مرد ہو یا عورت خواہ لڑکا ہو، خواہ جوان۔ خواہ غلام ہو، خواہ آزاد خواہ امیر ہو، خواہ غریب جیسا کہ حدیث مذکورۃ الصدر سے واضح ہے کہ مطلق ہے شرط صاحب نصاب ہونے کی نہیں، بلکہ دارقطنی اور احمد کی روایت میں تصریح بھی آگئی ہے کہ فقیر پر بھی فرض ہے،

واستدلال لقولہ فی حدیث ابن عباس فطرۃ الصائم علی انہا تجب علی الفقیر کما تجب علی الغنی وقد ورد ذالک صریحًا فی حدیث ابی ہریرۃ عند احمد وفی حدیث الثعلبۃ ابن ابی صعیر عند الدارقطنی انتہی مافی فتح الباری۔ مگر استطاعت ضروری ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (ترجمہ:۔ نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو لیکن اس کی طاقت کے موافق۔ لڑکے کا اگر مال ہو تو اس کا ولی اس میں سے صدقہ فطر نکالے، اور اگر مال نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا باپ یا جس پر اس کا نفقہ واجب ہو ادا کرے یہی قول جمہور کا ہے،

وجوب فطرۃ الصغیر فی مالہ والمخاطب باخراجہا ولیہ ان کان للصغیر مال والا وجبت علی

من تلزمہ نفقتہ والی ہذا ذہب الجمہور انتہیٰ مافی نیل الاوطار قولہ الصغیر والکبیر ظاہرہ وجوبہا علی الصغیر لکن المخاطب عنہ ولیہ فوجوبہا علی ہذا فی مال الصغیر والافعلی من تلزمہ نفقتہ وہذا قول الجمہور انتہیٰ مافی فتح الباری صہ ۱۶۱ ج ۶ اور غلام کا مولا ادا کرے کیونکہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ مولیٰ پر غلام کا صدقہ نہیں مگر صدقہ فطر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کا صدقہ فطر مولیٰ ادا کرے قولہ علی العبد الخ ظاہرہ اخراج العبد عن نفسہ ولم یقل بہ الا داؤد خالفہ اصحابہ والناس واحتجوا بحدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً لیس فی العبد صدقۃ الا صدقۃ الفطر اخرجہ مسلم ومقتضاہ انہا علی السید انتہیٰ مافی فتح الباری صہ ۱۶۱ جلد ۲ ملخصاً بقدر الحاجت

حنفی مذہب میں صدقہ فطر واجب ہے صاحب نصاب پر یعنی جس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب ہو اور لڑکے کا صدقہ صرف باپ ادا کرے اور سب باتوں میں موافق اس کے ہے جو گزرا ہے ہدایہ میں ہے صدقۃ الفطر واجبۃ علی الحر المسلم اذا کان مالکا لمقدار النصاب فاضلاً عن مسکنہ وثیابہ واثاثہ و فرسہ وسلاحہ وعبیدہ یخرج ذالک عن نفسہ یخرج عن اولادہ الصغار ومما لیکہ انتہیٰ ملخصاً اور وقت ادائے صدقہ کا قبل نماز عید الفطر کے ہے اور اگر کوئی دو تین روز یا زیادہ عید سے پہلے ادا کر دے تو جائز ہے اور بعد نماز اگر دے گا تو ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ آیت مذکورہ قد افلح من تزکّٰی کے بعد وذکر اسم ربہ فصلّٰی فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر نماز پر مقدم ہے کیونکہ فصلے کو ساتھ فائے تعقیب کے ذکر کیا ہے جس سے تعقیب صلاۃ کی صدقہ سے مستفاد ہوتی ہے کما یخفی علی من لہ ادنیٰ تامل اور حدیث میں آیا ہے وعن عباس قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طہرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین فمن اداہا قبل الصلوٰۃ فہی زکوٰۃ مقبولۃ ومن اداہا بعد الصلوٰۃ فہی الصدقۃ من الصدقات رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارقطنی والحاکم وصححہ کذا فی منتقی الاخبار وللبخاری وکان یعطون قبل الفطر بیوم اویومین انتہیٰ۔

وفی موضع آخر والظاہر ان من اخرج الفطر بعد صلوٰۃ العید کان کمن لم یخرجہا باعتبار اشتراکہما فی ترک ہذہ الصدقۃ الواجبۃ انتہیٰ مافی نیل الاوطار، اور جو چیز طعام یعنی قابل خوراک ہے۔ مثلاً۔ گیہوں۔ جو پنیر خرما۔ ستو وغیرہ کے اس میں سے صدقہ فطر ادا کرنا صحیح ہے۔ عن عیاض بن عبداللہ بن ابی سرح العامری انہ سمع اباسعید الخدری یقول کنا نخرج زکوٰۃ الفطر صاعاً من طعام او صاعاً من شعیر او صاعاً من تمر او

صاعامن اقط او صاعامن زبیب رواہ البخاری

مقدار اس کی گیہوں سے آدھا صاع اور سب چیزوں سے ایک پورا صاع ہے عن الحسن قال خطب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی آخر رمضان علی منبر البصرۃ فقال اخرجوا صدقۃ صومکم فکان الناس لم یعلموا فقال من ہہنا من اہل المدینۃ قوموا الی اخوانکم فعلموہم فانہم لا یعلمون فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہذہ الصدقۃ صاعامن تمر او شعیر او نصف صاع من قمح الحدیث رواہ ابوداؤد وقد نمقہ المہین محمد تبیین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ سیانہ۔ لقد اصاب من اجاب

ابوالقاسم محمد عبدالرحمٰن اللاہوری، اصاب من اجاب محمد حسین خان خورجوی۔

یہ جواب صحیح ہے۔ حررہ ابوالعلیٰ محمد عبدالرحمٰن اللاعظم گڈھی المبارکفوری۔

جواب باصواب ہے حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ المجیب مصیب محمد فقیر اللہ

الجواب صحیح والرائے نجیح

سید محمد نذیر حسین

محمد شمس الدین ۱۳۱۵

عبدالجلیل

عربی

ابو محمد عبدالحق ۱۳۰۵

عبدالرؤف ۱۳۰۳

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰

قد صح الجواب ابو محمد عبدالرؤف البہاری المانفوری عفی عنہ

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲

سید محمد عبدالسلام غفرلہ

عبداللطیف

محمد طاہر ۱۳۰۱

لجواب صحیح عبداللطیف عفی عنہ

وہ غریب مسلمان کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو بہت ہی بھوکا ہو۔ اس پر یہ فطرہ کسی صورت سے نہیں ہے اگر اس دو وقت کی فراغت حاصل ہو تو اس کو دینا چاہیے۔ یہ فطرہ خواہ اپنے خویش کو یا غیر کو دے جو فطرہ دے سکتا ہے اس پر فرض ہے

حررہ محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی

محمد امیر الدین ۱۳۰۱

فتاوٰی نذیریہ صہ ۱۵۱ جلد ۱ مطبوعہ دہلی

سوال:۔ صدقہ فطر فی کس کتنا دینا چاہیے۔ ایک شخص اتنا غریب ہے کہ صدقہ فطر ادا کرنے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:۔ صدقہ فطر کا وزن پونے تین سیر پختہ ہے حدیث میں ہے کہ غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور غریب بھی ادا کرے غنی کے متعلق فرمایا ہے اللہ تعالےٰ اس کو گناہ سے پاک کر دے گا اور غریب کے متعلق فرمایا گناہ سے پاک ہونے کے علاوہ اللہ تعالےٰ اس کا صدقہ اس سے زیادہ بنائے گا جتنا اس نے دیا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر فصل ۳ ص ۱۶۱

یعنی کسی کے دل میں ڈال دے گا جو اس کو دے جائیگا۔ پس اس حدیث کی رو سے غریب پہلے سے ہی کوشش کرے تاکہ موقعہ پر ادا کر سکے جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنی خوراک سے تھوڑا تھوڑا جمع کرتا رہے اور اگر کوئی بالکل غریب ہو کہ وہ اپنی خوراک میں فاقہ کشی کرتا ہے تو آیت کریمہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کے تحت وہ معذور ہے اور فقہاء نے جو شرط کی ہے کہ صدقہ فطر اس پر ہے جو نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو حدیث کے خلاف ہے کیونکہ نصاب کا مالک فقیر نہیں اور اس حدیث میں فقیر کو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دے دیا ہے عبداللہ امرتسری روپڑی

تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۱۳ ، ۱۴

سوال:۔ صدقۃ الفطر کے بارے میں جو کچھ حدیث شریف میں آیا ہے وہ صاع اور مد کا ذکر ہے وزن کا کوئی ذکر نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ بعض چیز مد اور صاع میں بہ نسبت وزن کے کچھ کم و بیش ہو گی ان وجوہات سے ایک شخص کا قول ہے کہ مد یا صاع سے فطرہ دینا ناجائز ہے وزن کر کے دینا ہو گا آیا اس کا قول موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں مدلل بیان فرما کر دل کو تشفی دیں؟

جواب:۔ صاع سے صدقہ فطر ادا کرنا درست ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ صاع سے ادا فرمایا ہے وزن کا کوئی ثبوت نہیں ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ صاع اور مد سے صدقۃ الفطر ادا نہیں کرنا چاہیے اس کا قول غلط ہے البتہ وزن سے بھی ادا کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں صاع کا رواج نہیں ہے تو صاع کا اندازہ جو علماء کرام نے پونے تین سیر کا کیا ہے سہولت کے لئے کیا ہے۔ جیسا کہ مسک الختام شرح بلوغ المرام میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبدالسلام بستوی مدرس ریاض العلوم اردو بازار دہلی۔ اہلحدیث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۴ و ۱۷

سوال:۔ صدقہ فطر گیہوں کا نصف صاع کب رائج ہوا۔ زمانہ نبوی صلعم میں یا اس کے بعد صحیح مدت سے بیان فرمائیں

جواب:۔ بعض حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف صاع گیہوں کا ذکر آیا ہے: ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مگر ان میں کچھ کلام ہے۔ پوری تسلی نہیں اور بخاری وغیرہ کی حدیث میں تصریح ہے کہ نصف صاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے تھی اس وقت سے بعض لوگوں نے اس پر عمل شروع کیا مگر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام اس کے خلاف رہے پس احتیاط اسی میں ہے کہ گیہوں کا پورا صاع دے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ ہاں کوئی شخص زیادہ تنگ دست ہو تو شاید اللہ تعالےٰ اس کا نصف صاع ہی قبول کرے مگر یہ تسلی بخش نہیں نیز گیہوں کھانے والے کی تنگ دستی میں شبہ ہے کیونکہ تنگی والا سستی جنس مکی باجرہ وغیرہ پر گزران کرتا ہے عبداللہ روپڑی امرتسری تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ شمارہ ۳۱، ۳۲

سوال:۔ صدقہ فطر میں نقد قیمت دینا درست ہے۔ یا نہیں اگر درست ہے تو آپ کے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب:۔ صدقہ فطر میں قیمت دینے کا کوئی حرج نہیں بخاری شریف میں باب العرض فی الزکوٰۃ میں ہے قال معاذ لاہل الیمن ائتونی بعرض ثیاب خمیص اولبیس فی الصدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر الاصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت معاذ نے اہل یمن کو کہا کہ بجائے جو اور جوار کے باریک کپڑے اور عام پہننے کے کپڑے صدقہ میں ادا کرو۔ یہ تمہارے لئے آسان ہے اور اصحاب رسول کے لئے زیادہ فائدہ مند اس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے لیکن امام بخاری جیسے محدث کا اس سے استدلال کرنا اس کو تقویت دیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں مصرف کی حاجت کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت ادا کرنے سے کوئی حرج نہیں یہ روایت اگرچہ زکوٰۃ کے بارے میں ہے لیکن جیسے صدقہ فطر میں اغنوہم فی ہذا الیوم (دارقطنی) یعنی عید کے دن غرباء کو بے پرواہ کرو اس سے بھی معلوم ہوا کہ غرباء کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر غلہ کے حساب سے نقدی قیمت دی جا

سکتی ہے اس کے علاوہ حضرت معاویہ رضی نے نصف صاع گندم کو دوسری اشیاء کے صاع کے برابر قرار دیا اور ظاہر ہے کہ نصف صاع وزن میں تو باقی اشیاء کے صاع کے برابر نہیں۔ لہذا مراد قیمت ہوگی۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ غلہ کے حساب سے نقد دینا بھی جائز ہے :۔

عبداللہ امرتسری تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ شمارہ ۳۰، ۱۳۱

سوال :۔ صدقہ فطر میں نقد قیمت دینا درست ہے۔ یا نہیں ؟ تو آپ کے پاس اس کی دلیل کیا ہے :۔

جواب :۔ صدقہ فطر قیمت دینے کا کوئی حرج نہیں بخاری شریف باب العرض فی الزکوٰۃ میں ہے قال معاذ لاهل اليمن ائتونی بعرض ثیاب خمیص او لبیس فی الصدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اهون علیکم وخیر لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل یمن کو کہا کہ بجائے جو اور جوار کے باریک کپڑے اور عام پہننے کے کپڑے صدقہ میں ادا کرو یہ تمہارے لئے آسان ہے اور اصحاب رسول کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے اس روایت میں اگرچہ انقطاع ہے لیکن امام بخاری جیسے محدث کا اس سے استدلال کرنا اس کو تقویت دیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں مصرف کی حاجت کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت ادا کرنے میں حرج نہیں ۔

اگرچہ یہ روایت زکوٰۃ کے بارے میں ہے لیکن جیسے صدقہ فطر میں آیا ہے کہ فلاں فلاں شئے کا صاع دو پس زکوٰۃ میں قیمت کی طرف عدول جائز ہوا تو صدقہ میں بھی جائز ہوا فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ نیز صدقہ فطر کی غرض حدیث میں یہ آئی ہے اغنوھم فی ھذا الیوم دارقطنی عید کے دن غرباء کو بے پرواہ کردو۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ غرباء کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر نقد کے حساب سے نقد قیمت دی جاسکتی ہے اس کے علاوہ حضرت معاویہ رضی نے نصف صاع گندم کو دوسری اشیاء کے برابر قرار دیا اور ہر نصف صاع وزن میں تو باقی اشیاء کے صاع کے برابر نہیں۔ لہذا مراد قیمت ہوگی اس سے مسئلہ ثابت ہوا کہ غلہ کے حساب سے نقد دینا بھی جائز ہے

تنظیم اہلحدیث لاہور ۹ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۷ء ۵ جنوری ۱۹۶۸ء جلد ۲۰ شمارہ ۳۳، ۳۴ عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال:۔ صدقہ فطر دھان یا چاول سے دینا جائز درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فضیلت تو اسی میں ہے کہ اشیاء معلنہ فی الحدیث سے دے ورنہ جیسے اشیاء مذکورہ فی الحدیث کی قیمت دے سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر کسی نے اس کے موازی کوئی غلہ مثل دھان چاول وغیرہ سے بنا بریں حدیث صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اور اَلدِّيْنُ يُسْرٌ اپنی سہولت اور آسانی کے لئے دیدیا تو کہیں شریعت نے منع بھی نہیں کیا۔ فتاوی ستاریہ جلد ۱ ص ۱۷۹

صدقہ میں اچھڑے چاول دینا

باب اعطاء الارز الغیر المقشرة فی صدقة الفطر

بالخصوص ذکر دہان دبرنج پوست دار) در حدیث شریف و آثار صحابہ از نظر نگذشتہ علما را درین مسئلہ اقوال مختلفہ است بعض میگویند کہ منصوص تمر و شعیر و اقط و زبیب و حنطہ است غیر ازیں از حبوب آں قدر باید داد کہ قیمت آں بقدر قیمت صاع اشیاء منصوصہ یا نصف صاع حنطہ باشد و این است مذہب حنفیہ چنانچہ در در مختار وغیرہ کتب حنفیہ است

وما لم ینص علیہ کذرة وخبز یعتبر فیہ القیمة۔ وبعض میگویند ہرچہ غالب قوت آں بلد باشد ازاں یک صاع شرعی دادہ شود مگر قوت را مخصوص باشیاء نمودہ و این مذہب مالکیہ است در رسالہ ابی زید مالکی است وتودی من کل عیش اہل ذالک البلد من بر او شعیر او سلت او تمر او اقط او زبیب او دخن او ذرة او ارز شارح رسالہ مذکورہ مے نویسد

واذا اخرج من غیر ہذہ الانواع التسعة لا تجزیہ علی المشہور وبعض میگویند ہر غلہ کہ دران عشر واجب است دادن آں در صدقہ فطر جائز است و در رحمة الامة نوشتہ قال الشافعی وکل ما یجب فیہ العشر فہو صالح لاخراج الفطر من الارز والذرة والدخن وغیرہ وبفہم اقصر قول راجح ہمیں است کہ از ہر قسم غلہ کہ دادہ شود کفایت میکند و مؤید این است حدیث صحیحین از ابو سعید خدری کنا نخرج زکوۃ الفطر اذا کان فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاعاً من طعام او صاعاً من شعیر او صاعاً من زبیب

اوصاعاً من اقط۔

عموم طعام دلیل رجحان ایں قول است حنابلہ نصوص برّ و شعیر و تمر و زبیب و اقط در صدقہ فطر میکنند با وجود قدرت بر اشیاء مذکورہ دادن شئی آخر کفایت نمی کند و در صورت عدم وجدان اشیاء مذکورہ دادن غلہ دیگر جائز است در اقناع و شرح اقناع نوشتہ ولا یجزی غیر ہذہ الاصناف الخمسۃ مع قدرتہ علی تحصیلہا ولا القیمۃ فان عدم المنصوص علیہ من الاصناف الخمسۃ اخرج ما یقوم مقامہ من حب و تمر یقتات اذا کان مکیلا کالذرۃ والدخن والماش ونحوہ کالارز والتین والتوت الیابس لان ذلک اشبہ بالمنصوص علیہ فکان اولیٰ۔ چاول میں افضل یہ ہے کہ پوست سے نکالے ہوئے دیوے اور اگر دہان دیوے تو بھی کفایت کرتا ہے جیسا کہ تمر مع گیہوں کے اور جَو ماش وغیرہ مع پوست کے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہ۔ فتاوی غزنویہ ص۱۲ جلد ۱

ترجمہ

اور وہاں کا بالخصوص ذکر حدیث شریف اور آثار صحابہ میں نہیں۔ ہاں علما رحہم اللہ کے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ صدقہ فطر میں صاع ان ہی غلوں میں سے دینا چاہیے جن کا ذکر شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صاع کی قیمت کے برابر ہو یا گیہوں کے نصف صاع کی قیمت کے برابر ہوں حنفیوں کا یہی مذہب چنانچہ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ جن حبوبوں کا ذکر شارع نے نہیں کیا جیسے چینا خبز وغیرہ ان میں قیمت کو اعتبار دیا جائے گا اور بعضے کہتے ہیں کہ جو چیز عام طور پر اس شہر کی خوراک ہو اس میں سے ایک صاع شرعی دیا جاوے گا مگر قوت کو ۹ چیزوں میں خاص کیا ہے اور یہ مالکیہ کا مذہب ہے۔ ابن ابی زید مالکی کے رسالہ میں ہے کہ اس شہر والوں کے غالب قوت سے ادا کرے۔ یعنی گیہوں، جَو، کابلی جو، کھجور، ساوگی، کنگنی، چینا، چاول سے۔ رسالہ مذکورہ کا شارح لکھتا ہے۔ کہ ان ۹ قسموں کے سوا اگر نکالے گا تو جائز نہ ہوگا مشہور یہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جس غلہ میں عشر واجب ہے اس کو صدقہ فطر میں دینا جائز ہے رحمۃ الامۃ میں لکھا ہے کہ جس چیز میں واجب ہے۔ وہ صدقہ فطر دینے کے لائق ہے جیسے چاول۔ چینا کنگنی وغیرہ۔ احقر کے فہم میں قول راجح یہی ہے۔ کہ جس غلہ سے دیا جائے جائز ہے اور اس کی صحیحین کی حدیث ہے (بخاری، مسلم)

ج۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاع طعام سے یا جو سے یا کھجور سے یا ساؤگی سے یا پنیر سے صدقہ فطر نکالتے تھے طعام کا عموم اس قول کے رجحان کی دلیل ہے۔ حنبلیوں نے گیہوں۔ جو۔ کھجور۔ ساؤگی۔ پنیر کو صدقہ فطر میں دینا خاص کیا ہے۔ باوجود ان اشیاء کے میسر ہونے کے اور چیز میں سے دینا جائز نہیں جانتے ہاں اگر اشیاء مذکورہ نہ ملیں پھر جائز کہتے ہیں اقناع اور اس کی شرح میں ہے۔ کہ ان پانچ چیزوں کی موجودگی میں اور جنس سے دینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کے بدلے میں ان کی قیمت جائز ہے اگر یہ پانچ چیزیں نہ ملیں تو ان کے قائم مقام دانوں اور میوؤں سے جو قوت دے سکے ادا کیا جائے۔ تو بہتر ہے جب کیلی ہوں جیسے چینا اور کنگنی اور ماش اور مانند اس کے جیسے چاول اور انجیر اور توت خشک کیونکہ یہ پانچ بھی ان کے مشابہ ہے۔

سوال:۔ ہمارے یہاں عام پیداوار مکئی ہے۔ اور اس کا خرچ بھی زیادہ ہے۔ گندم اور جو کی پیداوار کم ہے۔ اور خرچ بھی کم ہے۔ لہٰذا فطر میں بھی ہم مکئی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دھان بھی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو نصف صاع دے سکتے ہیں

(حکیم شرف الدین احمد مونہیار)

جواب:۔ صدقہ فطر کے متعلق دو حدیثیں آئی ہیں ایک صاع کی دوسری نصف صاع کی قحط سالی کے زمانے میں نصف صاع والی حدیث پر عمل کرنا انشاء اللہ کافی ہوگا۔ صاع مدنی انگریزی اڑھائی سیر کے برابر ہے جس ملک میں جو چیز طعام یعنی قابلِ قوت ہو اس میں سے صدقہ فطر ادا کرنا جائز ہے۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث جلد ۴ نمبر ۳۹)

شرفیہ:۔ صدقہ فطر کی حدیثیں صحیحین وغیرہ میں ثابت ہیں صاعاً من تمر او شعیر ایک روایت میں ابوسعید خدری سے یہ بھی آیا ہے کنا نخرج زکوٰۃ الفطر اذا کان فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاعا من طعام اور جامع ترمذی ہیں اور مستدرک حاکم وغیرہ مدان من قمح بھی آیا ہے روایات میں کچھ کلام ہے مگر متعدد روایات ہیں۔ لہٰذا قوت حاصل ہے تو دو مد بھی جائز ہے

یعنی گیہوں کے اور ہر اناج کا ایک صاع فطرہ ہے۔ صرف گیہوں کا نصف ہے اور قحط کی شرط نہیں مطلقاً جائز ہے ملاحظہ ہو نیل الاوطار وغیرہ۔ اور صاع نبوی کا پیمانہ میں نے خود وزن کیا ہے۔ جو ایک مد نبوی۔ گندم عمدہ پونے تین پاؤ کا ہے اور جو گندم ذرا کمزور اور ہلکا ہے وہ تین پاؤ سے ذرا کم ہے۔ مگر ڈھائی سیر مطلقاً نہیں تین ہی صحیح ہے۔ اور مسور، چنا، جو، جوار، مٹر، ماش وغیرہ غلے ہر ایک کا وزن ایک نہیں مختلف ہے۔ جو ۹ چھٹانک کا ایک مد ہے۔ جو ایک صاع سوا دو سیر ہے۔ اور گیہوں پورے سیر کا ایک صاع۔ فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۶۵

سوال :۔ صدقہ فطر گیہوں جو اور جوار کھجور کے عوض میں دوسری چیز دینا جائز ہے۔ یا نہیں مثلاً چاول چنا، پستہ وغیرہ؟

جواب :۔ بلا ریب جائز ہے۔ اس کے متعلق ہمارا رسالہ (صدقۃ الفطر) دیکھنا چاہیے اس میں دس ادلہ اس بات پر قائم کئے گئے ہیں۔ کہ صدقۃ الفطر میں بجائے غلہ نقدی دے سکتا ہے اور بیس علماء کی مہریں بھی ثبت ہیں مقصود صدقۃ الفطر سے غریبوں کا کام بنانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ کراچی)

سوال :۔ عید الفطر کا فطرہ عید گاہ میں دینا جائز یا سردار کے پاس ادا کر کے مصلے میں جانا چاہیے۔ اور بدعتی و مشرک کا فطرہ ادا کرنا موحد مسلمان کے ساتھ جمع کرنا اور مصرف کی جگہ میں خرچ کرنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب :۔ صدقہ فطر قبل نماز کے ادا کرنا ضروری ہے خواہ عید گاہ میں ادا کرے خواہ سردار کو دیدے اور بدعتی اور مشرک کا صدقہ فطر موحد مسلمان کے صدقہ فطر کے ساتھ جمع کرنا اور مصرف کی جگہ خرچ کرنا جائز ہے مگر عبرت اور تنبیہ کی غرض سے موحدین کو چاہیے کہ اپنے صدقات کو مبتدعین اور مشرکین کے صدقات کے ساتھ جمع نہ کریں واللہ اعلم

حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ | سید محمد ابوالحسن |

فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۴۹۹ تا ۵۰۰

سوال :۔ کیا صدقہ فطر عید کا چاند دیکھ کر ادا کرنا چاہیے۔ یا چاند دیکھنے سے پہلے بھی ادا ہو

جاتا ہے؟ حوالہ صحیح حدیث سے واضح فرمایا جاوے؟

جواب:۔ مشکوٰۃ شریف کتاب فضائل القرآن میں بحوالہ بخاری شریف حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر پر حضرت ابو ہریرہؓ کو پہرہ دار مقرر کیا تھا۔ تو دو روز چور آتا رہا اور حضرت ابو ہریرہؓ سے گرفتار کرتے رہے مگر اس پر ترس کھا کر چھوڑتے رہے تیسرے روز پھر آیا تو حضرت ابو ہریرہ نے اس پر سختی کی اور فرمایا میں تمہیں ضرور دربار نبوی ﷺ میں پیش کروں گا۔ آخر چور نے یہ وظیفہ بتایا کہ رات کو آیت الکرسی پڑھ لیا کر شیطان کے قریب میں نہیں آئے گا۔ تو اس پر ابو ہریرہ نے چھوڑ دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح حضرت ابو ہریرہ کو فرمایا کہ تجھے معلوم ہے کہ تین رات سے مسلسل تیری بات کس سے ہو رہی تھی؟ یہ شیطان تھا اور جھوٹا ہے لیکن اس نے وظیفہ صحیح بتایا ہے یہ حدیث کا خلاصہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر جمع ہونے کو تین دن یا اس سے زیادہ ہو گئے تھے اور ظاہر کہ یہ جمع ہونا عید سے پہلے تھے کیونکہ صدقہ فطر کی غرض حدیث میں یہ آئی ہے کہ مساکین کو عید کے دن سوال سے مستغنی کر دیا جائے اس سے حکم ہے کہ صدقہ فطر عید سے پہلے ادا کیا جائے تاکہ مساکین عید کی تیاری کر سکیں

پس ثابت ہوا کہ عید کا چاند دیکھنے سے پہلے صدقہ فطر ادا ہو سکتا ہے۔

عبداللہ امرت سری روپڑی

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ شمارہ ۲۱، ۲۲، ۲۷، ۲ رمضان المبارک ۴ شوال المکرم ۸۲ھ ۲ فروری یکم مارچ ۱۹۶۳ء

سوال:۔ زید مفلس و نادار ہے عید الفطر کے موقع پر اپنے اہل و عیال کی خاطر کہیں سے ادھار اٹھا کر نئے کپڑے حلوہ وغیرہ تیار کرتا ہے۔ اور صدقۃ الفطر ادا کرنے سے اپنی ناداری ظاہر کرتا ہے۔ اب اگر زید کو مجبور و تنگ کر کے صدقہ فطر وصول کیا جائے تو جائز یا ناجائز؟

(ثناء الرحمٰن از ہزارہ)

جواب:۔ جبراً کسی سے وصول کرنا جائز نہیں ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ اہل حدیث ۸ مارچ ۱۹۴۱ء

فتاوی ثنائیہ جلد ۱ ص ۶۹۱

سوال:۔ صدقہ فطر قبل نماز عید کے نکال کر رکھ لیا، پھر بہ سبب بھول کے یا تحصیلدار کے نہ پہنچنے کے بعد نماز عید کے دیا تو صدقہ فطر ادا ہوا یا نہیں؟

جواب:۔ مسئلہ تو یہی ہے کہ نماز عید کے قبل ہی ادا کر دینا چاہیئے، مگر بھول چوک معاف ہے، ایسی حالت میں بعد بھی ادا کرے گا تو درست ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کام کی نسبت دریافت کیا گیا جو کہ پہلے کرنا تھا، مگر بوجہ بھول کے پیچھے کیا گیا تو آپ نے فرمایا لَاحَرَجَ کوئی حرج نہیں۔ آئندہ کے واسطے خیال رکھنا چاہیئے۔

(مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار المہاجری)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۶ھ جلد، نمبر ۱)

فتاوٰی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۸۳

توضیح:۔ بھول چوک تو معاف ہے، لیکن تحصیلدار کے پاس نہ پہنچنے میں تو بھول چوک نہیں ہے یہ تو دیدہ دانستہ مستحق صدقہ الفطر کے پاس نہ پہنچانا ہے، جو مندرجہ ذیل حدیث کے صریح خلاف ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فرض رسول اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طھرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین فمن اداھا قبل الصلوٰۃ وھی زکوٰۃ مقبولۃ ومن اداھا بعد الصلوٰۃ فھی صدقۃ من الصدقات رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدار قطنی والحاکم وصححہ کذا فی منتقی الاخبار والنیل ماخوذ از فتاوےٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۵۱۵ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص تحصیلدار کے انتظار کی وجہ سے "قبل" از نماز عید صدقۃ الفطر ادا نہیں کرتا بلکہ بعداز نماز، ادا کرتا ہے، اس کا صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا، عام صدقات میں سے صدقہ ہے،

فافہم وتدبر علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال ۹/۱

سوال:۔ زکوٰۃ الفطر کس جگہ جمع کرنا چاہیئے۔ زید کا قول ہے کہ ہر شخص تقسیم کر سکتا ہے، اور بکر کا قول یہ ہے، کہ امام کے پاس جمع کرے، امام جس طرح چاہے تقسیم کرے۔ اب صورت مسئولہ میں کس کا قول صحیح ہے؟ (سائل مولوی عبدالرزاق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ کالیدھر گھاٹ)

جواب:۔ واضح باد کہ قولین میں سے زید کا قول غلط اور بکر کا قول صحیح موافق کتاب

وسنت کے ہے، واقعی زکوٰۃ فرض و زکوٰۃ الفطر وغیرہ امام کے حوالہ کرنا چاہیئے۔ اس کے متعلق متعدد احادیث واضحہ مروی ہیں۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں ہے، کہ ابن عمر صدقہ فطر عید کے دو دن پہلے اس شخص کے پاس بھیجدیا کرتے تھے، جس کے پاس فطرہ جمع کیا جاتا تھا۔ ان ابن عمر کان یبعث صدقۃ الفطر الی الذی تجمع عندہ قبل الفطر بیومین۔

نیز فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۹۸ میں ہے، کہ ابن عمر صدقہ اس شخص کے حوالہ کردیا کرتے تھے۔ جس کو امام نے فطرہ تحصیلنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ نیز مولانا عبد اللہ صاحب غازی پوری مرحوم بھی اپنے فتوے میں بایں الفاظ رقمطراز ہیں کہ کل قسم کے صدقات (یعنی زکوٰۃ و صدقہ فطر وغیرہ وغیرہ) سب امام کے حوالے کردینے واجب ہیں۔

مفتی ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ جلد ۵ نمبر ۸)

فتاویٰ ستاریہ ص۹۶ جلد اول

توضیح:۔ مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری علیہ الرحمۃ نے اپنے فتویٰ طویل میں یہ وضاحت نہیں فرمائی، کہ جس جگہ یا جس وقت امام یا نائب امام نہ ہو تو عوام مسلمان اپنے صدقات، خیرات کیونکر تقسیم کرے، اس کی مکمل تفصیل ص۹۱ سے تا ص۹۹ تک ۳۰ علماء کرام کی تحقیقات میں دیکھیں (الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال: جس ملک کے مسلمانوں میں بسبب عدم تلقین و تعلیم احکام و ارکانِ اسلام و سلام و علیک مروّج نہ ہوئے ہوں۔ ایسے ملک میں مدرسہ اسلامیہ جاری ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور وہاں کے مسلمان صرف زکوٰۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں، تو ایسی معذوری کی حالت میں مال زکوٰۃ میں سے مدرسین کی تنخواہ دینا یا سامان مدرسہ خریدنا یا تجارت میں لگا کر اس کے نفع سے مدرسہ کو قائم رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مال زکوٰۃ سے مدرسین کو دینا یا سامان مدرسہ فراہم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں مال زکوٰۃ غریب طلبہ کو دینا جائز ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مال زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان فرماتے ہیں، ان آٹھ مصارف میں غریب طلبہ داخل ہیں، اور مدرسہ کی تنخواہ اور سامان مدرسہ ان آٹھ مصارف سے خارج ہیں۔ اور جس ملک میں بوجہ عدم تعلیم و تلقین کے احکام و ارکان اسلام جاری نہ ہوں، وہاں مدرسہ اسلامیہ ہونا بہت ضروری ہے، وہاں کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ علاوہ مال زکوٰۃ کے تھوڑی تھوڑی اعانت کر کے حسب حیثیت ایک مدرسہ قائم کریں بڑا نہیں تو چھوٹا ہی سہی، اور یہ عذر کہ "وہاں کے مسلمان صرف زکوٰۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں،، ٹھیک نہیں ہے کیونکہ وہاں کے مسلمان جیسے اپنی ضروری دنیاوی ضرورتوں میں خواہ مخواہ علاوہ زکوٰۃ کے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، اور ان کی کچھ معذوری نہیں ہے۔ اسی طرح وہاں ایک مدرسہ اسلامیہ کا قائم ہونا ایک دینی ضرورت ہے، اور شدید ضرورت ہے، تو اس میں بھی علاوہ زکوٰۃ کے تھوڑا تھوڑا بقدر حیثیت ان کو خرچ کرنا چاہیئے، اور اس میں بھی ان کو معذور نہیں بننا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ،

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ص ۴۹۶ ج ۱)

توضیح: ۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ اموال کو بیت المال کی شکل دیں، جس میں عشر، زکوٰۃ، صدقہ فطر اور دیگر عطیات کو بھی جمع کریں، اور بیت المال میں سے مصارف مدرسہ کو پورا کریں، اساتذہ کی تنخواہ۔ تعمیر مکان۔ روشنی کا انتظام۔ تعلیمی کتب کا انتظام۔ طلبہ کا کھانا اور پہننا وغیرہ کا انتظام کرنا جائز ہے، قرآن مجید میں جو مال زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک فی سبیل اللہ بھی ہے، جو دین کے تمام شعبہ جات کو شامل ہے، عربی مدارس کے تمام اخراجات اس عموم میں داخل ہیں، مگر جس کی ممانعت آچکی ہے، وہ اس عموم سے خارج ہے، جیسے سید ہاشمی وغیرہ کو زکوٰۃ دینا۔ لینا منع ہے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں سرمایا دار اور غیر سرمایہ داروں کو وظائف اور عطیات دیئے جاتے ہیں۔ ان میں غنی بھی تھی، اور غیر غنی بھی اور بیت المال میں عشر زکوٰۃ بھی تھا، اور مال غنیمت بھی فافہم وتدبر، ۱۲ سعیدی

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مدرسہ اس غرض سے قائم ہوا کہ اس میں قرآن وحدیث وفقہ کا درس دیا جاوے، اور اس مدرسہ کے اطراف وجوانب سے بستیوں سے مٹھی کے چانول وصول ہوئے، اور دور دور کی بستیوں سے چندہ وصول ہو آوے اور اسی مٹھی کے چانول اور چندہ کے روپیوں سے مدرسوں کو تنخواہ دی جائے۔ اسی بنا پر دو برس تک مدرسہ خوب چلا۔ مدرسہ کے قبل مٹھی اٹھانے کا رواج نہ تھا، خاص اس مدرسہ کی غرض سے مٹھی کا انتظام کیا گیا تاکہ لوگوں پر زر فلوس دینے میں گراں نہ ہو، اور سہولت سے کام بھی چلے اور عامہ مسلمین ثواب سے بہرہ مند ہوں اب بعض لوگ یہ کہہ کر مانع ہوتے ہیں۔ کہ مٹھی کے چانول سے مدرسوں کو تنخواہ دینی جائز نہیں۔ کیونکہ اس چانول کے مستحق مساکین ہیں۔ اس صورت میں شرح شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۔ صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ جب مٹھی کے چانول کا انتظام اور بندوبست صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ اس سے اور چندہ کے روپیہ سے مدرسین کی تنخواہ دی جائے۔ تو مٹھی کے چانول اور چندہ کے روپیہ کا ایک حکم ہے۔ جیسے چندہ کے روپیہ سے مدرسین کو تنخواہ دینا درست ہے اسی طرح مٹھی کے چانول کو بھی مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے، دونوں میں کچھ فرق نہیں، صورت مسئولہ میں مٹھی کے چانول اس قسم کے صدقات سے نہیں ہے، جن کے مستحق صرف مساکین وفقراء ہیں، بلکہ از قسم چندہ وا عانت علی البر ہے، جس کا حکم آیۃ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ میں کیا گیا ہے، پس بعض

لوگوں کا مانع ہونا محض بے حیائی و ناروا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد العزیز عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ص ۴۸۸ ج ۱)

توضیح: یہ جو کچھ چندہ وغیرہ جمع کیا جاتا ہے، وہ محض فقراء اور مساکین کی تربیت کے لئے کیا جاتا ہے اساتذہ کی تقرری، کتب کا انتظام، مکان، روشنی، کھانا پینا، علاج معالجہ یہ سب فقراء اور مساکین کی جسمانی روحانی پرورش کے لئے ہے۔ (سعیدی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مصارف زکوٰۃ کے بارے میں آیا اس میں ایسا مدرسہ جس میں تعلیم قرآن و حدیث ہوتی ہے اور اکثر اطفال مساکین تحصیل علم میں مشغول ہیں، اور ان کے اکل و شرب و کتب ولباس کی خبر بذریعہ مہتمم لی جاتی ہے، داخل ہے یا نہیں؛ اور مالک زکوٰۃ اس مدرسہ میں زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؛ بینوا توجروا۔

جواب: غریب و مساکین طلبہ بلا شبہ مصرف زکوٰۃ ہیں ایسے مدرسہ میں مالک زکوٰۃ زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں، چاہے، خود آپ بلا واسطہ مہتمم کے ان طلبہ کو دیں یا بواسطہ مہتمم کے ان کو دیں، اور مہتمم کو اس امر کی ہدایت کر دیں کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے، اس کو صرف غریب و مسکین طلبہ پر خرچ کریں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاویٰ نذیریہ ۴۹۸ ج ۱)

سید محمد نذیر حسین

مالِ زکوٰۃ اور مذہبی مدرسے

سوال: کیا فرماتے ہیں، علماء کرام و ماہر فرقان اس مسئلہ میں کہ ایک مدرسہ اسلامیہ اُخروی فائدہ کے لئے جاری کیا گیا ہے، جس میں قرآن و حدیث نبوی اور دینیات پڑھایا جاتا ہے، اور آمدنی فقط زکوٰۃ و صدقۃ الفطر و قربانی کی کھالیں مہتمم مدرسہ لوگوں سے لیتا ہے، (تاکہ غریب طلبہ و مساکین کے لئے اکل و شرب ولباس و دیگر ضروریات مدرسہ میں لگائے) جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص اسے حرام کہتا ہے۔

جواب: وباللہ التوفیق۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی اھلھا، مالِ زکوٰۃ و صدقۃ الفطر و جلود اضاحی طلبہ کی خوراک ولباس و کتب میں صرف کرنا حسب الارشاد۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ بلا اختلاف جائز ہے، اور بناء مدارس و مساجد میں صرف کرنا نیز جائز ہے لان قولہ تعالیٰ فی سَبِیْلِ اللّٰہِ عام فی الکل فلھذہ المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقہاء انہم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد انتہیٰ۔ ہٰذا کلہ فی الکبیر للرازی رحمۃ اللہ علیہ تحت آیۃ الصدقات۔

رہا مہتمم و منتظم مدرسہ اگر وہ بھی فقیر و محتاج ہے، تو لاریب مستحق زکوٰۃ ہے، غنی ہے، تو زکوٰۃ کا حقدار نہیں۔ ہاں مہتمم اگر اغنیاء سے مالِ زکوٰۃ اپنی جدوجہد سے خود فراہم کرتا ہے، گردو نواح میں دورہ کرتا ہے، سفر کی صعوبت و تکلیف برداشت کرتا ہے۔ تو بصیغہ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْہَا بقدر اُجرت معروفہ مالِ زکوٰۃ سے مشاہرہ حاصل کر سکتا ہے فقیراً کان او غنیاً کذا فی جامع البیان وفی جامع البخاری ویذکر عن ابن عباس یعتق من زکوۃ مالہ ویعطی فی الحج وقال الحسن ان اشتری اباہ من الزکوۃ جاز ثم تلا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ الایۃ فی ایہا اعطیت اجزأت:

مذکورۃ الصدر اقوال و روایات سے ثابت ہوتا ہے، کہ مالِ زکوٰۃ طلبہ کی خوراک پوشاک پر صرف کرنا بہر حال جائز بلکہ مستحسن ہے اب کسی کے اقوال چنیں وچناں کی کوئی حقیقت نہیں ایسے شخص کو بدظنی و بدگمانی سے اجتناب پرہیز کرنا ضروری ہے ہٰذا ما ظہر لی والحق عند اللہ العلیم والکریم

راقم العبد القصوری المدعو احمد حیات تجاوز اللہ تعالیٰ عن تقصیراتہ:

۱۔ الجواب صحیح والمجیب مصیب۔ (مولانا) عبد القدیر عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ رحمانیہ کہنہ

۲۔ الجواب صواب۔ (مولانا) محمد مدرس مدرسہ محمدیہ عربیہ و اڈیٹر اخبار محمدی اجمیری دروازہ دہلی

۳۔ مذکورہ بالا فتویٰ نہایت صحیح ہے۔ (مولانا) شیر محمد خان صوفی مہتمم مدرسہ رحمانیہ و مبلغ جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ:

۴۔ الجواب المذکور صحیح۔ (مولانا) غلام اکبر عفی اللہ عنہ کہکوی:

۵۔ فتویٰ مذکورہ بالا از روئے دلائل کے بہت صحیح ہے۔ چنانچہ کتب تفاسیر و شروح احادیث کی عبارت درج ذیل ہے (قولہ لِلْفُقَرَاءِ) وہم فقراء المہاجرین کانوا نحو اربعمائۃ

رجل لم یکن لہم بالمدینۃ مساکن ولا عشائر وکانوا یأوون الی صفۃ فی المسجد یتعلمون القرآن باللیل ویرضخون النوی بالنہار وکانوا یخرجون فی کل سریۃ یبعثہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہم اصحاب الصفۃ فحث اللہ تعالیٰ الناس علی مواساتہم الخ۔

(خازن صـ۲۲۷ جلد اس ۹ ۱۲ ۱۳ مطبوعہ مصر)

قولہ (والعامل علیہا) (الحدیث) وافاد حدیث الباب حلہا للعامل علیہا وان کان غنیاً لانہ یاخذ اجرۃ علی عملہ لا لفقرہ وکذالک من اشتراہا بمالہ فانہا قد وافقت مصرفہا وصارت ملکاً لہ فاذا باعہا فقد باع مالیس بزکوٰۃ حین البیع بل ماہو ملک لہ وکذالک الغارم تحل لہ وان کان غنیاً وکذالک الغازی یحل لہ ان یتجہز من الزکوٰۃ وان کان غنیاً لانہ ساع فی سبیل اللہ قال الشارع ویلحق بہ من کان قائماً بمصلحۃ عامۃ من مصالح المسلمین کالقضاء والافتاء والتدریس وان کان غنیاً۔

وادخل ابوعبید من کان فی مصلحۃ عامۃ فی العاملین واشار الیہ البخاری حیث قال (باب رزق الحاکم والعاملین علیہا) وارادبالرزق ما یرزقہ الامام من بیت المال لمن یقوم بمصالح المسلمین کالقضاء والفتیاء والتدریس، فلہ الاخذ من الزکوٰۃ فیما یقوم بہ مدۃ القیام بالمصلحۃ وان کان غنیاً۔

قال الطبری انہ ذہب الجمہور الی جواز اخذ القاضی الاجرۃ علی الحکم لانہ یشغلہ الحکم عن القیام بمصالحہ غیران طائفۃ من السلف کرہوا ذالک ولم یحرموہ وقالت طائفۃ اخذ الرزق علی القضاء ان کانت جہۃ الاخذ من الحلال کان جائزاً اجماعاً ومن ترکہ فانما ترکہ فانما ترکہ تورعاً الخ صـ۲ سبل السلام) وعن ام عطیۃ الانصاریۃ قالت دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عائشۃ فقال ہل عندکم شئی فقالت لا الاشئی بعثت بہ الینا نسیبۃ من الشاۃ التی بعثت لہا من الصدقۃ فقال انہا قد بلغت محلہا) وعن انسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلحم تصدق بہ علی بریرۃ فقال ہو علیہا صدقۃ وہو لنا ہدیۃ الحدیث صـ۵۵ جلد ۲ فتح الباری

پس دلائل مذکورہ واقوال فقہاء ومحدثین سے یہ امر واضح طور سے ثابت ہوگیا۔

کہ مال زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وغیرہ جب محل اپنے میں پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ مال حکم زکوٰۃ میں سے نکل کر مال مملوک کا حکم رکھتا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث بریرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز گھر میں آکر عائشہ رض سے کوئی کھانے کی چیز دریافت کی تو جواب دیا کہ نہیں ہے سوائے اس گوشت کے جو بریرہ کو زکوٰۃ کی بکری کا بھیجا گیا ہے تب آپ نے فرمایا کہ یہ صدقہ بریرہ پر زکوۃ ہے۔ اور ہمارے لئے اس گوشت کا کھانا بطورِ تحفہ جائز ہے:۔

الغرض مال زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وغیرہ دینی علم پڑھنے والوں پر مدرسوں میں خرچ کرنا جائز بلکہ افضل ہے۔ پس بعد از تملیک مال زکوٰۃ سے تعمیر مدارس وغیرہ بھی جائز ہے ہذا ما ارشدوا نفتح لی من الکتاب والسنۃ وا بفضاح الصدق والھدیٰ علی الانسان من اللہ ذی الفضل والاحسان۔

۔ عبدالرحمن حنفی بری ۔

حنفیہ کے نزدیک اموال زکوٰۃ کے خرچ کرنے میں تملیک بغیر عوض ضروری ہے پس اموال زکوٰۃ طلبہ مساکین کے لباس وخوراک وکتب وغیرہ کے صرف میں تملیکاً خرچ کرنا بالاتفاق جائز ہے البتہ بناء مدرسہ یا تنخواہ مدرسین میں براہِ راست خرچ کرنا حنفیہ کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ لیکن مہتمم اگر ایسے روپیہ کی کسی مسکین سے تملیک کرکے خرچ کرے۔ تو پھر حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہوگا۔ لالی خود مہتمم اگر اپنی تنخواہ میں مال زکوٰۃ لے تو اس کو بحیثیت عامل ہونے کے جائز ہے اگرچہ غنی ہو اگر خود مسکین ہو صاحب نصاب نہ ہو تو اس کی تملیک بھی اہل زکوٰۃ کی طرف سے جائز ہوگی اور پھر یہ روپیہ بناء مدرسہ وتنخواہ مدرسین میں بھی صرف کرنا جائز ہوگا تعلیم دینی کے بقا کے لئے ایسا کرنا جائز ہے:۔

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی مہر مدرسہ	دمولانا محمد عبدالرحمن تغمدہ بالعفو والغفران الحنیفی المحمدی مذہباً وابدی وطنا ۲۶ ذیقعدہ ۸ھ ھ

الجواب صواب و حق والحق احق ان یتبع

محمد میاں حنفی عفی عنہ مدرس مدرسۃ العلوم المعروف بمدرسہ حسین بخش دہلی

الجواب صحیح	مولوی عبد الغفور مدرس مدرسہ ریاض العلوم محلہ مچھلی والا دہلی	جواب درست ہے	مولانا عبد الرحمن عفی عنہ مدرس فتحپوری دہلی
ہذا الجواب صحیح	مولانا محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب دہلی	ہذا الجواب صحیح	مولانا عبد الشکور دیوبندی عفی عنہ دہلی
الجواب صحیح	مولانا ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی	الجواب صحیح	مولانا سکندر الدین عفی عنہ دہلی

اموال زکوٰۃ طلبہ مساکین کی خوراک و لباس میں بطریق تملیک درست ہے البتہ تنخواہوں میں درست نہیں نہ مدرسین کی تنخواہ میں نہ مہتمم مال کی تنخواہ میں۔ البتہ بعد تملیک درست ہوگا۔ واللہ اعلم ۔

مولانا ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور	ما قال مفتی محمد کفایت اللہ صاحب حق صحیح صریح	مولانا مسعود احمد عفی عنہ ۱۳۴۸ھ دار العلوم دیوبند

ہذا الجواب صحیح	مولانا عبد الوہاب عفی عنہ حنفی مدرسہ مولوی عبد الرب دہلی	جواب صحیح ہے صرف تنخواہ مہتمم مال زکوٰۃ سے محل تامل ہے	مولانا اشفاق الرحمن مدرس فتحپوری دہلی
الجواب صحیح	مولانا عبد اللہ مدرس مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والا دہلی	الجواب صحیح	مولانا محمد حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ حنفی دہلی
الجواب صحیح	مولانا محمد عبد المالک عفی عنہ حنفی مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی	الجواب صحیح بالصواب	مولانا شاہ محمد الطاف الرحمان فاروقی حنفی بانی مدرسہ نعمانیہ دہلی
الجواب صحیح	مولانا سید عبد المجید مہتمم مدرسہ نعمانیہ حنفیہ عربیہ مہر مدرسہ ہذا	الجواب صحیح	مولانا عبد الجلیل مدرس مدرسہ نعمانیہ، دہلی
الجواب صحیح	مولانا محمد اسحاق عفی عنہ حنفی مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی	الجواب صحیح	مولانا عبد الغفار مہتمم مدرسہ یعقوبیہ دہلی
الجواب لا غبار صحیح	مولانا محمد یحییٰ عفی عنہ حنفی المذہب مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا جواب صحیح ہے	مولانا محمد شریف اللہ مدرس مدرسہ شاہی فتحپوری دہلی

مفتی کفایت اللہ صاحب کا جواب باصواب ہے	مولانا سلطان محمود صاحب صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی	مفتی کفایت اللہ صاحب کا جواب باصواب ہے	حررہ علم الدین حصاروی سوزی تحریر انوی

طلبہ مساکین کی خوراک و لباس میں زر زکوٰۃ و صدقۃ الفطر بغیر تملیک کے جائز ہے البتہ تنخواہ مدرسین و کفن میت و بنا مسجد و مدارس میں بغیر تملیک جائز نہیں بعد تملیک کے جائز ہے مولانا نور الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی حضرت مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب مہتمم و مدرس اول مدرسہ امینیہ مدظلہ نے جو جواب تحریر فرمایا ہے یہی صحیح ہے اس جواب میں جن حضرات نے تملیک کی شرط کو تکلف کہا ہے یا غیر ضروری قرار دیا ہے وہ مسلک حنفیہ کے مخالف ہیں :۔

مولانا محمد اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند

قربانی کی کھال بجنسہ طالب علم کی ملک کر دی جائے تو اب اس کو اختیار ہے کہ اس کو بیچ کر استعمال کرے۔ یا اس کو بجنسہ استعمال کرے اور جب اس کو طالب علم کی ملک کر دیا گیا تو اس کے بعد مہتمم مدرسہ کا اس کھال کو اس سے مدرسہ کے لئے لینا درست نہیں کیونکہ وہ خوشی سے نہ دے گا محض شرم وحیا سے دے گا اور حدیث میں ہے الا لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ اور زکوٰۃ و صدقہ فطر و قربانی کی کھال کا مصرف سب سے بہتر طلبہ علم دین ہیں بشرطیکہ اہل قرابت میں کوئی مصرف نہ ہو یا ہو اور ان کی امداد کی زیادہ احتیاج نہ ہو ورنہ قرابت اولیٰ ہے۔ اور جو شخص زکوٰۃ و صدقہ کے صرف کرنیکو طلبہ پر احرام کہے وہ غلط کہتا ہے اس کے پاس اس قول کی کوئی دلیل نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا محمد ظفر احمد عفی عنہ منجانب مفتی مولانا شاہ محمد اشرف علی حکیم الامت تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ضلع مظفر نگر یکم ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

جواب :۔ مذکورہ بالا مطابق قرآن و حدیث اور فقہ مجتہدین کے نہایت صحیح ہیں اور انکار کرنا اور لوگوں کے دلوں میں خلل ڈالنا کار خیر میں شیطانیت اور گمراہی ہے :۔

مولانا مولوی عبد الرزاق عفی عنہ کان اللہ لہ صدر مدرس مدرسہ حنفیہ ریاض العلوم شہر دہلی

مہر مدرسہ ریاض العلوم دہلی

جواب: ۔مجیب اول کا صحیح ہے۔ تملیک کی شرط قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت نہیں اور یہی مسلک اہلحدیث کا ہے۔ ہاں احناف کرام کے نزدیک شرط ہے سو مفتی صاحب کے جواب سے اس کی تطبیق و توجیہہ ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مدرسہ میں زکوٰۃ کا صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ جو بوجہ وسوسہ منع کرے وہ بے خبر ہے اس کی پرواہ نہ کی جائے۔

(مولانا) ابوسعید محمد شرف الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی۔

بے شک مجیب اول کا جواب مطابق قرآن وحدیث کے ہے اسی کو درست جاننا چاہیے باقی سب تکلفات ہیں مال زکوٰۃ جملہ امور خیر میں صرف ہو سکتا ہے فی سبیل اللہ آیت قرآنی کا عام ہے اس کا مخصص کوئی آیت یا حدیث نہیں لہذا مدارس دینیہ کا اجراء مال زکوٰۃ سے کیا جاوے اور طلباء و اساتذہ پر بے تامل خرچ کیا جاوے۔ شخص مذکور فی السوال مفسد معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دھوکے سے لوگوں کو بچنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

(مولانا) ابوزبیر محمد یونس عفرلہ، مدرس مدرسہ میاں صاحب دہلی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

اموال زکوٰۃ وصدقہ فطر کے قربانی کی کھال وصدقات نفلی ہر ایک کو مدارس دینیہ و کتب دینیہ وتجہیز موتی و قبور وغیرہ امور خیر میں صرف کرنا درست ہے۔ طلبہ کو کھانا و ضروریات لباس وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو تعمیر مساجد میں صرف کرنا درست ہے۔ اس امر پر یہ آیت دلیل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا (الی) وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الآیۃ) فی سبیل اللہ عام ہے۔ جس سے دین الٰہی و ذکر الٰہی کی ترقی ہو۔ کل وجوہ میں صرف کرنا درست ہے حج وعمرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی سبیل اللہ فرمایا ہے۔ حج، عمرہ بھی اموال زکوٰۃ سے کرانا درست ہے اور جو علماء تبلیغ شریعت کرتے ہیں یا درس و تدریس میں مصروف ہیں زکوٰۃ سے ان لوگوں کی خدمت کی جائے درست ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ میں لام تملیک لینا بے سند ہے۔ لام کے اکیس یا بائیس معنے آتے ہیں، لام استحقاق کے لئے بھی آتا ہے۔ اور لام بمعنی فی بھی آتا ہے۔ اور لام بیان کا بھی آتا ہے

نہ تملیک۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں۔ وفیہ مصیر منہ الی ان اللام وفی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۳۴ مجیب اول کا جواب صحیح ہے۔

(حررہ مولانا) احمد اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی ۲۹/۸/۱۱ھ

خلاصہ :۔ فتاویٰ علماء دین کا یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کے روپے سے اسلامی مدرسہ قائم کرنا اور مسجد وغیرہ تیار کرنا اور طلبہ کے کتابوں اور کپڑے خوراک وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے طلبا، مال زکوٰۃ اپنی ملکیت میں لے کر خود صرف کریں یا کوئی مہتمم مدرسہ وصاحب زکوٰۃ مال زکوٰۃ کو طلبہ کی طرف سے صرف کرے دونوں طرح زکوٰۃ کا مدرسہ وغیرہ میں صرف کرنا۔ بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ودرست ہے۔ کہ جیساکہ حنفی واہلحدیث کے مفتی علماء نے اپنے مذکورہ بالا فتاووں میں کھلم کھلا اور خلاصہ طور پر لکھ دیا ہے۔ الغرض زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وغیرہ کے مال سے مدرسہ بنانا اور طلبہ کی ہر ایک لابدّ ضروریات میں صرف کرنا قرآن وحدیث وفقہ یعنی شریعت سے افضل وبہتر ثابت ہوچکا ہے اور اب جو ہے اب جو شخص اپنی جہالت ونادانی کی وجہ سے لوگوں کو کہے کہ مال زکوٰۃ مدرسہ میں طلباء کو دینا یا مالِ زکوٰۃ سے مدرسہ بنانا حرام وناجائز ہے۔ وہ جھوٹا اور علم دین سے بے خبر وجاہل ہے اسکو اپنی ہٹ دھرمی وسینہ زوری سے توبہ کرکے خدائے قدوس غفور رحیم کے دربار عالی میں دست بستہ کھڑے ہوکر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی واجب و ضروری ہے۔

نور محمد پنجابی شاگرد مولنا مولوی محمد صاحب مدرس مدرسہ رائیکوٹ ضلع لدھیانہ

اخبار محمدی جلد ۲ شمارہ ۲۲، ۲۳

سوال :۔ اموال زکوٰۃ سے مدارس اسلامیہ کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور مدرسین و اساتذہ مدارس ومکاتب اسلامیہ کو زکوٰۃ سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

جواب :۔ زکوٰۃ سے دینی مدارس کی تعلیم بعض علماء کے نزدیک جائز ہے اور غریب مدرسین کی تنخواہ بھی جائز ہے چونکہ یہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور فی سبیل اللہ عام ہے چنانچہ تفسیر خازن قال بعضھم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولھذا اجاز بعض الفقہاء

صرف سہم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتٰی وبناء الجسور والحصون وعمارت المسجد و غیر ذالک لان قولہ وفی سبیل اللہ عام فی الکل فلا یختص دون غیرہ انتہیٰ (مطبوعہ مصر جلد ۸ ص ۲۴)
بعض مفسرین (قفال مروزی) وغیرہ نے کہا ہے کہ لفظ سبیل اللہ عام ہے پس اس کو محض غازیوں پر منحصر کرنا جائز نہیں اس لئے بعض فقہا نے حصہ سبیل اللہ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے۔ جیسے مردوں کا کفن دفن اور پُل اور قلعوں کا بنانا۔ مساجد کی تعمیر اور اس کے سوا جیسے مدرسہ کی تعمیر وغیرہ اس لئے کہ اللہ کا فرمان فی سبیل اللہ ہر ایک کو عام ہے پس وہ غزوہ ہی کے ساتھ خاص نہ ہو گا۔ امام رازی رحمۃ اللہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔
اعلم ان ظاہر اللفظ فی قولہ، وَفِي سَبِيلِ اللهِ لایوجب القصر علی الغزوۃ فلہذا المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقہاء انہم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع الوجوہ الخیر من تکفین الموتٰی وبناء الحصون وعمارتِ المساجد لان قولہ فی سبیل اللہ عام فی الکل انتہیٰ (مفاتیح الغیب مصری ص ۱۸۱ جلد ۲)
یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ کا ظاہر لفظ موجب حصر مجاہدین پر نہیں ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے امام قفال مروزیؒ (محدث) نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے زکوٰۃ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے جیسے تکفین موتیٰ اور قلعوں کا بنانا اور مساجد کی تعمیر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول وفی سبیل اللہ ہر (امور خیر) کو عام ہے
ایسا ہی خاتم المفسرین نواب صدیق حسن خانصاحب نے تفسیر فتح البیان میں فرمایا بحیث قال ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علیٰ نوعٍ خاص ویدخل فی وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبنائے الجسور والحصون وعمارت المساجد وغیر ذلک انتہیٰ (فتح البیان) مصری ص ۱۲۴ جلد ۴)
بیشک (لفظ فی سبیل اللہ) عام ہے۔ پس اس کو ایک خاص قسم (غزوہ) پر منحصر کرنا جائز نہیں اس میں نیکی کے تمام اقسام داخل ہیں کفن موتیٰ پُل اور قلعوں کا بنانا مسجدوں کا تعمیر کرنا اور اس کے سوا (جیسے تعمیر مدرسہ وغیرہ) انتہیٰ۔ ان عبارات سے ظاہر و باہر ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے جو ہر ایک نیک کام کو شامل ہے اس میں طلبہ کی امداد و اعانت

بھی شامل ہے۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے۔ من انفق مالہ فی طلبۃ العلم صدق انہ انفق فی سبیل اللہ (ص ۵۱ مطبوعہ ہاشمی، جس نے اپنا مال طالب علموں پر خرچ کیا اس کی بابت یقیناً کہا جائے گا کہ یہ خرچ ثمانیہ سے فی سبیل اللہ میں داخل ہے کما مر بیانہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے فقیر کے نزدیک اسی طور پر تنخواہ علماء مدرسین، بھی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اور امام شوکانی وابل الغمام میں لکھتے ہیں۔ ومن جملۃ فی سبیل اللہ الصرف فی علماء الصحابۃ فان لہم فی مال اللہ نصیباً سواء کانوا اغنیاء وفقراء بل الصرف فی ہذاہ الجہۃ من اہم الامور وقد کان علماء الصحابۃ یاخذون من جملۃ ہذہ الاموال التی کانت تفرق بین المسلمین علی ہذہ الصفۃ من الذکوٰۃ الی اخر ملخصاً (دلیل الطالب ص ۴۳۱) ﴿

من جملہ فی سبیل اللہ علماء کرام پر صرف کرنا بھی ہے۔ اس لئے کہ ان کا بھی اس مال میں حصہ ہے۔ خواہ وہ امیر ہوں خواہ فقیر بلکہ اس راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے۔ علماء صحابہ رضی بھی ان مالوں سے لیتے تھے جو مسلمانوں پر زکوٰۃ سے خرچ کئے جاتے تھے۔ اور بعض علماء کے نزدیک فی سبیل صرف مجاہدین کے لئے ہے اس لئے ان کے نزدیک مدارس ومدرسین فی سبیل سے خارج ہیں میں نے ماہ نامہ الاسلام مجریہ ۱۵ اگست ۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کو درج کیا ہے جس سے عدم جواز نکلتا ہے۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک فی سبیل اللہ عام ہے اس لئے دینی مدارس اور دینی مدارس کے خدام فی سبیل اللہ میں داخل ہیں لہذا مدارس کی تعمیر میں اور غریب مدرسین کے مشاہرہ میں دینا جائز ہے کیونکہ موجودہ زمانہ میں دینی مدارس کا دارومدار انہی پر ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے بچوں کو کسی مدرس سے تعلیم دلاتے ہوں اور انہیں اپنے طور پر ملازم رکھتے ہوں تو ایسے ملازم مدرس کو زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ کے بدلہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ ہم نے جو ماہ نامہ اسلام مجریہ ۱۵ اگست ۱۹۵۹ء میں عدم جواز لکھا ہے۔ اس قسم کے مدرسین مراد ہیں۔ جو خصوصی طور پر بعض لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے رکھ لیتے ہیں اور اگر زکوٰۃ دینے والا اس کو اپنے طور سے ملازم نہ رکھے بلکہ وہ مدرس کسی دینی اسلامی

مدرسہ کا خادم ہے۔ اور درس تدریس کا بھی سرانجام دیتا ہے تو ایسے کو زکوٰۃ دینا بشرطیکہ وہ مستحق ہو تو جائز ہے لفظ فی سبیل اللہ کو صرف جہاد ہی کے لئے خاص کرنا اور مجاہدین کے لئے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے ہاں فی سبیل اللہ کے فردوں میں سے ایک فرد یہ بھی ہے جو کہ وہ بھی فی سبیل اللہ میں ہی داخل ہے :۔

ابوداؤد شریف میں معقل سے روایت ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
فان الحج فی سبیل اللہ حج سبیل میں داخل ہے) اور دین اور اسلام بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہیں :۔

چنانچہ مندرجہ ذیل آیتوں میں لفظ فی سبیل اللہ سے دین اور اسلام مراد ہے
يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (سورۃ انفال و توبہ و ابراہیم لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ) حج و لقمان) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (قتال نحل) حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (نساء) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (نور) بہرحال بعض علماء کے نزدیک چونکہ فی سبیل اللہ عام ہے اس لئے دینی مدارس کے سلسلے میں دینا جائز ہے جبکہ موجودہ دور میں دینی مدارس کا چلنا اسی پر موقوف ہو رہا ہے۔ تو یہ بھی ایک ضرورت شدید ہے۔ جس طرح بعض فقہا نے ضرورۃ تعلیم پر اجرت لینا درست لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب :۔

عبدالسلام بستوی مدرس ریاض العلوم اردو بازار دہلی۔ اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۶ / ۷ء ۱۳۷۹ھ

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کیا چرم قربانی اور مال زکوٰۃ مسجد میں لگ سکتا ہے
سائل از ایک مسلمان علاقہ میوات

جواب :۔ قربانی کی کھالیں حق مساکین کا ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر حضرت علیؓ کو یہی حکم دیا تھا۔ عن علی بن ابی طالبؓ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقسم لحومھا وجلودھا وجلالھا علی المساکین ولا اعطی فی جزارتھا شیئا (بلوغ المرام۔ بخاری شریف)

ترجمہ :۔ یعنی فرمایا حضرت علیؓ نے کہ حکم دیا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ تقسیم کردوں میں قربانی کے گوشت اور چمڑا اور جھول کو مسکینوں میں :۔

اس حدیث شریف سے واضح طور پر معلوم ہوگیا۔ کہ چرم قربانی فقراء و مساکین کا حق ہے اور اس کا بہترین مصرف مدارس اسلامیہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر افراد مصارف صدقات پائے جاتے ہیں۔ مسجد میں قربانی کی کھالیں ہرگز نہیں لگ سکتیں کیونکہ حدیث بالا کے صریح خلاف ہے اور زکوٰۃ کا مال بھی مسجد میں نہیں لگ سکتا کیونکہ مصارف زکوٰۃ ایک مشہور چیز ہے۔ مساجد زکوٰۃ کے مصارف سے ہرگز نہیں ہے۔ بعض لوگ فی سبیل اللہ کو عام جان کر زکوٰۃ کے روپیوں کو مسجد میں لگانا جائز بتلاتے ہیں انکی زبردست غلطی ہے بغیر دلیل کے لڑتے ہیں۔ بنزیہ زکوٰۃ اوساخ الناس ہے ؛

ابو سعید شرف الدین ناظم مدرسہ دار الحدیث سعیدیہ دوپل بنگلش دہلی

سوال :۔ زکوٰۃ کا مال مسجد پر صرف ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور اس صورت کا حالتِ اضطرار میں کیا حکم ہے اہلِ مسجد غریب ہیں وہ یکمشت اتنا روپیہ جمع نہیں کر سکتے جس سے مسجد تیار ہو سکے اس سے وہ زکوٰۃ کا مال اپنی جماعت سے کچھ سالوں کا جمع کیا ہوا مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں ؛

جواب :۔ اس کا جواب پرچہ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ نمبر ۲۱ مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۶۰ء ۱۶ رجب ۷۹ھ میں بڑے واضح دلائل کے ساتھ دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ۔ کہ مسجد پر زکوٰۃ کا مال لگنے میں شبہ ہے ۔ اور مشتبہ مسجد میں نماز بھی مشتبہ ہے اس لئے اس میں احتیاط چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۔ تنظیم اہل حدیث جلد ۱۲ شمارہ ۴۲ ۔

سوال :۔ زکوٰۃ کا روپیہ اسلامیہ سکول کو دے سکتے ہیں ؟ اور اسلامی اسکول کی مالی حالت اچھی نہیں ہے ؛

جواب :۔ زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں آٹھ مذکور ہیں۔ جن میں ایک فی سبیل اللہ بھی ہے۔ جمہور علماء اس لفظ کا معنی جہاد کرتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ہر نیک کام فی سبیل اللہ کے مد میں داخل ہے آج کل ہندوستان میں جہاد جاری نہیں ہے ۔ جمہور کے قول کے مطابق مصارف زکوٰۃ اس ملک میں سات رہ جاتے ہیں دو بے

مذہب کے مطابق آٹھ بحال ہیں۔ پس دوسرے قول کے مطابق مذکورہ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ ہر نیک کام میں لگ سکتی ہے۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۱۹ رجب ۱۳۶۶ھ)

تنقید:۔ از حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مصنف تحفۃ الاحوذی رحمۃ اللہ علیہ:

مال زکوٰۃ سے مدرسین کو تنخواہ دینا یا سامانِ مدرسہ فراہم کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں مال زکوٰۃ سے غریب طلباء کو دینا جائز ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مالِ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ ان آٹھ مصارف میں غریب طلبہ داخل ہیں اور مدرسی کی تنخواہ اور سامان مدرسہ ان آٹھ مصارف[1] سے خارج ہیں۔ اور جس ملک میں بوجہ عدم تعلیم و تلقین کے احکام و ارکان اسلام کے جاری نہ ہوں وہاں مدرسہ اسلامیہ ہونا بہت ضروری ہے وہاں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ علاوہ مالِ زکوٰۃ کے تھوڑی تھوڑی اعانت کر کے حسب حیثیت ایک مدرسہ قائم کریں۔ بڑا نہیں تو چھوٹا ہی سہی اور یہ عذر کہ وہاں کے مسلمان صرف زکوٰۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں کیونکہ وہاں کے مسلمان جیسے اپنے دنیاوی ضرورتوں میں خواہ مخواہ علاوہ زکوٰۃ کے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، اور ان کو کچھ معذوری نہیں ہے اسی طرح وہاں ایک مدرسہ اسلامیہ کا قائم ہونا ایک دینی ضرورت ہے۔ اور شدید ضرورت ہے تو اس میں بھی علاوہ زکوٰۃ کے تھوڑا تھوڑا بقدر حیثیت ان کو خرچ کرنا چاہیے۔ اور اس میں بھی ان کو معذور نہیں بننا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکپوری عفا اللہ عنہ

از علامہ شکیب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ:۔

اس میں شک نہیں کہ مال زکوٰۃ کا تبلیغ اسلام کے سلسلے میں خرچ کرنا اہل کفر پر یا ایسے مسلمانوں پر جو دین اسلام سے بجز اس کے نام کے کسی قسم کی واقفیت نہ رکھتے ہوں خرچ کرنا نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہے۔ اور شرعاً یہ مصرف اس قدر واضح ہے کہ زبان و قلم کو اس کے اظہار و بیان میں کسی قسم کا تامل اور تردد نہیں ہو سکتا۔ الی آخرہ

[1] جب آٹھ مصارف میں غریب طلباء داخل ہیں تو ان کی ضروریات بھی داخل ہیں عدم دخول پر کوئی دلیل نہیں سعیدی

بحوالہ اخبار توحید امرتسر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ف ۵ لم

کیا مساجد دینی مدارس تبلیغ اسلام پر زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے :۔

از مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی ناظم جامعہ دار السلام عمر آباد۔

آپ حضرات کو معلوم ہے۔ کہ دینی ضروریات دن بدن بڑھتی جاتی ہیں اور ان میں سے اکثر کے لئے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے اور شرعاً آج کل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہاء کرام نے تملیک[۱] کی شرط لگائی ہے جس کی وجہ سے مساجد مدارس دینی۔ تبلیغ اشاعت اسلام اور تصنیف تالیف کتب دینیہ کے بہت سے کام رک جاتے ہیں۔ یا جیسے چلنے کی ضرورت ہے۔ ویسے چلنے نہیں پاتے کیونکہ ان پر مال زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی خرچ نہیں کئے جا سکتے اس لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہو سکتی اور ان امور مذکورہ میں تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ جس کا ثبوت آیات واحادیث اور اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے۔ پس امور مذکورہ کا اجراء، یا صدقات غیر واجب سے کیا جائے جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ یا آیات واحادیث کے عموم سے فائدہ اٹھائے ان امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا اور حضرات شیوخ کرام کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصود کا نشان نظر آ رہا ہے۔ بالآخر دو چار سال کے عرصہ دراز سے بعض معزز و محترم خیر خواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے جس پر فاضل محقق عالی جناب مولانا محمد عبد الوہاب صدر مدرس جامع دار السلام عمر آباد نے آیت فی سبیل اللہ تعمیم اور چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں شامل فرمایا مولانا ممدوح کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرأت پیدا ہوئی جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے ناچیز منتشر خیالات کو حضرات رہنمایان دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے جن کے

---

[۱] لام تملیک کی شرط پر کوئی دلیل نہیں بلکہ لام بیان کیلئے ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمایا ہے سعیدی

متعلق امید کہ آں حضرات اپنے اپنے تنقیدانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے۔ انما شفاء العی السوال
جمیع حضرات علمائے کرام پر یہ بخوبی روشن ہے۔ کہ امت محمدیہ کے پاس مصارف زکوٰۃ کی دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔

صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں۔ اور محتاجوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات پر کام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لئے جنکی تالیف قلوب کی جائے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مدد میں خرچ کئے جائیں خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے (اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ کا معنی (۱) للفقراء کا لام جمیع سلف صالحین کے نزدیک تملیک کے لئے ہے۔ یا نہیں ؟ تفاسیر شروع حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس طرف بھی آئمہ کرام کی ایک جماعت گئی ہے کہ لام اس آیت میں تملیک کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ رقم فرمایا ہے:۔ ان اللام فی قوله للفقراء لبيان المصرف لا للتمليك ''لام،، فقراء کے شروع میں مصرف بیان کے لئے ہے۔ تملیک کے لئے نہیں اور علامہ سیوطیؒ نے اتفاق کی کتاب الاوداات میں لام کے متعدد معنے جو پندرہ سے زیادہ ہوں گے۔ بیان کئے ہیں۔ ان میں سے صرف ''لام،، تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہل لسان سے ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ باقی معنی حقیقی ہیں۔ اصول فقہ کی کتاب حصول المامول من علم الاصول مطبوعہ مصر میں ''لام،، کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے۔ اور کتب نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے۔ اللام للاختصاص بملكية او بغير ملكية۔ ''لام'' اختصاص کے لئے آتا ہے۔ خواہ ملکیت کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں چار مصرفوں میں ''لام،، کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں ''فی'' کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ

مالِ زکوٰۃ میں مالکانہ مصرف کا اختیار ہے اور پچھلے چار مصرف والوں کو حسب منشاء تصرف کا اختیار نہیں۔ پس ودلام،، سے تملیک کی شرط اجتہادی متحمل چیز ہوئی نہ کہ قطعی اور منصوص۔

(۲) دفی سبیل اللہ،، کا معنی:۔ فی سبیل اللہ کے معنی میں تعین اور اس تعین پر اجماع ہوا ہے۔ یا نہیں؟ اگر تعین اور اس پہ اجماع ہو چکا ہے تو کتب فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اغنیاء مجاہدین کو مال زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور امام ابویوسف نادار مجاہدین کو بھی مال زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور امام محمد نادار حاجیوں کو بھی مال زکوٰۃ سے دیکر حج کرانے کی اجازت اس لفظ دفی سبیل اللہ،، سے نکالتے ہیں۔ اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا اپنا قول گویا اجماع مرکب کے خلاف ہے اس لئے وہ قول ناجائز قرار دیا جائے تو یہ عرض ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس مقام پر اجماع کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ اصولی اصطلاحی اجماع معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اجماع امت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو دیکھنے میں نہیں۔ آیا بلکہ اجماع الجمہور لکھا ہے اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کرتی ہے:۔ علاوہ بریں امام قفال نے بعض آئمہ سے عام مصارف خیر جیسے کہ امور مذکورہ اوقاف وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جس کو امام رازی، علامہ بیضاوی اور صاحب خازن نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا ہے۔ اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں:۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على الغزاة فقط ولهذا اجازه بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى او بناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغير ذلك وقال لان قوله تعالىٰ وفي سبيل الله عام في الكل فلا يختص بصنف دون غيره اور کہا بعض علماء نے کہ لفظ عام ہے۔ اس کو صرف مجاہدین کے لئے مخصوص کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے بعض فقہاء کرام نے سبیل اللہ حصہ

سب نیک کاموں مثلاً تکفین موتیٰ، پلوں اور قلعوں اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے کو جائز رکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی سبیل اللہ، سب نیک کاموں کو شامل ہے۔ صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں چاہیئے۔ اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے مصارف زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب "بدائع" سے نقل فرمایا ہے کہ۔ وذکر فی البدائع انہ یشتمل جمیع القرب فی سبیل کا لفظ نیک مصرفوں میں شامل ہے۔

امام بخاری:۔ اپنی جامع صحیح البخاری کے "باب العرض فی الزکوٰۃ میں ابوہریرہؓ سے ابن جمیل، خالد بن ولید اور حضرت عباسؓ سے منع زکوٰۃ کی توجیہہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں۔ اور اسی روایت کو باب والغارمین وفی سبیل اللہ میں مقرر لائے ہیں۔ امام بخاری کا مدعا امام ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاریؒ کا استدلال

واستدل البخاری بقصۃ خالد علی مشروعیۃ تحبیس الحیوان والسلاح وان الوقف تبقاءہ تحت ید محتبسہ وعلی جواز اخراج العروض فی الزکوٰۃ "امام بخاری نے خالدؓ کے قصہ سے جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور وقف کی ہوئی چیزوں کا واقف کی نگرانی میں رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع سے دینے پر استدلال کیا ہے۔ بہر طور مال زکوٰۃ وقف میں دیا گیا"

پس شرح بخاری سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے خالدؓ کے واقعہ وقف کو زکوٰۃ میں شمار فرمایا اور آیت فی سبیل اللہ میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا۔ جو حضرات احناف کرام کے خلاف ہے اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا اور یہ امر فقہائے کوفہ کے خلاف ہے اور زکوٰۃ کے نقد کے عوض متاع دینا ثابت ہے جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے۔

الحاصل امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث صریح

حضرات مانعین پیش فرما سکتے ہیں ، رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشئ عن الدلیل نہ ہوں ، اور مجوزین کی تجویز ان کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاری کے استدلات کا قطعی اور تسلی بخش جواب کیا ہوگا ؟

مذکورہ بالا معروضہ پیش کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت مصارف میں سے سات حصے خاص خاص جماعتوں یا افراد پر خرچ کئے جائیں ، اور ایک حصہ عام مصارف خیر کے لئے رکھ دیا جائے ، تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کئے جائیں ورنہ تبرعات تطوعات اختیاری امور ہیں جن پر جبر واکراہ نہیں کیا جاسکتا ، اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی ، اور بناء مساجد ومدارس دینی اور مصارف تبلیغ وغیرہ خدانخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے ، چونکہ زمانہ موجودہ میں یہ مسئلہ مہمات مسائل میں سے ہے ، لہذا الغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدت حاجت فقہائے کرام نے بھی اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے ، چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی نسبت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں ، مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے ، تاکہ تعلیم قرآن معدوم نہ ہو اور اسی طرح مفقودۃ الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے

انہیں امور کو مدنظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں گویا امام بخاریؒ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے ، وعن ابی الاس حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج وفی الصحیح واما خالد تظلمون خالداً وقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ وفیہ شیئاً ن جواز ان یعطی مکان شیئ شیئاً اذا کان انفع للفقراء وان الحبس تجزئ عن الصدقۃ قلت وعلی ھذا انما الحصر فی قولہ تعالیٰ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ الی ما طلبہ المنافقون فی صرفہا فیما یشتھون علی

مایقتضیہ سیاق الایۃ والسرفی ذالک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فے بیت المال فی بلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ واللہ علم

ابوالآس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا اور صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو، جو اس سے زکوٰۃ طلب کرتے ہو، حالانکہ اس نے بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کئے ہیں، اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، جبکہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو، اور یہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے، میں یہ کہتا ہوں، (یعنی شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اس صورت میں حصر فرمانِ خداوندی انما الصدقات کے جملہ میں اضافی ہے، منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں گو وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ کی رقم بیجا صرف کی جائے جیسا کہ (آیت روانی کا مقتضا ہے، اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرتے ہیں راز یہ ہے کہ ضروریات بیشمار ہیں، اور مسلمانوں کے خالص شہروں میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتدبہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ضرور ہوا کہ مصرف زکوٰۃ میں وسعت ہو جو کافی حاجات ہو، جیسا کہ آیت کے نزول کے موقعہ پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا، واللہ اعلم (توحید امرتسر ۲ جمادی الاول ۴۸ھ)

نوٹ:۔ مضمون ہذا کے جواب میں حضرت مولانا محمد اسماعیل مدارسی نے ایک طول طویل مضمون لکھا جو اخبار توحید کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت شریف للفقراء میں لام محض تملیک کے لئے ہے، اور مدارس و مساجد پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں، افسوس کہ مضمون معلومات کے لحاظ سے قیمتی ہے، مگر عدم گنجائش کی وجہ سے رہ گیا، اس بحث پر بطور محاکمہ حضرت مقبول رب العالمین مصنف رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان صاحب جج پٹیالہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیمتی مضمون درج ذیل ہے۔

مزید تشریح

از قلم جناب حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری (پٹیالہ)

لام کے فوائد اور تملیک کی عدم ضرورت

(۱) آیت للفقراء کالام تخصیص کے لئے ہے صاحب کشاف کے الفاظ اس پر دال ہیں وانها مختصة بها لا يتجاوزها الى غيرها ۔ احمد آفندی مدیر الجوائب نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالب و بنیۃ الراغب میں لام تخصیص کا ذکر کیا ہے، اور مثال میں الجنة للمؤمنين وهذا الحصير للمسجد والمنبر للخطيب کا ذکر کیا ہے، وہ لام استحقاق کا بھی ذکر کرتے ہیں، مثال میں الحمد لله اور العزة لله پیش کرتے ہیں۔ لام تملیک کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے، اور له ما في السموات والارض کو مثال میں پیش کیا ہے، بعد ازاں فاضل مذکور یہ بھی لکھتا ہے بعضهم يستغني بذكر الاختصاص عن ذكر المعنيين الاخرين ويمثل له بالامثلة المذكورة:۔ لہٰذا جن علماء نے لام کو تملیک کے لئے متعین نہیں کیا، ان کا مسلک صحیح ہے حصول المامول نے بھی غالباً اسی لئے تخصیص کو ملک وعدم ملک ہر دو پر حاوی کیا۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی لام کو بیان مصرف قرار دینے میں پورے تفقہ سے کام لیا ہے، یہ کہنا کہ جمیع سلف نے اس لام کو تملیک ہی کے لئے قرار دیا ہے، داخل غلو ہے، ہاں صاحب کشاف نے آیت صدقہ کے لام اور فی کا فرق جتلاتے ہوئے لکھا ہے، فان قلت لم عدل عن اللام الى فى فى الاربعة الاخيرة قلنا للايذان بانهم ارسخ فى استحقاق التصدق عليهم لمن سبق ذكره لان فى للوعاء فنبه على انهم احقاء بان توضع فيهم الصدقات الخ ۔

فی سبیل اللہ کے متعلق اجماع کی حقیقت

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعین کی بابت گزارش ہے کہ، امام شافعی فرماتے ہیں۔ ويعطى من سهم سبيل الله جل وعز من غزا من جيران الصدقة فقيرا كان او غنيا، ولا يعطى منه غيرهم الا ان يحتاج الى الدفع عنهم فيعطاه من دفع عنهم المشركين (كتاب الام الجزء الثانى ص۶۲) امام شافعیؒ کی تفسیر کے مطابق غازی، غنی وفقیر کو فی سبیل اللہ میں سے دیا جا سکتا ہے، نیز حیلہ اور مدافعت ہر دو صورتوں میں دیا جا سکتا ہے۔

(ب) رسائل الارکان میں بحر العلوم لکھنوی (ابو العیاش عبد العلی محمد) تحریر فرماتے ہیں۔ الصنف السادس سبیل اللہ وان کان عاماً فی کل خیر لکن المعموم لیس مراد فی الآیة بالاجماع بل المراد السبیل المخصوص فعند الامام ابو حنیفه المراد الغزاة فمنقطع الغزاة یعطی من مال الزکوٰة یغزو مع الغازین وعند الامام محمد الحج فمنقطع الحاج یعطی من مال الزکوٰة لحج ثم الفقراء شرط عندنا فی منقطع الحاج فیعطی منقطع الغزاة عند الامام ابی حنیفة للفقراء ویعطی منقطع الحاج عند الامام محمد للفقراء فلا خلاف فی الحکم کذا فی فتح القدیر وعند البعض یعطی الغزاة اغنیاء کانوا او فقراء اس فاضل نے لفظ فی سبیل اللہ کو جملہ امور خیر کے لئے عام مان کر پھر اسے مرادی معنی میں خاص ٹھہرایا ہے، اور وجہ تخصیصاً اور اجماعاً بتلائی ہے، اور اجماع ادعائی کی صورت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے صرف غزوہ کے لئے اور امام محمد نے صرف حجاج کے لئے بتایا ہے (اجماع کہاں رہا) پھر فقراء کو شرط بتلایا، پھر بعض کے نزدیک اس شرط کا نہ ہونا ظاہر کیا، جب ہم یہ خیال کریں، کہ عند البعض کا عطف شرط عندنا ہی ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عدم شرط کا مذہب بھی خود علماء حنفیہ ہی کے اندر ہے، شافعیؒ کا ارشاد وہ اجتہاد مزید براں ہے، امام مالکؒ اس بارے میں بجانب شافعیؒ ہیں (اجماع کہاں رہا) اب یہ بھی غور طلب ہے کہ بحر العلوم نے صرف لفظ "اجماع" کو تحریر کیا ہے، مگر خازن نے اجماع الجمہور لکھا ہے، اور یہ ظاہر ہے، کہ اجماع جمہور بمعنی اجماع امت نہیں۔

زکوٰۃ ہر کار خیر میں خرچ کی جا سکتی ہے (ج) صاحب خازن نے (باتفاق بیضاوی وغیرہ) لکھا ہے، اجاز بعض الفقہاء صرف سہم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغیر ذلك اور کنز الدقائق میں ہے، لا الی ذمی وبناء المسجد وتکفین میت وقضاء دین وشراء قن یعتق اب ہر دو میں تضاد موجود ہے، اور نتیجہ صاف ہے کہ اجماع موجود نہیں۔

لفظ سبیل اللہ کی خصوصیت اور وسعت:۔ میرا خیال ہے کہ لفظ سبیل اللہ کا مفہوم متعین کرنے کے لئے موارد قرآنیہ پر بھی تدبر کیا جائے وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(بقرہ) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (بقرہ) لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (بقرہ) وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (نساء) وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (نساء) وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (مزمل) ودیگر آیات ہم معنی میں سبیل اللہ سے مراد غزا الغیا بالکل یہ صحیح ہے، قتل وقتال، وہن، حصور، و جہاد کے الفاظ بطور قرینہ صحیحہ ان میں موجود ہیں، اب آیات ذیل پر بھی تدبر ضروری ہے،

وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ (انفال۔ توبہ۔ ابراہیم) لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ (حج ولقمان) الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللّٰهِ (قتال ونحل) حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (نساء) وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (حج) وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (نور) ہرسہ آیات اول میں سبیل اللہ سے مراد دین حقہ اور اسلام اور سہ آیات مابعد میں سبیل اللہ سے مراد ہجرت لینا اور غزا مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا، (ھ) اگر سبیل اللہ اور سبیل الرب ہم معنی ہیں تو آیت مَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (مزمل وانسان) کو بھی زیر نظر رکھنا چاہیئے، لفظ سبیل اللہ ضمائر کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے، اور جہاں جہاں ضمیر کا مرجع اللہ ہے ان سب کو بھی شامل تدبیر کر لینا چاہیئے، لفظ سبیل کی وسعت معنی کا خیال آیات ذیل کے شمول سے بھی ہو جاتا ہے، إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (اسرائیل) فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (نساء) إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا (اسرائیل) اس طریق سے صرف یہ اطمینان مقصود ہے کہ آیت مصرف صدقہ میں بھی لفظ سبیل اللہ کو وسیع معنی میں لیا گیا، جبکہ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے، اور جبکہ فقہاء نے بھی لفظ کا معنی عموم بر میں ہونا تسلیم فرمایا۔

حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے (و) سنن ابوداؤد کی حدیث عن معقل" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک یہ ہیں، فان الحج من سبیل اللہ یہاں تخصیص غزا (بقول ابوحنیفہؒ و شافعیؒ) تخصیص حج بقول محمد اٹھ جاتی ہے، اور حرف من اس لفظ کے وسیع المعنی ہونے پر دال ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال، حکیم الامۃ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں، فالحصر فی قولہ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ ما طلبہ المنافقون فی صرفھا فی ما

یشتھون علی ما یقتضیہ سیاق الایۃ والسر فی ذالک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال۔ فلا بد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ واللہ اعلم ص۲۳۹ حجۃ اللہ البالغہ) امر مطلوب نوائب (ضروریات تمدن کی کفایت ہی) اور وہ غیر محصور ہیں، اور یہی امر وسعت کا معنی کا مقتضی ہے۔ یعنی نوائب المدینۃ کا ترجمہ حاجات تمدن سمجھا ہے، بایں اعتبار کہ تقسیم حصص وغیرہ کی ضمن میں بھی متعدد روایات میں نوائب الناس یا نوائب المسلمین کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

امام ابن قیم اور مصالح اسلام (ح) امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں، وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصرف سھم اللہ وسھمہ فی مصالح الاسلام (زاد المعاد جلد اص۱۶۴) ظاہر ہے کہ عبارت بالا میں سہم اللہ وسہمہ سے مراد وہ سہام ہیں جن کا ذکر آیت غنیمت (سورۃ توبہ) و آیت فئی (سورۃ حشر) میں ہوا ہے لہٰذا آیت صدقہ کے لفظ فی سبیل اللہ کو بھی اگر تحت مراد سہم اللہ قرار دیا جائے تو اس کا تعلق بھی مصالح الاسلام سے واضح ہو جاتا ہے، (ط) اس فہم واستدلال کے ساتھ امام ابو یوسفؒ نے آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں۔

فَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ .... قد ذهبوا

وَالْعَامِلُونَ عَلَيْهِمْ .... یعطیھم الامام ما یکفیھم وقسمت بقیۃ الصدقات بینھم

فَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ .... سھم — وَلِلْغَارِمِينَ .... سھم

وَفِي ابْنَاءِ السَّبِيلِ المنقطع لھم .... سھم وَفِي الرِّقَابِ .... سھم

وَفِي إِصْلَاحِ الْمُسْلِمِينَ .... سھم

(کتاب الخراج مفصل فی الصدقات ص۷۲ الطبعۃ الاولی بالمطبع المیریہ ببولاق مصر ۱۳۳۲ھ)

یہ ظاہر ہے کہ امام قاضی القضاۃ نے فی اصلاح طرق المسلمین کے الفاظ لفظ فی سبیل اللہ کی ہی تفسیر میں تحریر فرمائے ہیں۔

امام ابن قیم کے دو اصول (ی) ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں اگرچہ فی سبیل اللہ کے

معنی الغزوۃ فی سبیل اللہ لکھے ہیں، مگر انہوں نے اصناف ثمانیہ کو دو اصول پر منقسم کیا ہے، (۱) شدت احتیاج فقراء و مساکین ورقاب و ابن السبیل اس میں داخل ہیں (۲) منفعت عاملون مؤلفۃ القلوب غارمون غزاۃ اس میں داخل ہیں، ان کا آخری فقرہ قابل توجہ ہے، فان لم یکن للاٰخذ محتاجاً و لا فیہ منفعۃ للمسلمین فلا سہم لہ فی الزکوٰۃ (ک) امام بخاری کی حدیث باب عرض الزکوٰۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا۔ واما خالد فقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ ان کی معنی پر ضرور مشتمل ہے، جو علامہ ابن حجر و عینی ابن رشید رحمہم اللہ نے بیان فرمائے ہیں، میرے نزدیک الفاظ مبارکہ وسعت معنی فی سبیل بھی بیان کرتے ہیں، اور نفی تملیک بھی اگرچہ فی سبیل اللہ کے الفاظ فی کے تحت ہیں یا ہیں، اور لام کی تحت ہیں۔

استدلال بخاری کے خلاف کا پتہ نہیں:۔

(ل) آج تک کوئی روایت ایسی نہیں گزری جو استدلال بخاریؒ کی ناقص ہو، جناب کا تحریر فرمانا کہ بوقت شدت حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی اپنے مذہب کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کی اجازت دی ہے بالکل درست ہے اور اجرت علی تعلیم القرآن و نکاح مفقودۃ الزوج کی نظائر بحوالہ ہدایہ بھی درست ہیں، مزید برآں میں جناب کی توجہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر مظہری پر دلانا چاہتا ہوں تفسیر سورۃ انفال ص۳۵ پر قاضی صاحب نے جن کو بیہقی وقت کہا گیا ہے، تحریر کیا ہے، فقال ابوحنیفۃ سہم ذوی القربیٰ ایضاً سقط بموت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند سطور کے بعد لکھا ہے۔ وھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف ومحمدؒ بعد ازاں ان وجوہات کا اندراج کیا ہے، جو صاحب ہدایہ اور طحاوی نے مذہب بالا کی تائید میں لکھے ہیں، بایں ہمہ اپنی تحقیقات اور دلائل کو لکھ کر تحریر فرمایا ہے، وبھذا ثبت ان سہم ذوی القربیٰ لم یسقط غور کیجئے کہ اس علامہ نے قوت دلائل کی وجہ سے امام صاحبین کے مذہب پر جمود نہیں کیا، اور صاحب ہدایہ اور طحاوی کے دلائل کی تضعیف میں بھی تامل نہیں کیا، حالانکہ ان کی تمام تفسیر فقہ حنفیہ کی تائید پر

مشتمل ہے (ن) لیکن میں یہ عرض کردوں گا کہ جب امام القاضی ابویوسفؒ نے فی سبیل کے معنی ہیں فی اصلاح طرق المسلمین تحریر فرمادیئے ہیں، تو اندریں صورت خود بخود مذہب حنفیہ کے اندر سند اور دلیل مل گئی ہے، اور اس تفسیری عبارت (اصلاح طرق المسلمین) نے زمانہ حال کے ضروریات کے اہتمام اور انصرام کے لئے سبیل الرشاد کو کھول دیا ہے (س) علمائے ہند کے لئے یہ امر بھی قابلِ غور ہے، کہ جب اس ملک میں بہ زمانہ حال غزاۃ فی سبیل اللہ کی جماعت موجود ہی نہیں تو کیا ان کا سہم ساقط نہ ہوجائیگا، اور کیا اس سہم کا دیگر امور مرضیات الہٰی میں صرف کرنا صحیح نہ ہوگا، جبکہ امام ہمام اور صاحبین نے آیات غنیمت دفئ میں سقوط سہام رسول وذوی القربیٰ کے بعد ان کا مصرف دیگر اہل سہام کو قرار دیا ہے، اور آیات صدقات میں بھی مؤلفۃ القلوب کے متعلق بھی مسلک اختیار کیا ہے (ع) میں اس طول کلامی کی معافی کا طالب ہوں، اور میں سمجھتا ہوں کہ میں آنجناب سے ہی متفق ہوں۔ والسلام

(توحید امرتسر ۲۰/رجب ۱۳۴۷ھ) فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۴۵۷

نوٹ:۔ یہ مضمون حضرت قاضی صاحب مرحوم نے مولانا فضل اللہ صاحب مرحوم کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، اسی لئے طرزِ تحریر مخاطبانہ ہے۔ (اخبار مذکور)

سوال:۔ مسجد یا مدرسہ میں ایک میاں یا ملا رکھ کر گاؤں کے بچوں کو تعلیم دلائی جاتی ہے، اور ان میں صاحبان زکوٰۃ کے بچے بھی تعلیم پادیں تو کیا یہ جائز ہوگا، یا نہیں درآنحالیکہ زکوٰۃ دینے والے حضرات میاں یا ملا کی تنخواہ اپنے عشر و زکوٰۃ کی رقم سے دیتے ہیں؟

جواب:۔ اصحاب اموال کا اپنے بچوں کو ایسے لوگوں سے تعلیم دلانا جن کو وہ تنخواہ اپنے اموال کی زکوٰۃ و عشر سے دیتے ہوں درست نہیں ھذا ھو الراجح عندی الی ھذا الآن ایسے علماء دین جو اس آیت کے مصداق ہوں، اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ بحسب تحت الایہ یعنی دین کی تعلیم وخدمت کے لئے وقف ہوگئے ہوں، اور فکرِ معیشت کے لئے وقت نہ نکال سکتے ہوں، "مساکین" میں داخل ہیں، بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنالیا ہو، ضرورت اور حاجت سے زیادہ نہ لیتے ہوں، اور کسی حالت میں بھی ساعی

وسائل نہ بنتے ہوں، ایسے علماء و دعاۃ مدِ زکوٰۃ کے بلاشبہ مستحق ہیں، اسی طرح غریب طلبہ علوم دینیہ بھی آیت مذکورہ کی رو سے فقراء و مساکین میں داخل ہیں، اور ضروری ہے، کہ اس مد سے ان کی خبر گیری کی جائے، رہ گئے علماء اغنیاء جو سونے چاندی کے نصاب کے مالک ہیں، یا خوشحال وزمیندار ہیں، یا کرایہ کی جائدادوں کے مالک ہیں، اور قرآن و علوم دینیہ کی ترویج اور دعوت وارشاد وہدایت و تبلیغ یا درس و تدریس میں مصروف ومشغول رہتے ہیں، ان کو زکوٰۃ دینی اور خود ان کو زکوٰۃ لینی جائز ہے، یا نہیں؟ اسی طرح مدارس کا اجراء و قیام اور مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اس مد سے دینی جائز ہے یا نہیں، سو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اہل حدیث اسے جائز و درست کہتے ہیں، ان میں سے بعض نے ان علماء و مدرسین کو "سبیل اللہ" میں داخل سمجھا ہے، ان کا خیال ہے کہ سبیل اللہ کے ذریعہ ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا ہے، جس میں دینی امت کے مصالح کی ساری باتیں آگئیں۔ مثلاً قرآن اور علوم شرعیہ کی ترویج و اشاعت مدارس کا اجراء و قیام دعاۃ و مبلغین کا قیام ارسال ہدایت وارشاد امت کے تمام مفید مسائل۔

اکثر علماء کے خیال میں سبیل اللہ سے مراد صرف مجاہدین و غزاۃ ہیں:۔ کما قال شمس الائمہ ابن قدامہ فی الشرح الکبیر علی متن المقنع لاخلاف فی انھم الغزاۃ لان سبیل اللہ عند الاطلاق ھو الغزو انتھی

علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم نے مخالفت کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔ ھذا غیر صحیح بل سبیل اللہ ھو الطریق الموصل الی مرضاتہ وجنتہ وھو الاسلام فی جملتہ وآیات الانفاق فی سبیل اللہ تشتمل جمیع انواع النفقۃ المشروعۃ وماذا یقول فی آیات الصد والاضلال عن سبیل اللہ والھجرۃ فی سبیل اللہ بل لایصح ان یفسر سبیل اللہ فی آیات القتال نفسھا بالغزو لان القتال ھو الغزو وانما یکون فی سبیل اللہ اذا ارید بہ ان تکون کلمۃ اللہ ھی العلیا ودینہ ھو المتبع فی سبیل اللہ فی الآیۃ یعم الغزو والشرعی وغیرہ من مصالح الاسلام بحسب لفظہ العربی ویحتاج التخصیص الی دلیل صحیح انتھی۔

قلت الراجح عندی انھم الغزاۃ خاصۃ وان کانت کلمۃ سبیل اللہ بحسب لفظھا العربی عامۃ تشتمل جمیع مصالح الاسلام العامۃ لکن المراد فی اٰیۃ مصارف الزکوٰۃ فیما اری واللہ اعلم بمراد کلامہ الغزاۃ خاصۃ والدلیل علی ھذا التخصیص ما روی احمد ومالک وابوداؤد وابن ماجۃ وغیرھم عن ابی سعید مرفوعا لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لعامل علیھا او رجل اشتراھا بمالہ او غارم او غاز فی سبیل اللہ الخ وعلی ھذا فلا یدخل فی سبیل اللہ الاغنیاء من اصحاب الدعوۃ والارشاد والھدایۃ والتبلیغ والافتاء والتدریس وغیرھم من الموظفین فی المدارس الدینیۃ ولا یدخل فیھا ایضا تاسیس المعاھد الدینیۃ وتعمیرھا واعانتھا واقامتھا وغیر ذالک مما یشبھہ۔

اور بعض علماء اہلحدیث نے ایسے اصحابِ نصاب کو "عاملین" میں داخل سمجھا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ عاملین کو زکوٰۃ کا مصرف ٹھہرانے کی علت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان عاملین نے ایک کام کو جو مصالح مسلمین سے ہے انجام دیا ہے۔ قال الشوکانی حدیث ابن سعید (عند الشیخین دلیل علی ان عمل الساعی سبب لاستحقاقہ الاجرۃ کما ان وصف الفقر والمسکنۃ ھو السبب فی ذلک واذا کان العمل ھو السبب اقتضی قیاس قواعد الشرع ان الماخوذ فی مقابلۃ اجرۃ۔ اسلامی حکومت کے اور عاملین کو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ٹھہرایا ہے، لیکن روایات حدیثیہ سے ثابت ہے کہ عہد نبوت میں جو اشخاص اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے تھے، ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کاموں کی اُجرت عنایت فرماتے تھے، ابوداؤد میں بریدہ سے مرفوعاً روایت ہے من استعملنا علی انہ عمل فرزقنا رزقا فما اخذ بعد ذلک فھو غلول قال الشوکانی فیہ دلیل علی انہ لا یحل للعامل زیادۃ علی ما فرض لہ من استعملہ وان ما اخذہ بعد ذالک فھو من الغلول وذالک بناء علی انہ اجارۃ ولکنھا فاسدۃ یلزم فیھا اُجرۃ المثل الی اخر ما قال (نیل الاوطار)

پس حکومتِ اسلامی کے دیگر عاملین مثل قضاۃ وغیرہ بوجہ اشتراک فی العلۃ حکم سعاۃ میں داخل ہیں، اس کے علاوہ عہد خلافت راشدہ میں بھی دیگر عاملین کی اُجرت بلکہ خود حاکم کی اُجرت

مال مسلمین سے دیا جانا ثابت ہے، اور انہی وجوہ سے خلف وسلف کی ایک بڑی جماعت اس جانب گئی ہے، قال الطبری ذهب الجمهور الی جواز اخذ القاضی الاجرة علی الحکم لکونه یشتغله الحکم من القیام بمصالحه (عمدة القاری للعینی) واحتج ابو عبید ة علی جواز ذلك بما فرض الله للعاملین علی الصدقة جعل لهم حقا منها لقیامهم وسعیهم الی قوله وقال ابن المنذر حدیث ابن سعید حجة فی جواز ارزاق القضاة من وجوهها (فتح الباری) وقال القاری فی المرقات فی شرح حدیث وغیره جواز اخذ العوض من بیت المال علی العمل العام وان کان فرضاً کالقضاء والجسر والتدریس بل یجب علی الامام کفایة هولاء ومن فی معناهم فی بیت المال انتهی (وقال المولوی) عبد الحی الکھنوی فی عمدة الرعایة وکل من فرغ نفسه بعمل من امور المسلمین یستحق علی ذلك رزقاً کالقاضی الخ پس ایسا مدرسہ جو مصالح مسلمین پر مشتمل ہے، اس کے مدرسین کو مدِّ زکوٰۃ سے تنخواہ دینی کیوں درست نہیں ساتھ ہی اس کے اس زمانہ میں مدارس دینیہ کے قیام وبقا کی جو ضرورت ہے، وہ مخفی نہیں، یہ بھی ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ مدارس کی امداد مدِّ زکوٰۃ سے نہ ہوگی۔ کوئی مدرسہ چل نہیں سکتا۔ پس جب سائلین صدقات کے ساتھ دوسرے عاملین ملحق ہیں، اور عاملین زکوٰۃ کے لئے بحالت ان کے غنی ہونے کے بھی زکوٰۃ سے اُجرت لینی درست ہے، تو مدِّ زکوٰۃ سے مدرسین کو زکوٰۃ معین وغیرہ معین دونوں طرح لینا ان کے غنی ہونے کی صورت میں بھی جائز اور درست ہوگا جیساکہ حضرت ابوبکرؓ کی تنخواہ کے واقعہ سے ثابت ہے۔ اخرج ابن سعد عن میمون قال لما استخلف ابوبکر جعلوا له الفین فقال زیدونی فان لی عیالاً وقد شغلمونی عن التجارة فزادوه خمس مائة (تاریخ الخلفاء) علمائے حنفیہ کے نزدیک مدِّ زکوٰۃ سے مدرسین وملازمین مدرسہ کو بصورت ان کے غنی ہونے کے تنخواہ نہیں ادا کی جاسکتی، اور نہ ان کے لئے لینا جائز ہے، وہ کہتے ہیں، زکوٰۃ ایک فریضۂ الٰہی ہے، جس کی ذمہ داری مالک نصاب پر ہوتی ہے، اور چونکہ وہ حج روزہ نماز کی طرح ایک عبادت ہے، اسی لئے مالکِ نصاب کو مقررہ شروط وقیود کا لحاظ رکھتے ہوئے مال کا ایک معین حصہ اس کے مصارف میں بطور تملیک

اس طرح ادا کرنا ضروری ہے، کہ اس کی ادائیگی میں بجز امتثال امر الٰہی شخص مودیٰ الیہ سے کسی قسم کی کوئی غرض حصول نفع کی خاطر نہ ہو (تنویر الابصار) اس لئے وہ ان لوگوں پر بھی اس کو صرف نہیں کر سکتا کہ جن کے دینے میں حصول نفع کا احتمال ہو۔ کما قال فی رد المختار فلا یدفع لاصلہ ای وان علا ولفرعہ ای وان سفل وکذا الزوجۃ وزوجہا وعبدہ ومکاتبہ لانہ بالدفع الیہم لم تنقطع المنفعۃ عن الملک ای المزکی من کل وجہ۔ اور اسی بنا پر بھی اس کا صرف کرنا جائز نہیں (رد المختار ص۷۷ ج ۲) معلوم ہوا کہ مدرسین کی تنخواہ مدِ زکوٰۃ سے نہیں ادا کی جا سکتی کہ وہ معاوضہ ہے، ان کے عمل کا اور زکوٰۃ میں معاوضہ مقصود نہیں ہوتا۔ حنفیہ کہتے ہیں، کہ عاملین صدقات کے ساتھ اغنیاء مدرسین کو ملحق کرنا صحیح نہیں، کیونکہ ان کو جو کچھ ملتا ہے، وہ بطریق عمالہ ہے، اور چونکہ یہ عمالہ بقدر کفاف یعنی ان کے اور ان کے اعوان کی ضرورت اور حاجت کے مطابق دیا جاتا ہے، اس لئے اس کو اجرت و معاوضہ سمجھنا غلط ہے، کیونکہ وہ مقدار جو اس کو اور اس کے اعوان کو کافی ہو سکے وہ مجہول اور غیر معلوم ہو، اور احد العوضین کی جہالت جواز اجارہ سے مانع ہے، پس معلوم ہوا کہ عامل صدقہ کا استحقاق بطور اجرت و معاوضہ کے نہیں ہے، بلکہ بطریق کفایہ ہے، بنا بریں مدرسین و ملازمین مدرسہ کو عاملین صدقات کے ساتھ ملحق کرنا غلط ہے،

حنفیہ کہتے ہیں کہ دیگر عاملین کے عمالہ سے جو ان کو بیت المال سے ملتا ہے، مدرسین کے مدِ زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کے جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ بیت المال دراصل اسلامی خزانہ کا نام ہے، جس کے مختلف شعبے ہوتے تھے، اور ہر شعبے کے مصارف جدا گانہ ہوتے ہیں، مثلاً ایک شعبہ بیت الخمس کا تھا، جس میں جنس غنائم وغیرہ جمع ہوتے تھے، اور اس کو آیت "واعلموا انما غنمتم" الخ کے تحت صرف کیا جاتا تھا، دوسرا شعبہ بیت الصدقات تھا، جس میں عشر و زکوٰۃ فطرہ کے اموال جمع ہوتے تھے، اور اس کو مصارف منصوصہ ثمانیہ میں صرف کیا جاتا تھا، تیسرا شعبہ خراج الارض والجزیہ تھا، جس میں زمینوں کا خراج اور جزیہ وغیرہ کا مال جمع رہتا۔ اس شعبہ سے قاضی مفتی اور علماء کرام کو بقدر کفاف ملتا

تھا، چوتھا شعبہ لاوارث لوگوں کے ترکہ اور لقطات کا تھا جس کو ضوائع کہتے ہیں، اس سے عام مصالح مسلمین میں امداد ملتی تھی (عالمگیری) پس یہ ثابت کر کے کہ علماء و قضاۃ اور عمال کو بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی، یہ ثابت کرنا مدِ زکوٰۃ سے مدرسین تنخواہیں پا سکتے ہیں، صحیح نہیں۔ الی آخرہ

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۰) (املاہ عبید اللہ المبارکفوری الرحمانی المدرس مدرسہ دار الحدیث الرحمانیہ دہلی)

توضیح:۔ ان سب عبارتوں کا جواب قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے مضمون میں دیکھیں۔ (سعیدی)

سوال:۔ مساجد کی مرمت یا از سر نو تعمیر ضروری سامان پہنچانا۔ مسافروں کو زاد راہ دینی نو مسلموں کی پرورش طالبعلموں کی ضرورتیں پوری کرنے والوں کو کفالت، مفلوک مریضوں کی دوا ننگوں کو کپڑا، بھوکوں کو کھانا دینا، مظلوموں اور ناقابل کسب معاش عورتوں مردوں بچوں کی ضروری کفالت، اشاعت اسلام وغیرہ یہ حضرات والا صفات (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کرتے تھے، یا نہیں، اگر کرتے تھے، تو زکوٰۃ و دیگر صدقات کی رقوم سے یا خراج ممالک سے اگر جدا جدا رقوم صرف فرماتے تھے، تو بضرورت دوسری مد کے رقم صرف فرماتے تھے، یا مد خاص میں گنجائش نہ ہونے پر کام سے انکار فرماتے تھے؟

جواب:۔ ان سب ضرورتوں کا انتظام مصارف زکوٰۃ میں آجاتا ہے، اور مال غنیمت سے بھی پانچواں حصہ لیا جاتا تھا، امیر جماعت کو بھی اختیار تھا کہ حسب ضرورت تقسیم کر دے (ایضاً) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۱

سوال:۔ بقرہ عید کی نماز جو مولوی و حافظ پڑھاتے ہیں۔ ان کو زکوٰۃ کی مد سے اجرت دے سکتے ہیں، یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ غریب اور مسکین ہو تو دے سکتے ہیں، مگر اجرت میں نہیں دے سکتے (جلد ۱۴ ص۱۸۰ اہلحدیث) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۶

سوال:۔ مدِ زکوٰۃ سے مدرسہ میں مدرسین و طلباء کو چندہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ غریب طلباء کے وظائف دے سکتے ہیں، مدرسین کی تنخواہ میں نہیں دے

سکتے، کیونکہ وہ معاوضہ ہے، مختصر یہ کہ غربا پر خرچ کر سکتے ہیں، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار

(اہلحدیث جلد ۱۴ ء ۱۸) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۶۶

سوال:۔ ایک امیر اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کر رہا تھا، سیمنٹ کی ضرورت تھی، زید نے کہا مجھے آپ رقم دے دیجئے، زید نے امیر سے رقم لے کر عمر کو دے دی، عمر نے وعدہ کیا کہ میں دو ہفتہ میں سیمنٹ مہیا کر دوں گا، اب دو ماہ گزر چکے ہیں، عمر غائب ہے، امیر مذکور زید سے رقم کا مطالبہ کرتا ہے، زید غریب ہے، ایسی صورت میں امیر مصرف زکوٰۃ میں یہ رقم شمار کر سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ مقروض سے قرض ادا نہ ہو سکے تو اس کے قرضے کو زکوٰۃ میں مجرا کر لینا جائز ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے، اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث ۲۰ اکتوبر ۴۲ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۲

سوال:۔ ایک شخص نے مسجد کی زمین دبالی ہے، زمین کی واپسی کے لئے مقدمہ دائر کر دیا ہے، اس مقدمہ پر زکوٰۃ یا چرم قربانی سے خرچ کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب:۔ چرم قربانی اور زکوٰۃ و خیرات مساکین کا حق ہے، مقدمہ بازی کے لئے چندہ علیحدہ ہونا چاہیئے۔ (اہل حدیث ۲۲ نومبر ۴۶ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۲)

سوال:۔ مسجد کا کنواں کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے بنوا سکتا ہے؟

جواب:۔ مصارف زکوٰۃ میں ایک لفظ فی سبیل اللہ ہے، اس کی تفسیر جمہور مفسرین خاص ضروریات جہاد کرتے ہیں، مگر بعض کے نزدیک اس لفظ کے معنی میں کل نیک کام داخل ہیں اس بناء پر بعض علماء مال زکوٰۃ کو مسجد وغیرہ مقامات میں بھی صرف کرنا جائز جانتے ہیں، خاکسار بھی اس قول کو صحیح جانتا ہے، پس صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کے مال سے کنواں بنوانا جائز ہے، العلم عند اللہ

(۲ محرم ۳۶ ھجری) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۹

سوال:۔ جس مدرسہ یا مسجد کے اخراجات زکوٰۃ سے چلیں صاحب زکوٰۃ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مذہب مذکورہ میں مالدار بھی اس مدرسہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،

(۲۵ رجب المرجب ۴۴ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۹

سوال:۔ زکوٰۃ اور صدقات کا بڑا حصہ تبلیغ اسلام پر خرچ کیا جائے؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی آیا ہے، اس لفظ کی تفسیر میں عام طور پر مفسرین نے جہاد مراد لیا ہے، اگر اس سے عام کا اثر مراد لیا جائے، تو تبلیغ الاسلام میں بھی زکوٰۃ خرچ ہو سکتی ہے، (۷ شوال ۴۳ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۷۹

سوال:۔ اگر کسی مدرسہ میں کوئی معلم ہو اور مدرسہ والے اس کو زکوٰۃ میں سے تنخواہ دیں تو یہ جائز ہے یا ناجائز کیا دینے والی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

جواب:۔ زکوٰۃ کی مد اہل مدرسہ کو الگ رکھنا چاہیئے، تاکہ زکوٰۃ کی مد سے سید کو تنخواہ نہ ملے، کیونکہ سید کے لئے زکوٰۃ کا عامل بننا درست نہیں، چنانچہ ابورافع کو جو آپ کا آزاد کردہ تھا آپ نے منع فرما دیا، ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب لاتحل لہ الصدقات ص ۱۵۳، اور درس و تدریس بھی تقریباً اسی حکم میں ہے، اس لئے احتیاط چاہیئے،

سوال:۔ کیا مسجد کا لاؤڈ سپیکر زکوٰۃ کے مال سے خریدنا درست ہے؟

جواب:۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مال سے لاؤڈ سپیکر خریدنا جائز نہیں۔

(الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۶)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علماء دین کہ زکوٰۃ کا روپیہ مسجد پر صرف کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کا روپیہ مسجد پر صرف نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مسجد کو امیر و فقیر ہر ایک استعمال کرتا جاتا ہے جن میں غازی ہے مصلیٰ داخل نہیں، (نام مفتی)

(الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۶)

سوال:۔ کیا امام مسجد کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے؟

جواب:۔ امام مسجد کو زکوٰۃ کا روپیہ بطور تنخواہ نہیں دیا جا سکتا، اگر بطور مستحق اس کو دیا جائے تو جائز ہے، (الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۶)

سوال:۔ پاکستان میں جو دینی مدارس قائم ہیں، اُن کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے، شرع کی رو سے وہ جائز ہے؟

جواب:۔ دینی مدارس میں مستحق طلباء کے لئے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے،

(الاعتصام جلد نمبر ۲۰ شمارہ ۲۶)

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کا مال تبلیغ اسلام پر خرچ ہو سکتا ہے؟

حضرت حافظ صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حسب ذیل سوالات کا مفصل جواب مطلوب ہے۔

۱:۔ آجکل اشاعتِ اسلام کا ایک طریقہ تبلیغی جلسے بھی ہیں، ان میں ودیگر انتظامات کے علاوہ جو علماء کرام مدعو ہوتے ہیں، ان کو سفر خرچ وغیرہ بھی دیا جاتا ہے۔

۲:۔ اسلامی مدارس میں خرید کتب ودیگر سامان۔

۳:۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کی امداد بذریعہ کتب وخوراک وغیرہ۔

۴:۔ جو انجمن مدارسِ دینیہ کے ذریعے اسلامی تعلیم و تبلیغ کا انتظام کرتی ہو۔

کیا ان مقامات پر زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے، قرآن مجید میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں فی سبیل اللہ کا لفظ آیا ہے، کیا مذکورہ بالا شقیں اس میں شامل ہیں؟ (حافظ عبدالحق بہاولپوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الجواب بعون الوہاب:۔ بعض کہتے ہیں "فی سبیل اللہ" کا لفظ عام ہے، کوئی کارِ خیر ہو اس میں خرچ کر سکتے ہیں، تفسیر فتح البیان جلد ۴ ص۲۴۴ میں ہے

وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتٰی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک والاول۔ دلی لاجماع الجمھور علیہ۔

یعنی کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے، اس کو ایک قسم پر بند کرنا جائز نہیں، اور اس میں تمام کارِ خیر داخل ہیں، جیسے مردوں کو کفن دینا، پل بنانا، قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ اور پہلی صورت (جہاد مع حج مراد ہونا بہتر ہے) کیوں کہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

تفسیر خازن جلد ۲ ص۲۵۴ میں ہے:۔ وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصره علی الغزاة فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل الله الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتیٰ وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغیره ذالک قال لان قوله وفی سبیل الله عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیره والقول الاول هو الصحیح لاجماع الجمهور علیه۔

یعنی بعض نے کہا ہے کہ لفظ عام ہے، پس اس کو غازیوں پر بند کرنا جائز نہیں، اس لیے بعض فقہاء نے سبیل اللہ کا حصہ ہر کار خیر میں صرف کرنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً مردوں کو کفن دینا، پل بنانا، قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ۔ انہوں نے یعنی بعض فقہا دنے، کہا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے ایک قسم کے ساتھ قید نہیں ہوگا، اور پہلا قول صحیح ہے، کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص۶۴ میں ہے:۔ واعلم ان ظاهر اللفظ فی قوله وفی سبیل الله لا یوجب القصر علی کل الغزاة فلهذا المعنی نقل القفال فی تفسیره عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتے وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله وفی سبیل الله عام۔

یعنی اس بات کو جان لے کہ لفظ فی سبیل اللہ کا ظاہر عام ہے، غازیوں پر بند کرنیوالے کو واجب نہیں کرتا، اسی وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے تمام امور خیر میں صدقات کا صرف کرنا جائز رکھا ہے، جیسے مردوں کو کفنانا قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں، اگر اس پر کوئی عمل کرے، تو اس پر اعتراض تو نہیں ہوسکتا مگر چونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے، اس کو ایسی طرز پر ادا نہ کرنا چاہیئے، کہ جس میں تردد ہے۔

دیکھیئے نماز میں جب شک ہو جاتا ہے، کہ ایک رکعت پڑھی ہے، یا دو، تو حکم ہے کہ

ایک اور رکعت پڑھے، تاکہ شک نکل جائے، پس زکوٰۃ بھی قرآن میں نماز کے ساتھ ذکر ہوئی ہے، اس لئے اس میں احتیاط ہونی چاہیئے، پس بہتر ہے، کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا جائے، یا حج عمرہ کیونکہ جہاد تو بالاتفاق مراد ہے، اور حج عمرہ حدیث نے داخل کر دیا۔ باقی کے داخل ہونے میں شبہ ہے، لفظ اگرچہ عام ہے، مگر جیسا عام ہے، ویسا رکھا جائے، تو پھر فقراء و مساکین وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، حالانکہ اس آیت میں فقراء و مساکین وغیرہ کا الگ ذکر کیا ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے، کہ اس سے مراد خاص ہے، اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہو سکتا، اور دلیل یا تو آیت ہے، یا اتفاقِ مفسرین ہے، جیسا کہ جہاد کے مراد ہونے پر اتفاق ہے، یا حدیث اور تفسیر صحابہ رضی ہے، جیسا حج عمرہ مراد ہونے پر ہے، باقی کی بابت کوئی دلیل نہیں اور جہاد جیسا تلوار سے ہوتا ہے، ویسا ہی زبان سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:۔

فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذلک حبۃ خردل من الایمان رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۹)

یعنی جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے، وہ مومن ہے، اور جو دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے، وہ مومن ہے، اور اس کے ورے رائی برابر بھی ایمان نہیں۔

پس اس میں مناظرے اور اشاعتِ اسلام پر خرچ کرنا داخل ہو گیا، لیکن اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ ایسی اشیاء پر صرف نہ کرے جو وقف ہو جیسے مدرسے کی عمارت خرید کتب وغیرہ چونکہ اس سے پھر وہی صورت پیدا ہو جائے گی جس میں اختلاف ہے، جیسے مسجدوں اور قلعوں کا تعمیر کرنا حالانکہ قلعے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے اور اس سے حفاظت کرنے کے لئے بنائے جاتے ہیں، اور مسجدیں نماز اور تعلیم و تعلم کے لئے ہوتی ہے، خاص کر قرآن و حدیث کا پڑھنا پڑھانا عین اشاعتِ اسلام ہے، مگر پھر بھی جمہور اور مفسرین اس کے خلاف ہیں، اس لئے زکوٰۃ کا مال مدارس کی بنا پر اور خرید کتب وغیرہ پر صرف ہونے میں ذرا شبہ ہے، اس میں احتیاط چاہیئے، ہاں زکوٰۃ کی مد سے طلباء کی خوراک کا انتظام ہو، یا ویسے ہی ان کی امداد کی جائے، وہ اس سے کتب خریدیں یا کسی اور ضرورت میں خرچ کریں، تو بہت اچھا ہے،

اسی طرح مدرسین کی تنخواہیں اور مناظرین اور مبلغین کا سفر کرایہ اور دیگر ضروری اخراجات جیسے لاؤڈ سپیکر کا کرایہ، اور مبلغین کا سفر خرچ اور زائد خدمت زکوٰۃ سے ہو سکتے ہیں،

سائبانوں کا کرایہ اور جلسہ گاہ کے دیگر اخراجات زکوٰۃ سے نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ اوقاف کے حکم میں ہیں، اس سے غریب اور امیر فائدہ اٹھاتے ہیں، اور لاؤڈ سپیکر کا کرایہ چونکہ مبلغین کی آواز میں شامل ہے۔ اس بنا پر درحقیقت یہ مبلغ کی آواز ہے، جو وعظ میں شامل ہے، اس کا کرایہ زکوٰۃ سے ہو سکتا ہے، لیکن لاؤڈ سپیکر زکوٰۃ کی مد سے خرید کر وقف نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں عام استعمال کی گنجائش ہے، اور جھنڈیاں وغیرہ بھی ایک زائد خرچ ہے، یہ بھی زکوٰۃ کی مد سے نہ ہونا چاہیئے، اور مبلغین کا کھانا زکوٰۃ کی مد سے ہو سکتا ہے، لیکن اگر غنی ہو تو اس کو بچنا بہتر ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ اس طرف گئے ہیں، کہ جنگ میں وہی شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے، جس کے پاس خرچ نہ ہو، پس جنگ میں غنی کی بابت اختلاف ہوا۔ تو تعلیم و تعلّم کا معاملہ تو اس سے بہت نازک ہے، کیونکہ فی سبیل اللہ سے اصل مراد تو جنگ ہے، اور حدیث کی تصریح نے حج عمرہ کو بھی اس میں داخل کر دیا ہے۔ اور تعلیم و تعلّم مناظرہ وغیرہ کی بابت تصریح نہیں آئی۔ صرف ایک قسم جہاد ہونے کی وجہ سے داخل کیا گیا ہے، اس لئے اس میں احتیاط برتنا چاہیئے، اور غنی کو پرہیز رکھنا چاہیئے، اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے،

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (الآیۃ)

اس آیت سے پہلے صدقات کا ذکر ہے، پھر فرمایا، یہ صدقات اُن فقیروں کے لئے ہیں، جو اللہ کے راستے میں بند ہیں، زمین میں سفر نہیں کر سکتے، کیوں کہ سفر کرنے سے دین کا کام بند ہو جاتا ہے۔

نوٹ: یہ جتنے اخراجات ہیں، ایک بیت المال کی صورت میں ہونے چاہئیں جو مقامی لوگوں کی قید سے آزاد ہو، کیونکہ اگر زکوٰۃ دینے والے خود ہی ان کاموں میں زکوٰۃ صرف کریں تو ایسا ہو جائے گا، جیسے لوگ خود اپنے بچے پڑھانے کے لئے زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دار معلم رکھ کر بچے پڑھائیں، اگرچہ ان میں غریبوں کے بچے ہی پڑھتے ہوں، یا دوسری

جگہ کے نیچے آجاتے ہوں، لیکن اوّل نمبر فائدہ مقامی لوگ اٹھاتے ہیں، اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ رہتا ہے، بہتر صورت یہی ہے، کہ زکوٰۃ مرکز میں بھیجیں، اور مرکز سب انتظامات کرے،

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

(تنظیم اہل حدیث لاہور ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۳ء جلد ۱۶ شمارہ ۱۶)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کے پاس مکان رہنے کا نہیں ہے، یا کپڑا پہننے کو نہیں ہے، یا کبھی کبھی اس کے پاس روزمرہ کا کھانا نہ رہتا ہو، یا جس کے پاس یہ سب چیزیں موجود ہوں، مگر قرض اس کے ذمہ زیادہ ہو تو ان سب صورتوں میں وہ زکوٰۃ لینے کے قابل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ان سب صورتوں میں اس کو زکوٰۃ لینا درست ہے،

واللہ اعلم بالصواب

حررہ سید شریف حسین

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۵۰۴)

سوال:۔ در باب جواز اخذ زکوٰۃ و صدقات اہل بیت را اگر حدیثے دریں باب آمدہ باشد عنایت فرمایندہ؟

جواب:۔ واضح باد کہ در باب جواز اخذ زکوٰۃ اہل بیت کدامی حدیث صحیح یا ضعیف نیامدہ بلکہ از احادیث صحیحہ و اقوال محدثین ممانعت معلوم مے شود آرے فقہاء حنفیہ در جواز اخذ زکوٰۃ اہل بیت را دریں زماں روا داشتہ اند و گفتہ اند کہ دراں زمان بوجہ مقرر شدن از خمس حاجت اخذ زکوٰۃ نبود و برابل بیت زکوٰۃ حرام بود و دریں زمان کہ خمس کجا است اگر گیرند روا باشد و ایں قول صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ است و دیگر ائمہ ثلاثہ حرام مے گویند چنانچہ از احادیث ثابت مے شود۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید عبدالحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ فی الواقع کوئی حدیث صحیح یا ضعیف ایسی نہیں آئی ہے، جس سے

اہل بیت کے لئے اخذ زکوٰۃ کا جواز ثابت ہو، بلکہ احادیث سے صاف صاف یہی ثابت ہے کہ اہل بیت پہ زکوٰۃ حرام ہے، اور علامہ ابو طالب اور ابن قدامہ اور ابن رسلان نے اس حرمت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، یعنی یہ کہا ہے کہ تمام علما کے نزدیک بالاتفاق اہل بیت پر زکوٰۃ حرام ہے، سبل السلام میں ہے۔

”وکذا ادعی الاجماع علیٰ حرمتہا علیٰ آلہٖ ابو طالب وابن قدامہ“، اور نیل الاوطار میں ہے،۔

”وکذا حکی الاجماع ابن رسلان۔“

مگر ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اس زمانہ میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا، اور ان کو لینا جائز ہے، اور اسی روایت کی بنا پر بعض متاخرین حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے، کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا درست ہے، لیکن ابو عصمہ کی روایت احادیث صحیحہ کے صریح خلاف ہے، ایک نہیں بہت سی حدیثیں اس روایت کو رد کرتی ہیں، اور عند الحنفیہ بھی اس روایت پر فتویٰ نہیں ہے، کیونکہ یہ روایت ظاہر المذہب اور ظاہر الروایات کے خلاف ہے، رسائل الارکان میں ہے،

ولا یجوز صرف الزکوٰۃ الی بنی ہاشم لما رویٰ عن ابی ہریرۃ قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمرۃ الصدقات فجعلہا فی فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ ارم بہا اما علمت انا لا تحل لنا الصدقۃ رواہ الشیخان وفی الباب احادیث کثیرۃ لا تعد ان یدعی تواتر معنا ہاد فی فتح القدیر رویٰ ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی ہذا الزمان صرف الزکوٰۃ الی بنی ہاشم دان کان ممتنعاً فی ذالک الزمان لظہور شدۃ الحاجۃ فیہم ولا یعطیہم احد صلۃ وقد افتی بعض المتاخرین بہذہ الروایۃ وہذا کلہ خطاء وغلط لانہ مخالف للنصوص القاطعۃ انتہیٰ اور بحر الرائق میں ہے،۔

اطلق الحکم فی بنی ہاشم ولم یصرح بزمان ولا بشخص للاشارۃ الی رد روایۃ ابی عصمۃ عن الامام انہ یجوز الی بنی ہاشم فی زمانہ وللاشارۃ الی رد الروایۃ بان الہاشمی یجوز لہ ان یدفع زکوٰتہ الی مثلہ لان ظاہر الروایۃ اطلاق المنع انتہیٰ۔

الحاصل بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، کسی حدیث سے اس کا جواز ثابت نہیں یہی

مذہب امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد اور تمام ائمہ دین کا اور عند الحنفیہ بھی یہی مفتی یہ اور ظاہر المذہب اور ظاہر الروایت ہے، ہاں زکوٰۃ کے سوا نفل صدقات کی نسبت علماء کا اختلاف ہے، بعض اہل علم کے نزدیک نفلی صدقات بھی بنو ہاشم پر حرام ہیں، اور اکثر حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی علی القول الصحیح جائز ہے، سبل السلام میں ہے:۔

وقد ذہب طائفۃ الی تحریم صدقۃ النفل ایضًا علی الاول واخترنا ہ فی حواشی ضوء النہار لعموم الادلۃ ۔ اور نیل الاوطار میں ہے:۔

واما آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اکثر الحنفیۃ وہو المصحح عن الشافعیۃ والحنابلۃ انہا تجوز لہم صدقۃ التطوع دون الفرض قالوا لان المحرم علیہم انما ہو اوساخ الناس وذالک ہو الزکوٰۃ المفروضۃ لا صدقۃ التطوع وقال فی البحرانہ خصص صدقۃ التطوع القیاس علی الہبۃ والہدیۃ والوقف وقال ابو یوسف وابو العباس انہا تحرم علیہم کصدقۃ الفرض لان الدلیل لم یفصل انتہیٰ ۔

اور فتح الباری میں ہے، وثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصدقۃ اوساخ الناس کما رواہ مسلم ویوخذ من ہذا جواز التطوع دون الفرض انتہیٰ ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ، (فتاویٰ نذیریہ ص۴۸۷ جلد ۱)

سوال:۔ سادات مساکین کی خدمت گزاری کی مسلمانوں کو توفیق نہ ہو بجز زکوٰۃ سے امداد کرنے کے اور سادات کے لئے وسیلہ معاش موجود نہ ہو وہ اس بنا پر کہ خمس غنیمت ہمیں نہیں ملتا زکوٰۃ لینے کی ممانعت بنا مذکورہ سے تھی ہمیں زکوٰۃ لینی جائز ہے، اور انہیں احق خیال کر کے زکوٰۃ دی جائے، تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں، اگر ادا نہ ہوئی تو واپسی لازم ہے یا نہیں، اگر واپسی کا مقدور نہ ہو تو کیا جائے؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ سادات بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا ہمیشہ اور ہر زمانہ میں حرام ہے، احادیث صریحہ صحیحہ سے یہی ثابت ہے، اکثر ائمہ دین کا یہی مذہب ہے، عند الحنفیہ بھی یہی مفتی بہ ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت آئی ہے کہ اس زمانہ میں سادات بنی ہاشم کو زکوٰۃ لینا

جائز ہے، اور ایک روایت یہ بھی آئی ہے، کہ بنی ہاشم کو بنی ہاشم سے زکوٰۃ لینا جائز ہے، اور غیر بنی ہاشم سے جائز نہیں، مگر یہ دونوں روایتیں عند الحنفیہ نامعتبر و غیر مفتی بہ ہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ و نیز ظاہر المذہب اور ظاہر الروایت کے خلاف ہیں، دیکھو بحر الرائق و نہر الفائق و رسائل الارکان وغیرہ کتب معتبرہ حنفیہ، رہا سادات کا یہ خیال کہ "ہمیں زکوٰۃ لینے کی ممانعت اس بنا پر تھی، کہ ہمیں خمس مال غنیمت سے ملتا تھا، اور اب خمس نہیں ملتا ہے، تو اب ہمیں زکوٰۃ لینی جائز ہے" سو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہونے کی علت یہ نہیں ہے کہ انہیں غنیمت سے خمس الخمس ملتا تھا، بلکہ اس کی علت جو احادیث سے بصراحت ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ اوساخ الناس و غسالۃ الایدی ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصدقۃ لا ینبغی لال محمد انما ہی اوساخ الناس رواہ مسلم وقال لا یحل لکم اہل البیت من الصدقات شئی انما ہی غسالۃ الایدی وان لکم فی خمس الخمس ما یغنیکم رواہ الطبرانی۔

اور یہ علت مصرحہ و منصوصہ زکوٰۃ کی لازم الماہیۃ ہے جب اور جس وقت زکوٰۃ پائی جائے گی، اس کا اوساخ الناس اور غسالۃ الایدی ہونا ضروری اور لازم ہوگا، بناء علیہ سادات بنی ہاشم پر ہمیشہ اور ہر زمانہ میں زکوٰۃ کی حرمت ثابت ہوگی، اور اگر سادات پر زکوٰۃ کی حرمت کی علت تقرر خمس الخمس ہونا تسلیم کر لیا جائے، جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا ہے، تو اس تقدیر پر حرمت کی، دو مستقل علت ہوں گی، ایک زکوٰۃ کا اوساخ الناس و غسالۃ الایدی ہونا، اور دوسری تقرر خمس الخمس اور صرف ایک علت کے ارتفاع سے معلول کا ارتفاع نہیں ہوگا بلکہ جب تک ایک علت (اوساخ الناس) و غسالۃ الایدی ہونا) پائی جائے گی، تب تک معلول (سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ کا حرام ہونا) ضرور پایا جائے گا، اور یہ ایک علت ہر زمانہ میں پائی جائے گی، پس بنی ہاشم پر زکوٰۃ کی حرمت بھی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں پائی جائے گی، علامہ محمد بن اسماعیل سبل السلام میں لکھتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم کرم آلہ عن ان یکونوا محلاً للغسالۃ و شرفہم عنہا و ہذہ ہی العلۃ المنصوصۃ

وقد ورد التعليل عند ابی نعيم مرفوعاً بان لهم فی خمس الخمس ما يكفيهم ويغنيهم فهما علتان منصوصتان ولا يلزم من منعهم عن الخمس ان تحل لهم فان من منع الانسان عن ماله وحقه لا يكون منعه له محللا ما حرم عليه وقد بسطنا القول فی رسالة مستقلة انتهی۔

پس جب معلوم ہوا کہ سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے، اور وہ زکوٰۃ کے مصرف نہیں ہیں تو زکوٰۃ انہیں دینا جائز نہیں، اگر انہیں کوئی دانستہ دے گا، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور واپس لے لینا ضروری ہوگا ہے۔ اور اگر واپسی نہ ممکن ہو تو پھر سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے، اور لاعلمی کی وجہ سے دیا ہے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفاء اللہ عنہ، سید نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ص ۴۸۹ جلد ۱)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا مال کفار ومشرکین کو دینا جائز ہے، یا نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ یہاں آج کل بہت بڑی قحط سالی ہو رہی ہے، اور نرخ غلہ کا بہت گراں ہو گیا ہے، مخلوق نہایت درجہ پریشان حال ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جو قحط سالی ہوئی تھی۔ تو بیت المال میں سے کفار کو کچھ دیا گیا تھا، یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ زکوٰۃ کا مال کفار ومشرکین کو دینا جائز نہیں ہے، حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:۔

فَاَخْبِرْهُم اَنَّ اللّٰه قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم وترد علی فقرائهم الحديث رواه الشيخان اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

ان الزكوة لا تدفع الی الكافر لعود الضمير فی فقرائهم الی المسلمين الخ ہاں صدقہ تطوع کفار ومشرکین کو دینا جائز ہے، ہدایہ میں ہے:۔ ولا يجوز ان يدفع الزكوة الی ذمی لقوله عليه السلام لمعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خذها من اغنيائهم وردها فی فقرائهم ويدفع اليه ما سوی ذالك من الصدقة وقال الشافعی لا يدفع وهو رواية عن ابی يوسف رحمة اللہ عليه اعتبارا بالزكوة ولنا قوله عليه السلام

تصدقوا علی اہل الادیان کلہا ولولا حدیث معاذ لقلنا بالجواز فی الزکوٰۃ انتہی۔

حافظ ابن حجر درایۃ تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔ حدیث۔ تصدقوا علیٰ اہل الادیان کلہا ابن ابی شیبۃ من روایۃ سعید بن جبیر یرفعہ لاتصدقوا الاعلیٰ اہل دینکم فنزلت، لیس علیک ہداہم فقال تصدقوا علیٰ اہل الادیان ومن طریق محمد بن حنفیۃ نحوہ ولابن زنجویہ فی الاموال عن سعید بن المسیب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدق علیٰ اہل بیت من الیہود وہذہ مراسیل یشد بعضہا بعضاً انتہیٰ واللہ اعلم

حررہٗ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

(فتاویٰ نذیریہ ص ۴۹۵، ص ۴۹۶ جلد ۱) سید نذیر حسین

وقف جگہوں پر مال زکوٰۃ صرف کرنیکا بیان

مزکی را صرف نمودن مال زکوٰۃ در بناء مساجد و تعمیر سرائے و درستی چاہات وانہار و طرق و تکفین میت و اداء دیون میت جائز نیست زیرا آنکہ در زکوٰۃ تملیک ضروری ست و صور مذکورہ از قبیل اوقاف اند و حکم زکوٰۃ علاحدہ است از حکم اوقاف و تعریف زکوٰۃ اہل علم بایں نمودہ۔ ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ہاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ در مصارف مذکورۃ تملیک یافتہ نے شود پس صرف نمودن آن دریں مواضع نزدیک اہل علم ناجائز ست در شرح مختصر مقنع کہ از کتب معتبرہ حنابلہ ست نوشتہ۔

زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ کا مال مسجد بنانے اور سراؤں کی تعمیر اور کنوؤں اور نہروں اور رستوں کی درستی اور میّت کو تجہیز و تکفین اور میّت کے قرض ادا کرنے میں (خرچ کرنا) جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ زکوٰۃ میں (دوسرے کو) مالک بنانا ضروری ہے، اور مصارف مذکورہ وقف کی قسم سے ہیں، اور زکوٰۃ کا حکم وقف کے حکم سے علیحدہ ہے، زکوٰۃ کی تعریف اہل علم نے اس طور پر کی ہے، کہ وہ اپنے مال کی جز جو شارع نے مقرر کیا غیر کی ملک میں کرنا ہے نہ ہاشمی ہو، اور نہ ان کا غلام آزاد کردہ ہو، اور جس کو مالک بنایا ہو، اس سے بالکل قطع منفعت ہو، اور ہر وجہ سے اللہ ہی کے لئے ہو، پس مال زکوٰۃ کو ان جگہوں

میں صرف کرنا اہل علم کے نزدیک ناجائز ہے، اور شرح مختصر مقنع میں جو حنبلیوں کی معتبر کتابوں سے ہے، لکھا ہے، کہ:۔

لا یجوز صرفہا الی غیرہم من بناء المساجد و القناطیر و سد البثوق و تکفین الموتی و وقف المصاحف و غیرہا من جہات الخیر و در کتب حنفیہ مانند شرح وقایہ و ہدایہ و تنویر الابصار و در مختار و غیرہ کتب فقہیہ بصراحت تمام صرف زکوٰۃ را دریں مواضع منع نوشتہ لا الی بناء مسجد و کفن میت و قضاء دینہ و در عمدہ حاشیہ شرح وقایہ نوشتہ لا یجوز صرف الزکوٰۃ الی ما لیس فیہ تملیک لاحد کبناء المساجد و بناء الرباطات و القناطیر و کری الانہار و نحو ذلک و کذا الی تکفین میت و تجہیزہ و تدفینہ لعدم التملیک فان المیت لا یملک و کذا الی قضاء دین المیت صاحب رحمۃ الامۃ فی اختلاف الایمۃ این مسئلہ را از مسائل متفقہ بین الایمۃ نوشتہ و اتفقوا علی منع الاخراج لبناء المساجد او تکفین میت انتہیٰ واللہ اعلم۔

زکوٰۃ کا مال سوائے ان کے اور جگہ صرف کرنا جائز نہیں جیسے، بنانے مسجدوں اور پلوں میں اور مردوں کے تجہیز و تکفین میں اور مصحفوں کے وقف کرنے میں اور مثل ان کی امور خیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

تعمیرات مساجد اور کفن میت اور میت کے قرض ادا کرنے میں بھی منع لکھا ہے، اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ مال زکوٰۃ کو اس میں کہ جس میں کسی کی ملک بنانا نہیں ہے، صرف کرنا، منع ہے، جیسے بنانا مسجدوں کا اور سراؤں کا اور پلوں کا اور کھودنا نہروں کا اور مانند اس کی (جو ہو) اور ایسا ہی میت کی تجہیز و تکفین و تدفین میں بھی خرچ کرنا منع ہے، کیونکہ ان صورتوں میں ملک بنانا نہیں ہے، اور میت ان کا مالک نہیں ہوتا، اور ایسے ہی میت کے قرض ادا کرنے میں صرف کرنا منع ہے، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ والے نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف نہیں۔

تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ تعمیر مسجد اور تجہیز و تکفین میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا منع ہے، واللہ

(حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما)

(فتاویٰ غزنویہ ص ۱۱۲ جلد ۱)

توضیح:۔ اس فتویٰ کی بنیاد صرف اقوال الرجال پر ہے، نصوص قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ فقہائے کرام نے آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ میں لام تملیک کے لیے مراد لیا ہے، وہ بے سند اور بے دلیل ہے، کیونکہ لام بائیس ۲۲ معنی کے لئے آتا ہے، جیساکہ کتب نحوی میں با امثلہ مذکور ہے، لام استحقاق کے لئے بھی آتا ہے، اختصاص اور بیان کے لئے بھی آتا ہے، لہٰذا یہ لام مشترک المعنی ہوا جیساکہ اصول فقہ میں مذکور ہے، اور لفظ مشترک المعنی کو بلا دلیل معین کرنا جائز نہیں، اور لام تملیک کے لئے مراد اس حدیث کے بھی خلاف ہے، اما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ، خالد سے زکوٰۃ کا مطالبہ کر کے تم نے ظلم کیا اس نے تو تمام مال اور زار لڑائی کی صورت میں فی سبیل اللہ وقف کر رکھا ہے، لہٰذا آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ میں لام بیان کے لئے ہے نہ تملیک کے لئے جیساکہ مولانا احمد اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری شرح صحیح البخاری سے نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، وفیہ مصیر منہ الی ان اللام فی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک (فتح الباری ص۲۳۱) اس آیت میں آٹھ مصارف کا ذکر ہے، جن میں فی سبیل اللہ بھی ہے، جو عام ہے، اشیاء موقوفہ اور غیر موقوفہ سب کو شامل ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

(علی محمد سعیدی خانیوال)

سوال:۔ زید ایک غریب آدمی کے نام جو مستحق بھی ہے، زکوٰۃ کے روپیہ سے تبلیغی اخبار جاری کرانا چاہتا ہے، کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟

جواب:۔ ہاں اگر وہ غریب اس کا خواہش مند ہو تو کر سکتا ہے، ورنہ جس چیز کی اسے ضرورت ہوگی، وہی دینا افضل اور اولیٰ ہوگی۔　(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۷)

سوال:۔ گاؤں کے مسکین کو کچھ تقسیم کر کے ہزاروں مسکینوں کو بانٹنے سے زیادہ ثواب ملے گا، اور کم تعداد مسکینوں کو دینے سے ثواب کم ہوگا، یہ خیال صحیح ہے کہ نہیں؟

جواب:۔ نہیں کیوں کہ حدیث میں طعمۃ للمساکین مطلق آیا ہے، اور قرآن میں انما الصدقات الخ مطلق ہے۔

(عبدالسلام بستوی دہلی) (اہلحدیث دہلی جلد ۳ شمارہ ۲۴ - ۱۳۷۳ھ)

سوال:۔ مسکین شخص کا از روئے قرآن وحدیث کس قدر مال ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ جو نصاب کا مالک ہے، یعنی باون روپے کا مالک یا اتنے مال کی ملکیت کا مالک ہے، وہ غنی جو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، اور جو نصاب سے کم کا مالک ہے وہ لے سکتا ہے، مگر سوال نہیں کر سکتا۔ (عبد السلام بستوی دہلی)

(الحدیث دہلی جلد ۳ شمارہ ۲۴ ۱۳۶۳ھ)

سوال:۔ یہاں ایک مولوی صاحب ہیں، جو فرماتے ہیں کہ جب تک زکوٰۃ کا کل مال مجھے نہ دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور جو میرے ہاتھ پر بیعت نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرے گا، کیا وہ اپنے ان دونوں دعووں میں یا کسی ایک میں سچے ہیں یا نہیں؟

جواب نمبر ۱:۔ از مولوی عبد الاحد صاحب الحدیث خانپوری شاگرد مولانا عبد اللہ غزنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ:۔ وہ مولوی صاحب اپنے دونوں دعوؤں میں خطا پر ہیں، ان کے یہ دونوں دعوے مردود ہیں، ان کو ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہ دیا جائے اور جو کوئی ان کو مصارف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے گا، اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کے صحیح مصارف خود اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں، ان پر صرف کرنا چاہیئے، یہ مولوی صاحب شاید خود غرض ہوں گے، نہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، نہ ان کو زکوٰۃ مال دو۔

فقط والسلام والحمد للہ رب العالمین۔

(کتبہ عبد الاحد خانپوری عفا اللہ عنہ تلمیذ مولانا نذیر حسین محدث دہلویؒ)

جواب نمبر ۲:۔ از مولوی عبد الواحد صاحب شاگرد مولانا عبد اللہ غزنوی امام مسجد الحدیث لاہور پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم: السلام علیکم: باین سطور دعویٰ کہ جس نے میرے ہاتھ پر بیعت نہ کی، وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جس نے مجھ کو زکوٰۃ نہ دی...... اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، یہ دعویٰ وہ کر سکتا ہے جو آسمانی آیات بینات کی شہادت سے نبی ورسول ہو، یا رسول خود کسی کو کہہ جائے، جیسے ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کو کہا تھا، یا وہ خود پسند اور متکبر ہو۔

ہم کو لوگ پیر علماء کہتے ہیں، والد صاحب مولانا عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت

سے آج تک لاہور امرتسر بلکہ پنجاب کے مرد و زن ہمارے ہاتھ پر بیعت کرتے رہتے ہیں، مگر معاذ اللہ یہ بڑھ چڑھ کر دعویٰ تو ہم میں سے کسی نے نہیں کیا، اور نہ کر سکتے ہیں،

والله اعلم بالصواب

(عبد الواحد غزنوی عفی عنہ، از لاہور)

جواب ۳:۔ از مولوی محمد ابراہیم صاحب اہلحدیث سیالکوٹ پنجاب۔

باسمہ السلام علیکم! مدعی کے دونوں دعوے باطل ہیں۔ زکوٰۃ انفرادا بھی جائز ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے وقت سے بلا نکیر جاری ہے۔

(واللہ اعلم عبدہ، ابراہیم سیالکوٹی)

جواب ۴:۔ از حافظ عبد اللہ صاحب فاضل امرتسری روپڑی پنجاب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ۱ زاد المعاد جلد دوم ص۴۶ میں ہے:۔

وقدم علیہ صلے اللہ علیہ وسلم وفد تجیب وھم من السکون ثلاثۃ عشر رجلا قد ساقوا معھم صدقات اموالھم التی فرض اللہ علیھم فسر رسول اللہ صلعم بھم واکرم منزلھم وقالوا یا رسول اللہ سقنا الیک حق اللہ فی اموالنا فقال رسول اللہ صلعم ردوھا فاقسموھا علے فقرائکم قالوا یا رسول اللہ ما قدمنا علیک الا بما فضل عن فقرائنا فقال ابوبکر رض یا رسول اللہ ما وفد من العرب بمثل ما وفد بہ ہذا الحی من تجیب فقال رسول اللہ صلعم ان الھدی بید اللہ عزوجل فمن اراد بہ خیرا شرح صدرہ للایمان انتہی۔

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے۔ کہ قوم تجیب کے قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اپنے ساتھ صدقات بھی لیتے آئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی عزت کی، اور فرمایا کہ ان صدقات کو اپنے فقیروں میں تقسیم کردو، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے فقیروں سے جو کچھ بچا ہے، وہی لائے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ دینے والا خود بخود ہی اپنی زکوٰۃ اپنے ہاں کے فقیروں پر تقسیم کر سکتا ہے امام کے ہاتھ میں دینا شرط نہیں، اور نہ اس کی اطلاع کی ضرورت ہے، اور نہ اجازت کی حاجت صدقہ فطر۔ زکوٰۃ امام کے بغیر ادا ہو جاتی ہے، جو وجود امام کو شرط کہتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

فقط۔ عبداللہ امرتسری

جواب ۵: ۔از مولوی عبدالغفور صاحب غزنوی اہلحدیث شاگرد مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ امرتسر پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ زکوٰۃ کا مصرف خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الآیہ ان کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے، ادائے زکوٰۃ کی جگہ صرف مصارف زکوٰۃ کافی ہے، مولوی صاحب کا یہ دعویٰ بے دلیل ہے،

فقط۔ عبدالغفور امرتسری غزنوی)

جواب ۶: ۔ از مولوی عبدالتواب صاحب اہلحدیث ملتان پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم السلام علیکم۔ اقول و باللہ احول وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

ہر دو دعویٰ مندرجہ سوال کا موقوف الیہ مسئلہ امامت ہے، اگر مدعی کی امامت صحیح ہو تو اس کے دونوں دعوے صحیح ہوں گے، والا فلا۔ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب میں شرائط امامت پائی نہیں جاتیں، پس یہ امام نہیں، اور نہ ہو سکتے ہیں، جب ایسا ہے تو اس کو زکوٰۃ کا متولی بنانا ضروری نہیں کہ بغیر اس کے زکوٰۃ ادا نہ ہو سکے، ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

محمد عبدالتواب تاب اللہ علیہ ملتان

جواب ۷: ۔از قاضی سلیمان صاحب اہلحدیث مجسٹریٹ درجہ اول ریاست پٹیالہ پنجاب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط السلام علیکم۔

مفروضہ مولوی صاحب کے ہر دو دعویٰ جات بلا دلیل ہیں، اور اس لئے ناقابل التفات ہیں،

احقر محمد سلیمان عفی عنہ،

جواب ۸: ۔ از مولوی عبدالرحمن صاحب مبارک پوری اہل حدیث اعظم گڑھ شاگرد

رشید حضرت مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط السلام علیکم!

میرے نزدیک مولوی صاحب مدعی امارت و امامت یہ دونوں دعویٰ ناقابل مقبول ہیں،

واللہ اعلم الراقم عبدالرحمٰن مبارک پوری عفی اللہ عنہ،

جواب ۹: از مولوی عبدالسلام صاحب اہل حدیث مبارک پور اعظم گڑھ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط السلام علیکم!

مولوی صاحب کے یہ دونوں دعویٰ غلط ہیں، اور وہ دونوں دعووں میں ایک میں بھی سچے نہیں، یہ دونوں باتیں امام وقت کو حاصل ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب امام وقت نہیں، کیوں کہ امامت یا تو اہل حل وعقد کی بیعت سے حاصل ہوتی ہے، یا تسلط سے اور یہ دونوں باتیں مولوی صاحب میں نہیں ہیں،

فقط عبدالسلام عفی عنہ،

جواب ۱۰: از مولوی محمد یوسف صاحب محمدی اہلحدیث، مدیر اہل الذکر فیض آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط وعلیکم السلام!

جو مستحق امامت نہ ہو اور مصارف زکوٰۃ میں خرچ نہ کرتا ہو، ایسے دکاندار صاحب کو اگر زکوٰۃ دیں گے تو ہرگز ادا نہ ہوگی، ورنہ ضرور ادا ہوگی، انشاء اللہ۔ نہ ایسے صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیئے،

محمد یوسف عفی عنہ، مدیر اہل الذکر فیض آباد تیر کاری بازار

جواب ۱۱: از مولوی ابوالقاسم صاحب اہلحدیث بن مولوی محمد سعید محدث بنارسی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وعلیکم السلام!

چونکہ سلطان اسلام ہند میں نہیں ہے، لہٰذا زکوٰۃ دینے والا خود مناسب موقع دیکھ کر مال زکوٰۃ خرچ کرے، یہ صورت زکوٰۃ سری کی ہوگی، جس کا بیان قرآن وحدیث میں موجود ہے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے، کان السلف یعطون زکوٰتہم للسعاۃ وکان من اخفاہا اتہم

بعدم الاخراج واما الیوم فصارکلو احد یخرج زکوٰتہ بنفسہ فصار اخفائہا افضل۔

واللہ اعلم کتبہٗ محمد ابوالقاسم البنارسی عفی اللہ عنہ،

جواب ۱۲:۔ از مولوی ابوطاہر صاحب اہلحدیث بہاری سابق مدرس اول مدرسہ آرہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط وعلیکم السلام!

یہ صورت اس وقت ہندوستان میں موجود نہیں ہے، کیونکہ امیر المومنین کو صاحب سلطنت اور حدود قائم کرنیوالا ہونا چاہیئے، اس لئے صاحب زکوٰۃ خود جہاں موقع مناسب سمجھے صرف کر سکتا ہے، کسی خاص شخص عام ازیں کہ مولوی ہو یا صوفی کے حوالہ نہیں کرنا چاہیئے، اور جو شخص خود امارت و خلافت کا دعویٰ کرے، اور بیعت نہ کرنے والے کو کہے کہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور مال زکوٰۃ مصارف زکوٰۃ میں خرچ نہ کرے، ہرگز ایسے شخص کی بیعت صحیح نہیں اور نہ مال زکوٰۃ اس کو دینا چاہیئے، کیونکہ ان کو بلا اجازت کسی سلطان امیر کے بیعت کی اجازت نہیں، تو زکوٰۃ بھی وصول کرنا قطعاً ناجائز و حرام ہے، حررہٗ ابوطاہر البہاری عفا اللہ عنہ،

جواب ۱۳: از مولوی ضیاء الدین صاحب امام مسجد اہل حدیث کلکتہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط وعلیکم السلام!

بشرط صحت سوال دونوں دعویٰ مولوی صاحب کے شریعت کے سراسر خلاف ہیں، ایسا دعویٰ کسی عالم ربانی کا نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب وفد آنے شروع ہوئے ان میں ایک وفد زکوٰۃ کا مال لیکر آپ کے پاس پہنچا، آپ نے فرمایا اس مال کو وہاں ہی اپنی جگہ مساکین پر تقسیم کرنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بعد تقسیم جو بچا ہے، وہ لائے ہیں، اس پر آپ نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ یہ مال مجھے کیوں نہ دیا، یا میری بغیر اجازت کے کیوں تقسیم کر دیا، اور نہ یہ فرمایا کہ تمہاری زکوٰۃ قبول نہیں ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو آپ امام الائمہ ہیں، مال زکوٰۃ لوگوں میں بغیر اجازت آپ کے اور بغیر آپ کے سپرد کرتے کے خود بخود تقسیم کر دیا، آپ نے اس پر کچھ نہ فرمایا ایک قسم کی تقریری سنت ہوگئی۔ پھر دوسرے کسی مولوی یا عالم کو کیا منصب ہے، جو ایسا کرے پس زکوٰۃ خود تقسیم کرنا جائز ہے، والسلام ضیاء الدین، کان اللہ لہٗ۔

جواب نمبر (۱۴):۔ از مولوی صدیق صاحب، اہل حدیث از شہر آگرہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط السلام علیکم!

سوال اوّل کا جواب زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، البتہ یہ مسئلہ ہے، اگر بادشاہ اہل اسلام حکم کرے کہ مال زکوٰۃ بیت المال میں داخل کرو، تو بادشاہ اہل اسلام کا حکم ماننا چاہیئے، زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بعض صحابہ اپنے مال کی زکوٰۃ خود بھی تقسیم کیا کرتے تھے، حضرت خفا نہیں ہوئے،

فقط محمد صدیق بقلم خود

جواب نمبر (۱۵):۔ از مولوی کبیر احمد خلف مولانا حمید اللہ صاحب مرحوم اہلحدیث سرادہ میرٹھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط حامداً و مصلیاً السلام علیکم! میرا یا کسی مولوی صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں امام وقت ہوں، اور مجھے امام مانو حدیث کے بالکل خلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ تم سرداری کی حرص کرو گے، اور یہ حرص یا خواہش تمہاری قیامت میں ندامت کا باعث ہو گی، دوسری روایت ہے کہ دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ ہم کو سردار بنا دیئے فرمایا! اللہ کی قسم ہم سرداری کی حرص والے کو اور سرداری مانگنے والوں کو سردار نہیں بنائیں گے، اور نہ ایسے شخص کو زکوٰۃ کی وصولی پہ عامل بنائیں گے، رواہ البخاری و مسلم۔ ایسے شخص کی ماتحتی میں نہیں رہنا چاہیئے، اور ایسے سردار بغیر زکوٰۃ برابر ادا ہو جاتی ہے، نہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اللہ اور رسول نے یہ شرط نہیں لگائی، کہ بغیر امام کے زکوٰۃ ادا نہ ہو۔

فقط والسلام کبیر احمد عفی عنہ

جواب نمبر (۱۶):۔ از مولانا خالد صاحب اہل حدیث بھوپال شہر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط السلام علیکم! مولوی صاحب ہو یا پیر صاحب یا حافظ صاحب زکوٰۃ مستحقین کا حق ہے، کل مال کسی کو نہیں دیا جا سکتا ہے، جو شخص مستحق ہو گا اس کو زکوٰۃ دی جائے گی، یہی طریقہ لوگوں نے کھانے کمانے کا اختیار کر لیا ہے، یہ بیعت کوئی لازمی ہے نہ حکم ہو سکتا ہے، صرف شہادتِ توحید اور رسالت کی پابندی، صوم و صلوٰۃ ادائے حج و زکوٰۃ احترازِ شرک و بدعت موجب نجات ہیں، نہ کسی مولوی یا پیر کی بیعت۔

فقط فقیر خالد بھوپال

جواب ۱۷:۔ از مولوی عبد الجلیل صاحب امام جامع مسجد اہلحدیث سامرود سورج

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط السلام علیکم !

صرف کسی مولوی کا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں، کہ کل زکوٰۃ کا ہی حق دار ہو جائے، زکوٰۃ کی ادا کرنے کے لئے امام کی شرطیں ہیں، دیکھو صدقۃ المرأۃ علی زوجہا و صدقۃ الرجل علی ابیہ زکوٰۃ خود ہی مستحقین کو دے سکتے ہیں، امامت امر مشورہ ہے، جو بالاتفاق اہل حل و عقد کے امام بنایا جا دے اس کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے، وہ متولی زکوٰۃ بھی ہے، امام کے جو اوصاف و شرائط شرعاً ہیں، اکلیل الکرامہ میں بالوجہ الاتم مبین ہیں، بلا ان وجوہات کے دعویٰ کرنا لغو ہے، اس طرح تو ہر کس و ناکس دعویٰ کر سکتا ہے، انصار رضی اللہ عنہ نے وہی تو کیا تھا، منا امیر و منکم امیر مگر امیر مشورہ سے ہی بنایا گیا تھا یا جو لائق امامت تھا، روضۃ الندیہ میں ہے، ولکن لا یخفی ان مجموع ہذہ الادلۃ وان افاد ان للائمۃ والسلاطین المطالبۃ بالزکوٰۃ وقبضہا ووجوب الدفع الیہم عند طلبہم لہا فلیس فیہا ما یدل علی ان رب المال اذا صرفہا فی مصرفہا قبل ان یطالبہ الامام تبلیمہا لا تجزئہ ولا یجوز انہ ذلک ہذا ما عندی واللہ اعلم۔

(الروضۃ الندیۃ جلد اول ص ۲۰۲)

جواب ۱۸:۔ از مولوی محمد طاہر صاحب شاگرد مولانا نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط السلام علیکم و علیکم السلام۔

اموال زکوٰۃ خلیفۃ المسلمین کے ذریعے سے ادا ہوا کرتے تھے، عہد نبوت و عہد خلافت میں اور بیعت بھی امام المسلمین کے ہاتھ میں ہوتی تھی، اگر یہ مدعی مولوی صاحب موصوف بایں صفات یعنی نبوت بہ خلافت ہوں تو مستحق ہیں، اگر ایسا نہیں ہے، تو مطلقاً مستحق نہیں۔

حررہٗ محمد طاہر عفی عنہ

جواب ۱۹:۔ از مولوی محمد داؤد صاحب اہل حدیث بن مولانا عبد الجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط السلام علیکم !

مدعی مذکور سوال کے ہر دو دعویٰ ناجائز ہیں، اور جہاں تک مجھے علم ہے، کہ وہاں کوئی شخص ایسا نہیں جس کو مسلمانوں کے ارباب حل و عقد نے امارات کے لئے منتخب کیا ہو یا وہ خود

اپنے غلبہ اور فوجی اقتدار سے امیر بن گیا ہو، اس لئے مدعی مذکورہ سوال کے دونوں دعوے نہ صرف غلط بلکہ مجنونانہ حرکت ہے، فقط ابوعمر محمد داؤد غزنوی امرتسری

جواب نمبر ۲۰:۔ از مولوی ثناء اللہ صاحب اہل حدیث امرتسر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط السلام علیکم!

آپ اس بارہ میں رسالہ مصارف زکوٰۃ جو نہایت مفید ہے، پتہ ذیل سے طلب کریں، مولوی عبدالحکیم صاحب نصیرآباد مدرسہ حقانی ضلع اجمیر۔ ثناء اللہ امرتسر۔

یہ رسالہ مصارف زکوٰۃ باہتمام مولوی ثناء اللہ صاحب ۱۳۴۷ھ میں بمقام امرتسر طبع ہوا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے، مال دار کو اپنے مال کے خرچ کرنے کا پورا اختیار ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے، حتیٰ یکثر المال ویفیض حتیٰ یخرج الرجل بالزکوٰۃ فلم یجد احد یقبلہا۔ رواہ المسلم۔ ایماندار لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ تلاش کر کر دیں گے، تو بعض اوقات کثرت مال کی وجہ سے اس کو کوئی قبول نہ کرے گا، مسلم کی اس حدیث شریف سے صاف واضح ہو گیا، کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا حاکم وقت کے ہاتھ سے کوئی ضرورت کی بات نہیں، بلکہ صاحب زکوٰۃ کو اختیار ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں خود خرچ کرے، اگر ایسا اختیار نہ ہوتا تو آپ کیوں فرماتے کہ میرے بعد مسلمان لوگ زکوٰۃ سے خرچ کرنے کو نکلیں گے، تو ان کو کوئی لینے والا نہیں ملے گا، اگر امام کے پاس ہی زکوٰۃ جمع کرنے کا حکم ہوتا تو امام یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب بیت المال میں پیسہ کی ضرورت نہیں ہے، بیت المال میں پیسہ کی ضرورت نہیں ہے، بیت المال میں اگر کروڑوں روپیہ جمع ہوتا ہے، تاہم والی بیت المال رد نہیں کر سکتا۔

پس معلوم ہوا کہ مال دار لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ خیرات خود ادا کریں، اور جو لوگ دس بیس پچاس ملا کر یہ بات بناتے ہیں، کہ ہم نے فلاں مولوی صاحب کو امام مقرر کر لیا ہے، اس کو زکوٰۃ دینی چاہیئے، یہ تمام دھوکہ اور جعل سازی لوگوں کے حق برباد کرنے کے واسطے کی جاتی ہے، ایسوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں کیونکہ یہ فریب سے مسکینوں کے حق مارتے ہیں، اور پیٹ کو بھرتے ہیں، یا ایسی جگہ دیتے ہیں، جو کہ حق دار نہیں ہے، یہ سراسر حدیث کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

ایک شخص قبیلہ تمیم داری سے آیا اور کہا!

فقال یارسول اللہ انی ذومال کثیر و ذو اھل وولد وحاضرۃ فاخبرنی کیف انفق و کیف اضع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخرج الزکوٰۃ من مالک فانہا طھرۃ تطھرک وتصل اقرباءک وتعرف حق السائل وبن السبیل۔ الحدیث رواہ احمد فی مسندہ۔

یارسول اللہ میں بہت مال دار ہوں، اولاد والا ہوں بانی اور بیٹوں والا ہوں، پس خبر دیں مجھ کو کس طرح خرچ کروں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تے نکالے تو زکوٰۃ مال اپنے کی، اور دے تو قرابتداروں اور سائلوں اور ہمسایہ اور مسکینوں کو۔

اس حدیث شریف سے واضح ہوا کہ صاحب مال اپنے مال کی زکوٰۃ قرابتداروں وغیرہ میں خود خرچ کر سکتا ہے، مگر آج کل لوگوں نے یہ بات بنا رکھی ہے کہ دس بیس مل کر ایک کو امام بنا لیتے ہیں اور پھر لوگوں کو کہتے پھرتے ہیں، کہ زکوٰۃ کا مال امام کو دینا چاہیئے، جو شخص امام کو زکوٰۃ نہ دے گا، اس کی زکوٰۃ قبول نہ ہوگی بیچارے مسلمان بوجہ ڈر کے کہ کبھی قبول نہ ہو، مولوی صاحب کے کہنے پر اعتبار کر کے اپنے محتاج قرابت دار وغیرہ چھوڑ کر یہ زکوٰۃ امام صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں، وہ خوب زکوٰۃ کے مال سے مزے اڑاتے اور چین سے کھاتے پیتے ہیں، جیسا کہ پیرزادے لوٹ لوٹ کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں، ویسے ہی یہ لوگ پیدا ہو گئے کہ امامت کے بہانے سے لوگوں کے مال جمع کر کے کھاتے ہیں، الغرض کہ ہر طرح حیلہ سازی نکال رکھی ہے،

ہم بارہا لکھ چکے ہیں، کہ اس حکومت انگریزی میں نہ ایسا امام ہے، اور نہ اس کا خلیفہ و نائب ہے، کہ جس کو زکوٰۃ فرض ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ہر قسم کی خیرات زکوٰۃ صدقہ وغیرہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کرنا چاہیئے، جیسا کہ اللہ رسول کا حکم ہے، واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم

خلاصہ ان جوابات کا یہ ہوا کہ مولوی صاحب کے یہ دونوں دعوے درست نہیں، کیونکہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ باب باندھا ہے، باب الزکوٰۃ علی الاقارب باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر یعنی مال زکوٰۃ اپنے قرابت داروں اور خاوند اور ان یتیموں پر خرچ کرنا جو اس کی پرورش میں ہیں جائز و درست ہے۔ ابو مسعود کی عورت آپ سے خرچ کرنے کا محل دریافت کرتی ہے،

کہ میں اپنے خاوند وغیرہ پر خرچ کر سکتی ہوں، آپ نے فرمایا تجھ کو دوسرا اجر ہے، بے شک خرچ کر یہ نہیں کہ بھتیجوں کو دے دے گا، البتہ ایسا ہوتا تو کچھ بات بنتی، مگر ایسا نہیں ہوا،

بخاری میں ہے، یعطی فی الحج وان اشتری اباہ من الزکوٰۃ جائز یعنی حج ادا کرنا اور اپنے غلام باپ کو مالِ زکوٰۃ سے خریدنا جائز ہے، بخاری شریف کی ان احادیث سے صاف معلوم ہوا، اور ثابت ہو گیا، کہ صاحب مال اپنی زکوٰۃ خود بخود مستحقوں پر خرچ کر سکتا ہے، اور بس

ماخوذ از رسالہ مسئلہ ادائے زکوٰۃ

مرتب: مولانا مولوی احمد بن محمد دہلی صدر بازار ۱۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

سوال: حقیقی بہن بھائی غریب ہوں، تو وہ زکوٰۃ کے حق دار ہیں یا نہیں؟ نیز والدین اپنی اولاد یا اولاد اپنے والدین کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؟

جواب: حقیقی بہن بھائی غریب ہوں تو ان کو زکوٰۃ لگ سکتی ہے، بلکہ امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے کہ محتاج ہونے کی صورت میں بیٹے کو بھی زکوٰۃ لگ سکتی ہے، اور اس کے متعلق حدیث لائے ہیں، جس میں ذکر ہے کہ ایک شخص نے کسی مسکین کو دینے کے لئے مسجد نبوی میں صدقہ رکھا اتفاقاً اس کے بیٹے نے آکر اٹھا لیا۔ باپ کو پتہ لگا تو کہا میں نے تجھے دینے کا ارادہ نہیں کیا، معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے باپ کو فرمایا تیرا صدقہ قبول ہے، پس اولاد جب تک والدین کی پرورش میں ہو والدین کی زکوٰۃ اولاد کے لئے جائز نہیں، اور اگر وہ جوان ہو کر الگ کمائیں، کھائیں، فقیر غریب ہوں والدین کی زکوٰۃ ان کو لگ سکتی ہے، رہے والدین تو اگر تنگ دست ہوں تو انسان کے اہل میں داخل ہیں، اور ان کا نان نفقہ اس کے ذمہ ہے، اس لئے اولاد کی زکوٰۃ ان کو نہیں لگ سکتی، چنانچہ غار والی تین شخصوں کی حدیث سے واضح ہے مشکوٰۃ الباب البر والصلۃ۔

تنبیہ: عام طور پر لوگ کوشش کرتے ہیں، کہ اپنے رشتے داروں سے جو تعاون اور سلوک ہو وہ زکوٰۃ کی مد سے کیا جائے حتّٰی کہ رسمی طور پر آپس میں جو لین دین ہوتا ہے، وہ بھی مد زکوٰۃ سے کیا جاتا ہے، حالانکہ حدیث میں ہے، اِنَّ فی المال لحقًا سوا الزکوٰۃ۔ یعنی مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے، زکوٰۃ دینے والے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور دینی ادارے عموماً زکوٰۃ سے

چلتے ہیں، عام غرباء کی امداد کا ذریعہ بھی یہی ہے، اگر زکوٰۃ دینے والے لوگ اپنے رشتے داروں کی ضروریات بھی مدِ زکوٰۃ سے ہی پوری کریں، اور غرباء کی امداد اور دینی خدمات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، اس لئے زکوٰۃ دینے والوں کو مذکورہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے، اپنے رشتہ داروں کی ضروریات مدِ زکوٰۃ کے علاوہ پوری کرنی چاہئیں۔

نیز یاد رہے کہ حدیث میں ہے، لا یاکل طعامک الا تقی (یعنی تیرا طعام پرہیزگار کے سوا کوئی نہ کھائے) یہ شرط ہر اس شخص کے لئے ہے، جس کو زکوٰۃ وغیرہ دی جائے، غریب اگر نیک نہ ہو، تو وہ زکوٰۃ کا حق دار نہیں، خواہ رشتہ دار ہو یا کوئی غیر۔

فقط عبداللہ (امرتسری) روپڑی

تنظیم اہلحدیث جلد ١٢ شمارہ ٢٣۔

سوال:۔ ایک یتیم بچہ ہے اس پر اس کے چچا اور نانا کی زکوٰۃ لگ سکتی ہے؟ اگر اس کے پاس دو ہزار جمع ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ ہے؟ کیا اتنے روپے جمع ہونے کے باوجود آئندہ بھی لوگ زکوٰۃ صدقہ وغیرہ اس یتیم کو دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ چچا اور نانا کی زکوٰۃ بھتیجے کے لئے جائز ہے، یتیم کے پاس اگر دو ہزار روپیہ ہے، تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اس کا ولی اس کے مال سے زکوٰۃ نکالے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یتیم کے متعلق ذکر کیا ہے، کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے خواہ اس کے پاس مالِ نصاب موجود ہو یا نہ ہو؟

(الاعتصام جلد ٢٠ شمارہ ٣٧۔ ١١/ اپریل ١٩٦٩ء

سوال:۔ یہاں اور بعض دوسرے شہروں میں بھی بعض بعض سیٹھ مال زکوٰۃ کو ہفتہ وار غرباء و مساکین اور عام سائلین کو ایک ایک دو دو پیسے یا ایک ایک دو دو دمڑی کر کے دیتے ہیں، علی العموم اس خیرات کا دن جمعہ کا دن ہوتا ہے، سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں علی اختلاف البلاد والاحوال سائلین جمع ہوتے ہیں، اور یہ خیرات وصول کرتے ہیں، ١٢ بجے دن سے شام تک چکر لگانے پر آنے دو آنے یا چار آنے پاتے ہیں، زید کہتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اس طرح

تقسیم کرنا نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اس طرح سال میں لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں، مگر اس سے نہ کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور نہ اس سے مسلمانوں کو قومی یا اقتصادی فائدہ ہوتا ہے، مال زکوٰۃ کی یہ تقسیم منشاء اسلام کے خلاف ہے، لہٰذا اس طریقہ کو بند کر کے غرباء و مساکین اور جملہ مستحقین کو سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ یک بک مشت رقم دینی چاہیئے، تاکہ یہ مال صحیح مصرف میں آئے، اور لوگوں کی قومی اور اقتصادی حالت درست ہو سکے، ہاں جو لوگ مروجہ طریقہ پر خیرات کرنا چاہیں، انہیں چاہیئے کہ اپنے ذاتی مال سے اس طرح خیرات کریں، مگر مال زکوٰۃ اس طرح خرچ نہ کریں، اب سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح مال زکوٰۃ خرچ کرنا یعنی ہفتہ وار دمڑی پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بہ نیت نیک جائز ہے، کیوں کہ ادائے زکوٰۃ کا حکم عام ہے، اس میں کسی قسم کی تنقید کرنے کی ضرورت نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء)

شرفیہ:۔ یہ صحیح ہے مگر طریق وہ ہی بہتر ہے، جو عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ تابعین سے ثابت ہے لہٰذا وہ وہی افضل ہے جو عہد نبوی و صحابہ میں تھا۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۴۱

سوال:۔ اس عہد مبارک میں لاوارث مردے اور محتاجوں، پردیسیوں کی نعشیں حکومت عالیہ کی طرف سے ہوتی تھیں یا نہیں؟ اگر ہوتی تھیں تو مصارف کس مد سے ہوتے تھے؟

جواب:۔ بیت المال میں بہت سی متفرق مدات غرباء و مساکین کے لئے ہوتی تھیں، چاہے زندہ ہوں، یا مردہ۔ اسی میں سے خرچ ہوتا تھا، اس کا پوچھنا ہی کیا ہے،

(اہلحدیث جلد نمبر ۴۰ شمارہ نمبر ۲۲) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۶۱

سوال:۔ لڑکا اپنی زکوٰۃ، والدین کو کھانا کپڑا بنانے، قرض ادا کرنے کے لئے دے سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے، قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ اس آیت کے ماتحت ہر قسم کی خیرات ماں باپ کو قریبیوں کو دینا جائز معلوم ہوتا ہے، مگر علما

کرام ماں باپ کو زکوٰۃ دینے سے مانع ہیں۔ (جلد ۱۳ ص۶۶ اہلحدیث)

شرفیہ:۔ آیۃ مذکورہ فی الجواب علاوہ زکوٰۃ کے ہے، بحکم حدیث نبوی انت ومالک لابیک رواہ ابن ماجہ وطبرانی، جامع صغیر سیوطی، وحدیث نبوی ان اطیب ما اکلتم من کسبکم وان اولادکم من کسبکم رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ وفی روایۃ ابی داؤد والدارمی ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ وان ولدہ من کسبہ (مشکوٰۃ ص۲۴۲ جلد ۲) ثابت ہوا کہ بیٹے کا مال باپ کا مال ہے، تو پھر اپنی زکوٰۃ آپ ہی کھائیگا۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۶)

سوال:۔ زکوٰۃ کے مال سے رمضان میں افطاری امیر و غریب کو مسجد میں روزانہ کھلا سکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کا مال عموماً غرباء ومساکین کیلئے ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الآیۃ (جلد ۱۳ نمبر ۱۸ اہلحدیث)

شرفیہ:۔ یہ جواب بالکل گول بے فائدہ ہے، صاف جواب یہ ہے کہ یہ صورت جائز نہیں، زکوٰۃ صرف مستحقین کے لئے ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۶)

سوال:۔ غنی (جو کہ زکوٰۃ دینے کے لائق ہو) صدقہ، خیرات، خدا کے نام پر دی ہوئی نیاز وغیرہ شرعاً لے اور کھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ خاص ان لوگوں کے لئے ہے، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیۃ شخص مذکور کو دینا یا کھانا جائز نہیں۔

(اہلحدیث ۲۰ اپریل ۱۹۴۵ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۱۶۷

سوال:۔ ایک شخص دانستہ حرام روزگار کر رہا ہے، مثلاً سود، ڈاکہ، لوگوں کو دھوکہ دے کر پیسہ کما رہا ہے، اور کچھ روپیہ اس نے اس روزگار سے جمع بھی کیا ہے، اگر وہ اب ایسے کاموں سے توبہ کرلے، تو کیا اس کا تمام مال حلال ہو جائیگا۔ وہ اس مال سے حج زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، اگر نہیں تو وہ اس مال کو کس مد میں خرچ کرے؟ (ابوبکر گکیندرہ پاڑہ)

جواب:۔ حرام دو قسم پر ہے، ایک کا حصول بالرضا ہوتا ہے، جیسے زنا کی اجرت، جوئے کا نفع

وغیرہ، دوسرا بالجبر جیسے چوری ڈاکہ وغیرہ، پہلی قسم کے متعلق بعض علماء کا عقیدہ ہے کہ توبہ کے بعد حلال ہو جاتا ہے، اور دوسری قسم کے متعلق نہیں، اس کو یا تو اصل مالکوں تک پہنچائے، اگر یہ محال یا مشکل ہو تو ان کی طرف سے کسی کارِ خیر میں لگا دے، لیکن یہ وصیت لکھ کر رکھے کہ فلاں فلاں اشخاص جن کا یہ مال ہے، اگر آجائیں تو میرے وارث ان کو ادا کر دیں۔

(اہل حدیث ۴ر مئی ۴۵ھ)

شرفیہ:۔ پہلی قسم کے متعلق بعض علماء کا عقیدہ بالکل باطل ہے، قطعاً حرام ہے، حلت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۷۱

سوال:۔ ایک شخص کی جائیداد دس ہزار روپیہ کی ہے، اور سالانہ آمدنی صرف دو سو روپیہ ہے، تو زکوٰۃ کتنے روپے کی نکالے؟

جواب:۔ جائیداد سے مراد اگر مکانات برائے کرایہ ہیں، تو ان کے کرایہ سے عشر یا نصف عشر زمین کے حساب سے نکالے، اور اگر اراضی مزروعہ مراد ہے، تو اس سے بھی نصف عشر نکالا جائے، (اہلحدیث ۲۲ر نومبر ۴۶ء)

شرفیہ:۔ مکانوں کے کرایہ وصول کرنے کے بعد جب اس کرایہ پر بعد نصاب سال گزرے تب زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے، عشر نصف عشر نہیں ہے، اور زمین پر قیاس صحیح نہیں، اس لئے کہ عہد نبوی میں بعض زبیر بن عوام وغیرہ کی جائیداد و مکانات تھے، کمافی صحیح البخاری، مگر ان پر عشر یا نصف عشر ثابت نہیں، اور نہ ہی یہ قیاس صحابہ یا تابعین وغیرہ سلف سے ثابت ہے، اور اراضی مزروعہ کا نصف عشر تاوقتیکہ تفصیل نہ ہو صحیح نہیں (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۷۴)

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال:۔ ایک آدمی کوئی جائیداد خرید کر فی سبیل اللہ وقف کر دینا چاہتا ہے، اور اس کی ماہانہ آمدنی کو اپنے ہاں کے فقراء سے مدینہ منورہ کے فقراء پر صرف کرنا زیادہ افضل سمجھتا ہے، کیا کسی شرعی حکم سے مدینہ منورہ کے مساکین پر صرف کرنا زیادہ افضل سمجھا جا سکتا ہے، یا ان دونوں میں کس جگہ خرچ کرنا زیادہ بہتر و افضل ہے، شخص مذکورہ نماز مسجد نبوی کے ثواب اور فضیلت

سے استدلال کرتا ہے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَائِھِمْ یہ حدیث بتا رہی ہے، کہ صدقات خیرات میں اہل وطن کا حق مقدم ہے، سائل مذکور کا مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص حج کو جائے اور وہاں محتاجوں پر خرچ کرے، اور مسجد نبوی میں نماز پڑھے تو دونوں فعلوں کا ثواب مزید ہے لیکن یہاں کے محتاجوں کو چھوڑ کر وہاں بھیجنا غور طلب ہے، ہاں اگر علم ہو کہ وہاں احتیاج زیادہ ہے تو یہاں محتاجوں کا حق ادا کر کے مزید وہاں بھیجنا بے شک زیادہ ثواب کا موجب ہے، ورنہ عام قانون وہی ہے، جو حدیث مذکور میں ہے، (اہلحدیث ۷ جولائی ۴۴ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۵)

سوال: متعدد مواضع کے لوگوں نے اپنے اصلاحی امور کے بندوبست کے لئے ایک متدین عالم کو پسند کر کے امیر و پیر مان کر اس کے ہاتھ پر بطوع خاطر بیعت کی، وہ پیر حتی الامکان اپنے مریدوں کی زکوٰۃ فطر وغیرہ کے مال سے کچھ حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے لے سکتا ہے یا نہیں (عبدالباقی)

جواب: زکوٰۃ آٹھ آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم ہے، چنانچہ ارشاد ہے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا الآیۃ یعنی زکوٰۃ فقیروں مسکینوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر عامل ہوں، وغیرہ، پیر صاحب اگر حاجت مند ہیں، تو عاملین کے زمرہ میں داخل ہو کر کچھ حصہ اہل وعیال کے لئے لے سکتے ہیں، اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۷۶)

سوال: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ۔ فقراء سے کون فقیر اور سائلین سے کون مسکین مراد ہیں، آیا جو در در ٹکر گدائیں۔ (سلیمان سیٹھ بمبئی)

جواب: فقیر کی تعریف قرآن میں یوں آئی ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ۔ یعنی فقیر وہ ہے، جس کے پاس رہنے کو مکان نہیں، اور کاروبار کرنے کو مال نہیں۔"

تن پوشی کی نفی نہیں کی، مسکین کا ذکر یوں فرمایا ہے، اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ ، یعنی مٹی پوش یعنی فقیر سے سوء حال بدتر حالت میں ہوتا ہے، (۲۷/ مارچ ۱۹۳۱ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۷)

سوال:۔ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رشتہ دار دوسروں سے زیادہ سلوک کرنے کے لائق ہیں، تو کیا رشتہ دار عام ہیں، نمازی بے نمازی مشرک وغیرہ۔

جواب:۔ اُولُوا الْاَرْحَامِ کے ساتھ سلوک کرنا ناطہ کی فرع ہے، ایمان اور کفر کو اس میں دخل نہیں، یہی وجہ ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ریشمی چغہ دیا تو حضرت عمر نے وہ چغہ اپنے مشرک بھائی کو مرحمت کر دیا۔

(اہلحدیث ۲۷/ مارچ ۱۹۳۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۷)

سوال:۔ قرآن حکیم میں مذکور ہے، کہ موصوفہ آٹھ آدمیوں کو مال زکوۃ دیویں۔ اب سوال یہ ہے کہ موصوفہ لوگوں کا موحد ہونا شرط ہے یا نہیں، اور کیا ہم اپنے مشرک اور بدعتی رشتہ دار اور غریبوں کو مالِ زکوۃ سے کچھ دے سکتے ہیں، یا نہیں اور دور رہتے ہوں، تو منی آرڈر کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب:۔ صدقات، خیرات صفت ربوبیت کے تحت ہیں جس کا اثر عَالَمِیْنَ پر پہنچتا ہے، اس لئے اس میں ایمان کی شرط نہیں، جیسی رَبُّ الْعَالَمِيْنَ میں نہیں۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا۔

(اہلحدیث ۲۷/ مارچ ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:۔ معاذ بن جبل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، فَاَخْبِرْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔ الحدیث رواہ شیخان قال الحافظ فی الفتح ان الزکوۃ لا تدفع الی الکافر الخ کما مر انتھی۔ ہاں نفلی صدقہ دیا جا سکتا ہے

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۴۷۷)

سوال:۔ ایک مسلمان سال میں ایک مرتبہ اللہ کے نام پر غریبوں اور محتاجوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان فرق نہ کر کے شاہی راستوں پر بٹھلاتا، اور پتوں میں کھانا کھلواتا ہے، مذکورہ کھانا ایک ہندو سے تیار کروایا ہے، ایسا کھانا کھلوانا شرع میں جائز ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے، کہ ذرہ جتنا بھی نیک کام ضائع نہیں جاتا، حدیث میں فرمایا: فِیْ کُلِّ کَبِدٍ رَطْبٍ اَجْرٌ یعنی ہر ایک جاندار کو آرام پہنچانے میں ثواب ہے، انسان کو سب جانداروں سے افضل ہے، خواہ کسی دین اور مذہب کا ہو، آنحضرت کفار اور مشرکین کو بھی کھانا کھلایا کرتے تھے، بس اس نیت سے صورت مرقومہ میں کھانا کھلانا ثواب اور صدقہ ہے، (یکم رمضان ۳۵ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۸)

سوال:۔ کتنے مال پر کتنی زکوٰۃ واجب ہے اور کس کو دینی چاہیئے، مال تجارت میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟

نفع پر ہے یا راس المال پر؟ مسجد یا مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (چراغ الدین از کلکتہ)

جواب:۔ شرعی حساب میں آج کل تخمیناً پچاس روپے کا ہے، مال تجارت میں بھی اصل مال میں فی سینکڑہ دو روپیہ آٹھ آنہ سال کی زکوٰۃ میں تملیک شرط کرتے ہیں، ان کے نزدیک مسجد اور کنوئیں پر زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں، جو علماء زکوٰۃ میں محض نفع رسانی مراد رکھتے ہیں، ان کے نزدیک مدرسہ اور مساجد میں زکوٰۃ لگانا جائز ہے، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الخ۔

(۲۵/ رجب المرجب ۴۲ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۹)

سوال:۔ زکوٰۃ کا پیسہ متقی پرہیزگار کا حق ہے، یا ہر مسکین غریب کا بہت روپیہ ہونے پر چند مساکین کو دینا چند کو نہ دینا مساکین کی حق تلفی ہے، یا نہیں۔ پڑوسی سید کو حق پڑوسی سمجھ کر زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟ اور غریب لاچار ہندو کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ مصرف زکوٰۃ غریب مساکین ہیں، اس میں مومن کافر کی تمیز نہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الایہ غریب سید کے ساتھ اور طرح سے سلوک کریں زکوٰۃ ان پر حرام ہے۔

(۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۹)

سوال: سیدہ یتیم نابالغ مسکین ہو تو مال زکوٰۃ کا حقدار ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث میں ہے:۔ عن ابی هریرة اخذ الحسین بن علی تمرة من تمرة الصدقة فجعلها فی فیه فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم کخ کخ لیطرحها ثم قال اما شعرت انا لانا کل الصدقة (متفق علیه)

وعن عبد المطلب بن ربیعة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان هذه الصدقات انما هی من اوساخ الناس وانها لاتحل لمحمد ولا لآل محمد (رواہ مسلم) مشکوٰۃ باب من لاتحل له الصدقة فصل اوّل ابوہریرہ فرماتے ہیں حضرت حسین ابن علیؓ نے صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھوک کھوک یعنی اس کو تھوک دے، پھر فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، اور عبد المطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ صدقات لوگوں کی میل ہے، محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سید کے لئے زکوٰۃ مطلقاً جائز نہیں، اور اس میں یتیم غیر یتیم کا کوئی فرق نہیں، کیونکہ آل محمد میں سب سید شامل ہیں۔ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۲۵)

سوال:۔ چچا اپنی غریب عیال دار اور بیوہ بھتیجی کو ہمیشہ زکوٰۃ دیتا تھا۔ مگر اب وہ ایک شخص صاحب نصاب کے نکاح میں آگئی ہے، چچا نے بدستور سابق اب پھر بھتیجی کو زکوٰۃ کا روپیہ بھیج دیا، کیا اس حالت میں جبکہ اس کا خاوند صاحب زکوٰۃ ہے، اس کو زکوٰۃ کا روپیہ لینا جائز ہے؟ اگر نہیں تو کیا، یہ روپیہ چچا کو واپس کر دے یا اپنے ہی بچوں میں تقسیم کر دے، یا اس خاوند کا سوتیلا بیٹا جو طالب علم ہے، اس کو دے دے؟

فقط برہان پور سی پی انڈیا (محمد یوسف اینڈ سنز)

جواب:۔ مسئلہ زکوٰۃ میں ایک اصول یاد رکھیے، کہ جس کا نان نفقہ کسی شخص کے ذمہ ہو، وہ اس ذمہ دار کے حکم میں ہے، مثلاً ماں، باپ غنی ہوں تو اولاد بھی غنی کہلاتی ہے، کیوں کہ والدین کی پرورش میں ہے، والدین اس کے نان و نفقہ اور دیگر ضروریات کے ذمہ دار

ہیں، اسی طرح بیوی کے نان ونفقہ اور دیگر ضرورت کا ذمہ دار خاوند ہے، پس خاوند کے غنی ہونے کے ساتھ بیوی بھی غنی کہلائے گی۔ اس لئے جیسے والدین اپنی اولاد کو جوان کی پرورش میں ہے زکوٰۃ نہیں دے سکتے، خاوند بھی اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، اور خاوند کا نان نفقہ چونکہ بیوی کے ذمہ نہیں، اس لئے اگر بیوی غنی ہو تو غریب خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے، چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا، تیرا خاوند اور یتیم بچے جو تیرے پاس ہیں، تیرے صدقہ کے زیادہ حقدار ہیں، (مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ) پس جب غنی خاوند کی بیوی غنی کے حکم میں ہوئی، تو چچا کا اپنی بھتیجی کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جس کا سوال میں ذکر ہے جائز نہ ہوا جو نکاح کے بعد زکوٰۃ دی ہے، وہ فوراً واپس لے لے ہاں اگر اس بھتیجی کی اولاد کے نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا ذمہ بھتیجی کے خاوند نے نہیں لیا، اور وہ اپنا گزارہ اپنے سر پر کرتے ہیں، تو ان پہ زکوٰۃ تقسیم ہو سکتی ہے، اسی طرح خاوند کا سوتیلا لڑکا اگر اس کا کوئی کفیل نہیں، اور وہ غریب ہے، تو اس پر بھی زکوٰۃ خرچ ہو سکتی ہے۔ (عبداللہ امرتسری)

(ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور ۵ فروری ۶۷ء جلد ۲۱ شمارہ ۲۵)

سوال:۔ ہمارے محلہ میں ایک غریب آدمی تھا، اُس کے لڑکے کو اغوا کر لیا گیا۔ اب اُس آدمی بیچارے کے پاس اتنی رقم نہیں ہے، کہ اس کی تلاش میں جائے، یا پولیس کی امداد لے، ہمارے پاس زکوٰۃ کی رقم تھی، ہم نے یہ نیت کر کے کہ ہم زکوٰۃ کی رقم میں سے اس لڑکے کے اغوا کے سلسلہ میں لگا رہے ہیں، خرچ کی۔

اب مطلوب یہ ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ میں سے گئی یا نہیں، اور زکوٰۃ کی رقم لڑکے کے اغوا کے سلسلہ میں خرچ کی جا سکتی ہے، یا نہیں؟ کیا ہم زکوٰۃ میں سے یہ رقم نکال سکتے ہیں؟

(محمد گلشیر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی)

جواب:۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصرف ہیں، ان سے ایک فقیر ومسکین بھی ہے، لہٰذا فقیر ومسکین کو زکوٰۃ دی جائے، تاکہ وہ لڑکے کی تلاش میں صرف کرے، خواہ پولیس کو دے یا کرایہ پر خرچ کرے خود بذاتہ اگر صرف کرے، تو اس کا زکوٰۃ میں صرف کرنا کہیں ثابت نہیں، (الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۱۵)

سوال:۔ کیا صدقہ خیرات دینا فرض ہے، یا واجب یا مستحب یا سنت؛ جو شخص کہ صدقہ خیرات دینے کے قابل ہو کر صدقہ خیرات نہیں دے گا، تو کس درجہ کا گنہگار ہوگا؟

جواب:۔ زکوٰۃ واجب ہے۔ اور صدقات واجب نہیں، اگرچہ مؤکد اولیٰ، افضل مسنون بڑا ثواب سب کچھ ہے، مگر فرض صدقات میں صرف زکوٰۃ ہی ہے، کہ جس کے نہ دینے پر آدمی گنہگار اور اسلام کے ایک بڑے جز و رکن کا تارک ہوتا ہے، صحیح نسائی مطبوعہ انصاری جلد اول صفحہ ۴۹ میں ہے کہ ایک سائل ضمام بن ثعلبہ نے آپ سے اسلام کا سوال کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ نے نماز مفروضہ پنجوقتہ بتلائی، اور ماہِ رمضان کے روزے بتلائے، اور زکوٰۃ بتلائی، سائل نے سوال کیا کہ کیا اور بھی میرے پر فرض ہے، آپ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ نفل کرے، غرض نفلی صدقہ نکالنا ضرور چاہیئے، آپ نے فرمایا کہ جو چیز فرض میں کم ہو گی، وہ نفل سے پُر ہو گی اور صدقات نفلی کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں، بلکہ مستحقین کو غرباء محتاج کے ہوتے ہوئے روکنے پر وعید شدید بھی آئی ہے، حدیث میں آیا ہے۔ یَا ابْنَ آدَمَ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْکَ یعنی اے ابن آدم! تو خرچ کر خدا تجھ پر کرے گا۔ واللہ اعلم

(فتاویٰ ستاریہ جلد اول صے مطبوعہ کراچی)

سوال:۔ بندوق پر جو حکومت نے ٹیکس لگا رکھا ہے، یا دیگر ٹیکس کی رقوم زکوٰۃ سے دی جا سکتی ہیں؟ عبدالغفار ٹانک

جواب:۔ زکوٰۃ ٹیکس میں منہا نہیں ہو سکتی۔ ہماری تحقیق یہی ہے،

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ شمارہ ۲۹)

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کا روپیہ کسی دینی مدرسہ پر خرچ ہو سکتا ہے، اور اس سے اساتذہ کو تنخواہ دینا یا مدرسہ کی عمارت پر خرچ کرنا جائز ہے؟ (محمد یوسف الاسلام ۳۹۲)

جواب:۔ اگر زکوٰۃ کا روپیہ بیت المال میں جمع ہو، اور بیت المال سے تمام مصارف پر خرچ کرنا ہو تو پھر مدرسہ پر بھی اور اساتذہ کی تنخواہ پر بھی جائز ہوگا۔ اور اگر زکوٰۃ کے دیگر مصارف روک کر صرف مدرسہ ہی کو پیش نظر رکھا جائے، تو میری تحقیق میں

یہ جائز نہ ہوتا۔ (الحدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۱۶)

سوال:۔ زکوٰۃ کا روپیہ کسی مدرسہ میں لگایا جائے تو اس کا ثواب جاری رہتا ہے، یا ایک بارگی ختم ہو جاتا ہے؟

جواب:۔ تعلیم دین کے لئے مستحقین پر زکوٰۃ خرچ کرنا صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب پائیدار اور جاری رہتا ہے، کیونکہ علم آگے آگے چلتا ہے۔

(الحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۷)

سوال:۔ زکوٰۃ اور عشر سے مدرس کی تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں یا مدرسہ کے کسی خرچ میں مثلاً کتب خانہ یا مرمت میں لگا سکتے ہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے۔ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بعض علماء عام کرتے ہیں، وہ ہر نیک کام میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز کہتے ہیں نیک کاموں میں مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی دیگر ضروریات بھی شامل ہیں۔ (۲۶/رجب ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ:۔ میں کہتا ہوں کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بعض علماء نے کتنی وسعت کی ہے کہ کوئی شے بھی اس کے شمول سے باہر نہیں جا سکتی، تو پھر آٹھ مصارف کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین وغیرہ جمہور صحابہ کو شہر کی حفاظت، خندق وغیرہ مساجد، کنواں، مردوں کے کفن و دفن پلوں وغیرہ کی ضرورت تھی، مگر مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی بھی آپ نے یا خلفاء راشدین نے زکوٰۃ کے مال میں سے اُن امور پر صرف کیا ہو، اس سے ثابت ہو گیا کہ باوجود ضرورت، مال زکوٰۃ کو ان پر صرف نہ کرنا، اور طرح سے ان امور کو سرانجام دینا، مال زکوٰۃ کو ان پر صرف نہ کرنے کی بین دلیل ہے اور لفظ فی سبیل اللہ کا عموم یا کلیہ نہ ہونے پر بھی صحیح مسلم وغیرہ کی مرفوع حدیث بھی ہے، کہ عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مال زکوٰۃ کی تحصیل پر ہم کو مقرر کر دیں تاکہ ہم بھی وصول کر کے کچھ معاوضہ لیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا مالِ زکوٰۃ اوساخ الناس ہے، وانہا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ثابت ہوا کہ سادات بنی ہاشم کی ضرورت کو پورا کرنا فی سبیل اللہ میں داخل تھا، مگر پھر بھی ان پر جائز نہیں، اور مفت بھی نہیں محنت تھی، مگر پھر بھی ناجائز ثابت ہوا کہ ویسے ہی مساجد خانہ خدا پر بھی اور ساخ الناس صرف کرنا جائز نہیں، کفن دفن پر بھی جائز نہیں کہ مالِ زکوٰۃ حق زندوں کا ہے، مردوں کا نہیں، ورنہ فقراء و مساکین وغیرہ مصارف مذکورہ فی القرآن زندوں اور مردوں دونوں کا حق مساوی ہوگا، تو مالِ زکوٰۃ زندوں کا حق مردوں ہی پر پورا نہ ہوگا، چہ جائیکہ قلعے مساجد وغیرہ ان کی تجدید ہی مشکل ہو گی، اف لیس فلیس اور ریلوں اور سڑکوں قلعوں، نہروں، چشموں، مسافر خانوں لنگر خانوں، شہروں کی فصیلوں غرباء تجار جن کے پاس کاروبار چلانے کو روپیہ کم ہوا اور ان کو اور کاشتکاروں کو قرض دینا وغیرہ کہ یہ فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہیں، ان پر صرف کیا جائے گا، تو اس صورت میں بھی زندوں، فقراء و مساکین وغیرہ مصارف کے لئے خاک بھی نہیں بچ سکتا اور یہ جو کہ عن ابی اساس قال حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج انتہی مافی ترجمہ البخاری۔ اول تو یہ ذکر ہے، دوم اس میں تصریح نہیں کہ وہ لوگ غنی تھے، اور صرف حج ہی باعثِ حمل تھا، بظاہر وہ زکوٰۃ کے مستحق معلوم ہوتے تھے یہی جواب عبداللہ بن عباس کے قول یعطی فی الحج کا ہے، اور قال الحسن ان اشتری اباہ من الزکاۃ جاز بہ فی الرقاب کا ایک فرد ہے، اور اغنیاء کو مال زکوٰۃ لینے کے متعلق حدیث مرفوع میں آچکا ہے، لغاز فی سبیل اللہ اولعامل علیہا اولغارم اولرجل اشترا بہا بمالہ اورجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاہدی المسکین علی الغنی رواہ مالک وابوداؤد مشکوٰۃ صا۱۶ جلد ۱

خلاصہ یہ کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ایسی وسعت نہیں کہ دنیا کی تمام ضروریات کو شامل ہو، جیسے کہ بعض علماء نے حواشی مذکورہ میں کیا ہے، پس اس سے جہاد میں صرف کرنا مراد ہے، ہاں اگر کسی آیت یا حدیث مرفوع صحیح کی نص سے کسی شئی میں کسی کو علاوہ جہاد کے صرف کرنے میں ثابت ہو جائے تو فبہا ورنہ نہیں، اور دینی مدارس جہاں کتاب و سنت کی تعلیم باقاعدہ ہوتی ہو کتاب و سنت پر عمل بھی صحیح طور پر ہو، صورت و سیرت کتاب و سنت کے مطابق ہو وہاں دینی جائز ہے، اور صرف یہی نہیں کہ تعلیم انگریزی، ہندی تعلیم وغیرہ دنیوی علوم کی ہو، اور برائے

نام کچھ عربی کا قلیل اقل شغل رکھ لیا ہو، نہ صورت نہ سیرت نہ نماز کی پابندی نہ اور فرائض کی نہ اخلاق حمیدہ نہ اساتذہ پابند شرع بلکہ بعض شرع کا مذاق اڑانے والے تو وہاں قطعاً جائز نہیں، پس قسم اول ہی کو دینی جائز ہے، اور مدارس مذکورہ جن کو جائز ہے، ان میں طالب علم اصل ہیں، جو عموماً نادار، مفلس ہوتے ہیں، یا جن کو والدین وغیرہ علم دین حاصل نہیں کرنے دیتے اور وہ گھر سے نکل کر عموماً پردیس پڑھتے ہیں، وہ ابن السبیل بھی ہوتے ہیں مسکین فقیر بھی پھر ان کے خورد و نوش، لباس و قیام، کتب وغیرہ کا انتظام جس میں مدرسین جزء اول ہیں پھر اگر وہ نادار ہوں، یعنی وہ صاحب جائیداد نہیں کہ درس دے کر ان کو اپنی ضروریات کے لئے مدرسہ سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو پھر ان کو بھی جائز نہیں ورنہ جائز ہے، کہ اگر وہ اور کام کرتے ہو، تنخواہ سے اپنی ضروریات پوری کرتے، اب مدرسے سے کریں گے، مدرسہ کی تعمیر کتب کی خرید، جلد سازی بھی بلکہ اگر مدرسہ میں اور ملازم منشی وغیرہ کی ضرورت ہو، وہ بھی مدرسہ میں داخل ہے، جیسے بیت المال یا تحصیل زکوٰۃ میں قرون ثلاثہ میں تھا، ہاں یہ بھی ضروری ہے، کہ متولی اور ناظم مدرسہ پابند شرع خداترس ذی علم جو کتاب و سنت سے اچھی طرح واقف ہو، اور انتظام کا مادہ بھی۔ اور حتی الامکان وہ زکوٰۃ کے مال کو وہیں صرف کرے، جہاں جہاں کرنا چاہیے، اس لئے کہ مدارس میں اور طریق سے بھی چندہ وصول ہوتا ہے، اور مدوں میں حتی الامکان اور چندوں سے صرف کرے، ہاں چرم قربانی بھی مدارس مذکورہ دینیہ میں دی جاسکتی ہیں، اور جب ثابت ہوچکا کہ قرآن شریف میں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیہ میں لام لبیان المصرف ہے للتملیک نہیں کما فی الفتح اور مصرف صرف آٹھ ہی ہیں، اور لفظ فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد میں ہی صرف کرنا مراد ہے، ورنہ اگر ایسا عام مراد ہوتا جیسے بعض علماء نے لکھا ہے کہ کوئی چیز کوئی مصرف اس سے باہر نہیں رہتا، دنیا کے مصارف اس میں آجاتے ہیں، تو پھر آٹھ کا بیان ہی معاذ اللہ فضول ہے، وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ اگر یہ لفظ اول آیۃ میں ہوتا تو اس کے بعد کو اس کی تفسیر بنایا جاتا، اور اگر سب سے آخر ہوتا تو تعمیم بعد تخصیص سو یہ بھی نہیں تو پھر سوا اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ یہ ایک مستقل چیز ہے جو اقسام

کو جو اس کے ساتھ مذکور نہیں ان کو شامل ہو، اس لئے کہ تقسیم اقسام میں تقابل اور ہر ایک دو
کا قسیم ہوتا ہے، اور عموم مذکور میں شمول ہوتا ہے، لہٰذا تفسیر بعض علما قطعاً باطل ہے ص
جہاد ہی مراد ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے، اگر زکوٰۃ میں اتنی وسعت نہ کی جائے تو اور مصارف کفن دفن
مساجد و چاہ وغیرہ کیسے نہیں تو جواب یہ ہے، کہ کتاب و سنت میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال ص
کرنے کا ذکر یا ترغیب ہے، اس میں سے اُن امور کو سرانجام دیا جا سکتا ہے بلکہ دیا جانا
زکوٰۃ کے مصارف کو تو خود اللہ تعالیٰ نے معین کر دیا ہے، اور جانتا بھی ہے، اور تھا کہ فلا
فلاں امور کی ضرورت ہوگی، پھر بھی آٹھ ہی مصرف کو بیان کیا، عام نہ رکھا، ہاں اور طرح
مصارف یا اور اشیاء کو بیان کر دیا وہ یہ ہے، قال اللہ تعالیٰ واَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الز
وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ الایہ پ۱ ع ۳ وقال اللہ تعالیٰ وما تنف
مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ الایہ پ۳ ع ۵ دیکھئے زکوٰۃ کے بعد جس چیز کا بیان ہے، وہ ہر قسم
خرچ کو شامل ہے، جو مشروع ہو۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المال لح
سوی الزکوٰۃ ثم تلا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الایۃ رواہ الترمذی وابن
ماجہ والدارمی مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۹ جلد ا وعن سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت
فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال ھذہ لام سعد رواہ ابوداؤد والنسائی مشکو
ص ۱۶۹ جلد ا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ ا
ثلاثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ رواہ مسلم مشکو
ص ۳۲ جلد ا وقال ایضا ان مما یلحق المؤمن من عملہ وحسنتہ بعد موتہ علما ونشرہ وولد
صالحا ترکہ او مصحفا ورثہ او مسجدا بناہ او بیتا لابن السبیل بناہ او نہرا اجراہ او صد
اخرجہا من مالہ فی صحتہ وحیوتہ یلحقہ بعد موتہ رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان
مشکوٰۃ ص ۳۶ جلد ا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یشتری بئر رومۃ یجعل دلو
مع دلاء المسلمین بخیر لہ منہا فی الجنۃ الحدیث رواہ الترمذی والنسائی والدارقطنی مشکو

ص۵۶۱ جلد اوقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنیٰ للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ متفق علیہ مشکوٰۃ ص۶۸ ج ا ان امور مذکورہ میں مدارس کی تعمیر بھی آسکتی ہے، اور ہر قسم کے مصارف وضروریات عامہ اور ہر جگہ و ہر حال و موقعہ ناداری کا عذر غلط ہے جب بعض زکوٰۃ دیتے ہیں تو ویسے بھی خرچ کے مستحق بلکہ بعض اوقات ان پر یہ ضروری ہو جاتے ہیں، اور کفن دفن تو اہل اسلام پر موتی کا حق ہے. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ مسلم وقال ایضاً البسوا من ثیابکم البیض فانہا من خیر ثیابکم وکفنوا فیہا موتاکم رواہ الخمسۃ الا النسائی وصححہ الترمذی (بلوغ المرام) ابوسعید شرف الدین دہلوی

جواباً عرض ھے کہ فقیر کے نزدیک تعمیر مدرسہ تنخواہ مدرسین، امداد طلبہ وفی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہے، اس لئے کہ لفظ مذکور عام ہے، بعض مفسرین بھی اس طرف گئے ہیں چنانچہ تفسیر خازن میں ہے:۔ قال بعضہم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولہذا اجاز بعض الفقہاء صرف سہم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المسجد وغیر ذالک لان قولہ وفی سبیل اللہ عام فی الکل فلا یختص دون غیرہ انتہی (مطبوعہ مصر ص۲۴۰ جلد۱)

بعض مفسرین (قفال مروزی) وغیرہ نے کہا ہے کہ لفظ سبیل اللہ عام ہے، پس اس کو محض غازیوں پر منحصر کرنا جائز نہیں، اس لئے بعض فقہا نے حصہ سبیل اللہ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے، جیسے مردوں کا کفن دفن اور پل اور قلعوں کا بنانا، مساجد کی تعمیر اور اس کے سوا جیسے مدرسہ کی تعمیر وغیرہ اس لئے کہ اللہ کا فرمان فی سبیل ہر ایک کو عام ہے، پس وہ غزوہ ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگا،

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔ اعلم ان ظاہر اللفظ فی قولہ وفی سبیل اللہ لا یوجب القصر علی الغزاۃ فلہذا المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقہاء انہم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد لان قولہ فی سبیل اللہ عام فی الکل انتہی (مفاتیح الغیب مصری ص ۲۸۱ جلد۲)

یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ کا ظاہر لفظ موجب حصر بہ مجاہدین ہے، اس معنی کے لحاظ سے امام قفال مروزی (محدث) نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے، جیسے تکفین موتی اور قلعوں کا بنانا، اور مساجد کی تعمیر اس لئے کہ اللہ کا قول وفی سبیل اللہ ہر امور (خیر) کو عام ہے، ایسا ہی خاتمہ المفسرین نواب صدیق حسن صاحب مرحوم نے تفسیر فتح البیان میں فرمایا ہے حیث قال:-

ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک انتھی۔ (فتح البیان۔ مصری ص۲۴ جلد۴)

بیشک لفظ (سبیل اللہ) عام ہے پس اس کو ایک خاص قسم (غزوہ) پر منحصر کرنا جائز نہیں اس میں نیکی کے تمام اقسام داخل ہیں، کفن موتی۔ پل اور قلعوں کا بنانا مسجدوں کا تعمیر کرنا، اور بھی اس کے سوا جیسے تعمیر مدرسہ وغیرہ) انتھی۔ ان عبارات سے ظاہر و باہر ہے کہ لفظ سبیل عام ہے جو ہر نیک کام کو شامل ہے، اس میں طلباء کی امداد و اعانت بھی شامل ہے، جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے:-

من انفق مالہ فی طلبۃ العلم صدق انہ انفق فی سبیل اللہ ص۱۵ مطبوعہ ہاشمی)

جس نے اپنا مال طالبعلموں پر صرف کیا، اس کی بابت یقیناً کہا جائے گا کہ یہ خرچ ثمانیہ سے سبیل اللہ میں داخل ہے، اسی طور سے تعمیر عمارت مدرسہ بھی مال زکوٰۃ سے فی سبیل اللہ میں داخل ہے، کما مو بیانہ فقیر کے نزدیک اسی طور سے تنخواہ علماء مدرسین بھی سبیل اللہ میں داخل ہے،

امام شوکانی وبل الغمام میں لکھتے ہیں:- ومن جملتہ فی سبیل اللہ الصرف فی العلماء فان لھم فی مال اللہ نصیباً سواء کانوا اغنیاء او فقراء بل الصرف فی ھذہ الجھۃ من اھم الامور وقد کان علماء الصحابۃ یاخذون من جملۃ ھذہ الاموال التی کانت تفرق بین المسلمین علی ھذہ الصفۃ من الزکوٰۃ الا ملخصاً (دلیل الطالب ص۴۳۲)

منجملہ سبیل اللہ کے علمائے کرام پر صرف کرنا بھی ہے، اس لئے کہ ان کا بھی اس مال میں حصہ

ہے خواہ وہ امیر ہوں یا فقیر، بلکہ اس راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے، علما صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) بھی ان مالوں سے لیتے تھے جو مسلمان پر مدِ زکوٰۃ سے تقسیم ہوتے تھے۔

نواب محمد صدیق حسن صاحب مرحوم اس عبارت شوکانی کا ترجمہ اپنی کتاب "عرف الجادی" میں یوں تحریر فرماتے ہیں، "سبیل اللہ مختص بہ جہاد نیست ہنجملہ سبیل خدا صرف زکوٰۃ در اہل علم است. ایشاں را نصیبے در مالِ خدا است توانگر باشد یا گدا۔ بلکہ صرف آن دریں جہت از اہم امور است الخ (ص۱۰۱)

خاکسار تفسیر سبیل اللہ میں انہیں اصحاب مذکورین کا ہمنوا ہے، اور اب تک اسی خیال پر قائم ہے، سائل موصوف کی اگر اس سے تشفی ہو جائے، اور خدا کرے، کہ ہو جائے تو فبہا ورنہ ان کے نزدیک جو حق ہو آشکارہ فرمائیں، والسلام

عاجز محمد قاسم محمدی بنارسی (۲۲ نومبر ۱۸ء) (فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۴۴۹)

سوال: - سلاطین اسلامی کے وقت میں عشر کہ رعایا سے لیا جاتا تھا، اس کو وہ کس مصرف میں صرف کرتے تھے، اور کتب فقہ کی رو سے مصارف عشر کیا کیا ہیں، معہ حوالہ کتاب بذریعہ اخبار مطلع کریں،

ایڈیٹر: - آپ کی پیش کردہ صورت پر کوئی نص نہیں ہے، نہ میرے پر ہاں میری صورت میں فقرا کا فائدہ اور ایک مقیس علیہ بھی ہے، آپ کی میں نہیں، تمام کتب فقہ میں عشر کے مصارف وہی ہیں، جو زکوٰۃ کے ہیں، بعض سلاطین اصل مصارف میں خرچ کرتے تھے، بعض اپنی شراب نوشی کا حصہ بھی اسی سے نکال لیتے تھے، کیا آپ نے نہیں سُنا۔

ﮦ ھل افسد الناس الا الملوک　　وعلماء سوء ورھبانھا　　(۱۳ مارچ ۱۹۱۰ء)

سوال: - موجودہ زمانہ میں جو انکم ٹیکس وصول کیا جا رہا ہے، یہ انکم ٹیکس اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے ادا کرے، تو جائز ہوگا، کیونکہ زمانہ رسالت میں یہ ٹیکس نہیں تھا، (سائل مذکور)

جواب: - زکوٰۃ کے مصارف قرآن شریف نے خود بتائے ہیں، اور اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ الآیہ، چونکہ انکم ٹیکس کے مصارف وہ نہیں بلکہ بہت سے مصرف شرعاً ناجائز

بھی ہیں، اس لئے زکوٰۃ اس میں محسوب نہ ہوگی۔ (۲۰ رمضان ۱۳۵۰ ھ اہلحدیث)

تشریح: زکوٰۃ آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ (سورۃ توبہ رکوع ۷) یعنی زکوٰۃ فقیروں کیلئے ہے، اور مسکینوں کے لئے ہے، اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر عامل ہوں، اور مؤلفۃ القلوب کے لئے ہے۔ اور گردن چھڑانے کے لئے، اور قرضہ داروں کے لئے ہے، اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لئے ہے، اور مسافر کے لئے ہے۔ الیٰ آخرہ۔

(حررہ عبد العزیز عفی عنہ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۸)

سوال: عشر زکوٰۃ و دیگر صدقات وغیرہ سے اسلامی لٹریچر خرید کر پبلک میں شرعاً شائع کیا جاتا ہے؟ (شیخ کمال الدین از جہلم)

جواب: اسلامی لٹریچر زکوٰۃ کے مال سے خرید کر بغرض تبلیغ نادار لوگوں کو دینا جائز ہے۔ باقی مصارف قرآن مجید میں اس آیت میں ملتے ہیں: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الآیۃ

(اہلحدیث ۱۵ رجون ۱۹۴۵ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۲)

سوال: چرم قربانی یا زکوٰۃ سے مرمت مسجد یا مسجد کا کنواں تعمیر کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(عبد الرحمٰن باڑی)

جواب: چرم قربانی یہ خالص غربا و مساکین کا حق ہے اس میں کسی کو دخل نہیں، ہاں زکوٰۃ کے متعلق ایک قول ملتا ہے، کہ مسجد میں لگانا جائز ہے، لیکن متعلقین مسجد کو ایسا بہانہ بنا کر زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لگانا چاہیئے۔ اپنی گرہ سے خرچ کریں۔

(اہلحدیث ۲۲ رنومبر ۱۹۴۶ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۲)

سوال: غلہ عشر یا فطرہ یا چرم عقیقہ یا چرم قربانی اپنے اپنے ہاتھ سے خرچ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگرچہ سردار بھی بطور نام نہاد مسن بزرگ جو کہ موجود ہوں) کیا ان کی اجازت یا مشورے سے خرچ کیا جائے؟

جواب:۔ مقررہ سردار کی بیعت کے وقت چرم قربانی وغیرہ کا انتظام اگر اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے، اور سب بیعت کنندوں نے تسلیم کیا ہے، تو اس کی معرفت خرچ کرنا چاہیئے، اور اگر سردار یا امیر کوئی نہیں تو خود تقسیم کر سکتا ہے۔ لحدیث ان لم تکن امیرا الحدیث۔

(۱۳ مئی ۱۹۳۰ء) (فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۴۷۶)

سوال:۔ مقروض امام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ امام مقروض کے لئے زکوٰۃ، قرآن حکیم نے مصارف زکوٰۃ میں مساکین اور فقراء کا ذکر کیا ہے، مسکین وہ ہوتا ہے، جس کا گزارہ تنگی و ترشی سے ہوتا ہو، اگر واقعی امام موصوف کی یہ حالت ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ۔

(عزیز زبیدی واربرٹن شیخوپورہ)

توضیح:۔ امام موصوف کو بحیثیت فقیر اور مسکین دے سکتے ہیں، اور بحیثیت امام تنخواہ وغیرہ کے نہیں دے سکتے۔ (الراقم علی محمد سعیدی عفی عنہ)

باب مصارف صدقۃ الفطر

سوال:۔ زکوٰۃ الفطر کس جگہ جمع کرنا چاہیئے۔ زید کا قول ہے کہ ہر شخص تقسیم کر سکتا ہے، اور بکر کا قول یہ ہے، کہ امام کے پاس جمع کرے، امام جس طرح چاہے تقسیم کرے، اب صورت مسئولہ میں کس کا قول صحیح ہے؟

(سائل مولوی عبد الرزاق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ کالیدھر گھاٹ)

جواب:۔ واضح ہو کہ قولین میں سے زید کا قول غلط اور بکر کا قول صحیح موافق کتاب و سنت کے ہے، واقعی زکوٰۃ فرض و زکوٰۃ الفطر وغیرہ امام کے حوالہ کرنا چاہیئے، اس کے متعلق متعدد احادیث واضحہ مروی ہیں، چنانچہ مؤطا امام مالکؒ میں ہے، کہ ابن عمرؓ صدقہ فطر عید کے دو دن پہلے اس شخص کے پاس بھیج دیا کرتے تھے، جس کے پاس فطرہ جمع کیا جاتا تھا، ان

ابن عمر کان یبعث صدقۃ الفطر الی الذی تجمع عندہ قبل الفطر بیومین۔

نیز فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۹۸ میں ہے کہ ابن عمر صدقہ اس شخص کے حوالہ کر دیا کرتے تھے، جس کو امام نے فطرہ تحصیلنے کے لئے مقرر کیا تھا، نیز مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری مرحوم بھی اپنے فتوے میں بایں الفاظ رقمطراز ہیں کہ کل قسم کے صدقات (یعنی زکوٰۃ و صدقہ فطر وغیرہ وغیرہ) سب امام کے حوالے کر دینے واجب ہیں۔

مفتی ابو محمد عبدالستار غفر لہ الغفار المہاجری

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ جلد ۵ نمبر ۸) فتاویٰ ستاریہ ص۹۶ جلد اول

توضیح: مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری علیہ الرحمۃ نے اپنے فتویٰ طویل میں یہ وضاحت نہیں فرمائی، کہ جس جگہ یا جس وقت امام یا نائب امام نہ ہو تو عوام مسلمان اپنے صدقات، خیرات کیونکر تقسیم کرے، اس کی مکمل تفصیل ص۹۱ سے تا ص۹۹ تک ج۲ علماء کرام کی تحقیقات میں دیکھیں

(الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال: غلہ صدقہ فطر کا کون شخص مستحق ہے، آیا خاص باشندہ دیہہ یا کسی دیگر گاؤں کا بھی مستحق ہے، اور وہ مسلمان محتاج موحد ہو یا خواہ کیسا ہی مشرک یا بدعتی بلاتفریق ہو، اس کو دیا جائے، اگر غلہ فطر کی قیمت ادا کی جاوے، تو درست ہے، یا نہیں؟ اور غلہ خواہ کوئی ہو علاوہ گندم کے جیسے جوار، باجرہ، نخود وغیرہ دینا حسب مقدار شارع علیہ السلام یعنی ایک صاع دیا جائے، تو درست ہے یا نہیں؟

جواب: صدقہ فطر کا مصرف مسکین مسلمان خوش عقیدہ ہے اپنے گاؤں کا ہو یا، اور گاؤں کا مگر اپنے گاؤں کا مسکین موصوف بصفات مذکورہ احق ہے، دوسرے گاؤں کے مسکین سے اور دوسرے گاؤں کا مسکین موصوف بصفات مذکورہ احق ہے، اپنے گاؤں کے مسکین سے جو بصفات مذکورہ متصف نہ ہو، صدقہ فطر میں مسکین کی منفعت کو خیال کرے، اگر مسکین کو غلہ میں فائدہ ہو تو غلہ دینا افضل ہے، اور اگر نقد اس کے حق میں مفید ہے، تو نقد افضل ہے اناج سے ایک صاع شرعی صدقہ فطر دیوے، کوئی اناج ہو، (حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی عنہ) (فتاویٰ غزنویہ ص۱۲۲ جلد ۱)

سوال:۔ صدقہ فطر و زکوٰۃ وغیرہ حقیقی ہمشیرہ کو دینے کا حکم کس طرح ہے؟

(سائل ابو عبدالاحد احمد پنجابی)

جواب:۔ صدقہ فطر و زکوٰۃ حقیقی ہمشیرہ وغیرہ کو باجازت امام دے سکتا ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ صہ۹۹ جلد۱)

توضیح:۔ امام سے مراد امام زمانہ ہے، یا وہ امام جو حدود اللہ قائم کر سکے، اگر حدود اللہ قائم کنندہ امام مراد ہے، تو جس جگہ ایسا امام نہ ہو تو وہاں کے مسلمان کیا کریں، مفتی علیہ الرحمۃ نے یہ عقدہ حل نہیں کیا، اور نہ ہی پس ماندہ کر سکتے ہیں۔

(الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال:۔ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا روپیہ یا مال اپنے ہاتھ سے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: مسلمانوں کا اگر امام یعنی خلیفہ ہے، تو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر امام کو دینا چاہیئے، والاّ اپنے ہاتھ سے اس کے مصارف میں صرف کرے، عن جریر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلعم اذا اتاکم المصدق فلیصدر عنکم وہو عنکم راض رواہ مسلم وغیرہ وعن جریر ابن عبداللہ قال جاءنا س یعنی من الاعراب الی رسول اللہ صلعم فقالوا ان ناسا من المصدقین یاتونا فیظلمونا فقال ارضوا مصدقیکم قالوا یا رسول اللہ وان ظلمونا قال ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم رواہ ابوداؤد وعن جابر بن عتیک قال قال رسول اللہ صلعم سیاتیکم رکیب مبغضون فاذا جاؤکم فرحبوا بہم وخلوا بینہم وبین ما یبتغون فان عدلوا فلانفسہم وان ظلموا فعلیہم وارضوہم فان تمام زکوٰتکم رضاہم ولیدعوا لکم رواہ ابوداؤد کذا فی مشکوٰۃ المصابیح اور تلخیص الحبیر میں ہے، حدیث ان سعد بن ابی وقاص وابا ہریرۃ وابا سعید الخدری سئلوا عن الصرف الی الولاۃ الجائرین فامروا بہ رواہ سعید بن منصور عن عطاف بن خالد وابی معاویہ وابن ابی شیبۃ عن بشر بن المفضل ثلاثتہم عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ اجتمع نفقۃ عندی فیہا صدقتی یعنی بلغت نصاب الزکوٰۃ فسالت سعد بن ابی وقاص وابن عمر وابا ہریرۃ وابا سعید الخدری اقسمہا او ادفعہا الی السلطان فقالوا ادفعہا الی السلطان ما اختلف علی منہم احد وفی روایۃ قلت لہم ہذا السلطان یفعل ما ترون فادفع الیہ زکوٰتی فقالوا نعم رواہ البیہقی

عنہم وعن غیرہم ایضاً وروی ابن ابی شیبۃ من طریق قزعۃ قال قلت لابن عمران لی مالا فالی من ادفع زکوٰۃ قال ادفعہا الی ہولاء القوم یعنی الامراء قلت اذاً یتخذون بہا ثیاباً وطیباً قال وان ومن طریق نافع قال قال ابن عمر ادفعوا صدقۃ اموالکم الی من ولاہ اللہ امرکم فمن بر فلنفسہ ومن اثم فعلیہا وفی الباب عندہ عن ابی بکر الصدیق وعن المغیرۃ بن شعبہ وعائشۃ انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین | (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۵۰۴)

سوال:۔ غریب اہلحدیث جماعت کے لوگ اس علاقہ میں صدقۃ الفطر ایک جگہ جمع کرتے ہیں، یعنی یہ لوگ دھان چاول پیسہ وغیرہ ایک جگہ جمع کر کے تقسیم کرتے ہیں، ایک سال یہ لوگ صدقۃ الفطر سے اپنے گاؤں کے محلّہ کی جامع مسجد بنانا چاہتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ مال بند کر رکھا ہے، آیا اس مال سے محلہ کی جامع مسجد بنانا جائز ہے، یا کہ نہیں؟ یا مال مذکور سے امام مسجد کو کچھ حصّہ لینا جائز ہے، یا نہیں؟

(سعید الرحمٰن نذیری۔ بگوڑہ۔ بنگال)

جواب:۔ مسجد نہیں بنا سکتے، یہ غرباء و مساکین کا حق ہے، اگر امام مسجد غریب مسکین ہے، تو لے سکتا ہے۔ اللہ اعلم! (اہلحدیث جلد ۴۳ ص۱۹) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۷)

سوال:۔ کیا صدقہ فطر مسجد کے غسل خانوں اور وضو والی سبیل پر خرچ ہو سکتا ہے، اسی شمارہ میں وضاحت فرمادیں، تاکہ ہماری پریشانی دور ہو جائے، والسلام احقر نواب الدین ولد احمد دین ساکن لدھے والا درکاں ڈاکخانہ خاص براستہ کامونکی، ضلع شیخوپورہ۔ خریدار ۱۱۷۵۔

جواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

صدقہ غرباء اور مساکین کا حق ہے، اور وقف سے امیر غریب سب فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے صدقہ فطر مسجد اور اس کے غسل خانوں یا وضو والی سبیل پر صرف نہیں ہو سکتا۔

(عبد اللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث لاہور)

تنظیم اہلحدیث لاہور ۲۸/ فروری ۶۴ء

جلد ۱۶ شمارہ ۳۵

سوال:۔ فطرہ نصف ربع ثمن مدرسین کو دینا یا اس سے مصلیٰ خریدنا اور مسجد میں صرف کرنا با دلیل ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بے دلیل ہے، یہ مساکین کا حق ہے، کیونکہ حدیث میں طعمۃ للمساکین کا لفظ ہے۔ (عبدالسلام بستوی دہلی)

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۳ ش ۷۴، ۱۳۷۳ھ)

سوال:۔ ہمارے یہاں دستور ہے کہ فطرہ کا غلہ نکال کر رکھ لیا جاتا ہے، اور فقیروں مسکینوں کو دیا جاتا ہے جن میں بعض غیر مسلم بھی ہوتے ہیں حتیٰ کہ جو لوگ ہمارے ہاں کھیتی باڑی کے مزدور غیر مسلم ہیں ان کو بھی فطرہ دیا جاتا ہے، کیا غیر مسلم کو فطرہ یا زکوٰۃ دینی جائز ہے؟

جواب:۔ غیر مسلم کو فطرہ یا زکوٰۃ ہرگز نہیں دینی چاہیئے، اگر ان کو یہ اموال دیئے گئے تو شرعاً یہ خیرات مردود ہوگی، اموال زکوٰۃ وصدقۃ فطر کے مستحق صرف مسلمان ہیں، یہ عطیے صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں، صدقہ فطر کے متعلق احادیث میں وارد ہے طعمۃ للمساکین اس میں الف اور لام عہد خارجی ہے، جس سے مسلمان مساکین مراد ہیں، نہ کہ کافر۔ (اہلحدیث گزٹ ش ۱۶ صد ۱۳)

(محمد یونس دہلوی مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب دہلی)

سوال:۔ ۲۰ اپریل کے پرچہ اہلحدیث میں پوچھا گیا کہ موجودہ زمانہ کے سکول اور کالج میں صدقہ فطر کے مال سے امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیا گیا ہے کہ طلباء غریب مسکین ہوں تو جائز ہے، سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ مصارف بیت المال سے سکول اور کالج خارج ہیں، دیگر یہ کہ جن مدارس عربیہ میں خالص قرآن وحدیث ہی کی تعلیم ہوتی ہو ایسے مدارس عربیہ کو کھینچ تان کر فی سبیل اللہ میں داخل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، مگر سرکاری اسکول اور کالج میں ماسوائے قرآن وحدیث کے تعلیم ہوتی ہے، وہاں اس مد سے امداد کرنے کا جواز بالکل فہم ناقص سے بالاتر ہے؟

(قطب الدین راجشاہی)

جواب:۔ سکول کی امداد اور چیز ہے، اور غریب طالب علم کی امداد اور ہے، ہمارے فتویٰ

کا تعلق غریب طالبعلموں کی ضروریات سے ہے، ان کو مدد دینا اس آیت کے ذیل میں آسکتا ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ باقی رہا ان کا تعلیم حاصل کر کے دنیاوی مشاغل میں لگ جانا اور اعمال شرعیہ سے الگ ہوجانا اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں، عربی کے بعض طالب علم بعد فراغت شرک وبدعت پھیلانے میں لگ جاتے ہیں، اس کی ذمہ داری زکوٰۃ دہندہ پر نہیں ہے، اس کا فرض شروع میں صرف اتنا ہے کہ پہلے وہ دیکھ لے کہ اس آیت کے مصداق ہیں، یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۲/جمادی الآخر ۶۳ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۷۱)

سوال: زکوٰۃ وفطرہ وکھال قربانی کتنے آدمی پر تقسیم کئے جاتے ہیں، اس کا جواب قرآن و حدیث فرمائیے؟ بینوا توجروا۔

جواب: زکوٰۃ آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ (سورۃ توبہ رکوع ۷)

یعنی زکوٰۃ فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے، اور ان لوگوں کے لئے جو اس پر عامل ہوں، اور مؤلفہ قلوب کے لئے اور گردن چھوڑانے کے لئے اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کیلئے اور مسافر کے لئے ہے۔

اور فطرہ بھی انہیں آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنا چاہیئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرہ کو زکوٰۃ فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا: فمن اداہا قبل الصلوٰۃ فہی زکوٰۃ مقبولۃ۔

اور ابن عمر سے روایت ہے، فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر الحدیث، اور کھال قربانی کا بھی وہی حکم ہے، جو کھال ہدی کا حکم ہے، اور کھال ہدی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم کیا کہ مسکینوں کو بانٹ دیں،

امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اقسم لحومہا وجلودہا وجلالہا علی المساکین ولا اعطی فی جزارتہا شیئا منہا، سبل السلام میں ہے، حکم الاضحیۃ حکم الہدی فی انہ لایباع لحمہا ولا جلدہا ولا یعطی الجزار منہا شیئا واللہ اعلم بالصواب (حررہ عبدالعزیز عفی عنہ) (سید نذیر حسین) (فتاویٰ نذیریہ ص ۰ ۵ جلد ۱)

سوال :۔ دھان چاول وغیرہ سب چیزوں کی قیمت گراں ہے، اکثر آدمی بھوکے رہتے رہتے قریب المرگ ہو گئے، صدقہ خیرات کرنا تو درکنار جان بچانا مشکل ہے، اور صدقہ فطر ادا کرنے میں معذور، کیونکہ چاول صاع کے حساب سے آٹھ آنے کے ہوتے ہیں، جس کو مہیا کرنے سے ہر شخص قاصر ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں صدقہ فطر معاف ہو سکتا ہے، یا نہیں، اگر نہ ہو تو کس طریقہ کو اختیار کرنے سے فرض نبوی بہ آسانی ادا ہو جاوے؟

جواب :۔ صدقہ فطر از روئے آیۃ کریمہ واحادیث صحیحہ فرض عین ہے، مگر جو شخص وسعت نہیں رکھتا، وہ بحکم قولہ تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا معافی میں داخل ہے، مگر دانستہ محتاج نہ بنے اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۷)

باب المتفرقات

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں محققین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اموال سوائے سوائم کے طرف سردار رئیس اعظم امیر المؤمنین کہ مشابہ صفات واستیلا خلفائے راشدین کے ہوں، ارسال کرنا ضروری ہے یا اولیٰ وافضل یا بجائے خود ادا کرنا اولیٰ وافضل ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب :۔ درصورت مرقومہ مخفی مباد کہ ادائے زکوٰۃ سراً وعلانیۃً اصالۃً ونیابۃً بلا ریب روا ہے، یعنی اصالۃً خود مالک مزکی ہوگا، اور نیابۃً ساتھ اذن دینے کے غیر کو کہ وہ غیر اصل مالک کی طرف سے ادا کر دے، اور غیر عام ہے کہ سلطان رئیس اعظم ہو یا کوئی ادنیٰ شخص دیانت دار ہو لیکن نیابۃً میں زکوٰۃ علانیہ ادا ہوگی، اور اصالۃً کی صورت میں اخفاء کما حقہٗ پایا جاوے گا، امر اخفاء اقویٰ ہے، اعلانیہ سے بدلیل۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجل تصدق فاخفی حتی لا تعلم شمالہ ما ینفق یمینہ، کما رواہ البخاری وغیرہ من المحدثین وفی روایۃ احمد تصدق فاخفی. وکذا للمصنف فی الزکوٰۃ عن مسدد عن یحییٰ تصدق

بصدقة فاخفاها. قوله بصدقة نكرها ليشمل كل ما يتصدق من قليل وكثير وظاهره ايضاً ليشمل المندوبة والمفروضة۔

وفی مسند احمد من حديث انس باسناد حسن مرفوعاً ان الملائكة قالت يارب هل من خلقك شيء اشد من الجبال قال نعم الحديد قالت فهل اشد من الحديد قال نعم النار قالت فهل اشد من النار قال نعم الماء قالت فهل اشد من الماء قال نعم الريح قالت فهل اشد من الريح قال نعم ابن آدم يتصدق بيمينه فيخفيها عن شماله كذا فی فتح الباری ص۱۲۳ جلد۲ مطبوعہ مصر۔

صحیح بخاری میں ہے، باب صدقة العلانية وقوله عزوجل اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً الی قوله وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقر)

امام بخاری نے آیت پر اکتفا کیا، اور کوئی حدیث ان کی شرط پر علانیہ کی نہیں پائی گئی کہ لاتے اور دوسرا باب سر کا باندھا۔

باب صدقة السر وقال ابوهريرة عن النبي صلی الله عليه وسلم ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لاتعلم شماله ماصنعت يمينه وقوله تعالی اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ الاية واذا تصدق علی غنی وهو لايعلم ثم ساق حديث ابی هريرة فی قصة الذی خرج بصدقة فوضعها فی يد سارق ثم زانية ثم غنی كذا وقع فی رواية ابی ذر ووقع فی رواية غيره باب اذا تصدق علی غنی وهو لايعلم وكذا هو عند الاسماعيلی ثم ساق الحديث ومناسبة ظاهرة ويكون قد اقتصر فی ترجمة صدقة السر علی الحديث المعلق وعلی الاية وعلی ما فی رواية ابی ذر فيحتاج الی مناسبة بين ترجمة صدقة السر وحديث المتصدق ووجهها ان الصدقة المذكورة وقعت بالليل لقوله فی الحديث فاصبحوا يتحدثون بل وقع فی صحيح مسلم التصريح بذلك لقوله فيه لاتصدقن الليلة كما سياتی فدل علی ان صدقته كانت سراً اذ لو كانت بالجهر نهاراً لما خفی عنه حال الغنی لانها فی الغالب لاتخفی بخلاف الزانية والسارق ولذلك خص الغنی بالترجمة وهذا حديث ابی هريرة المعلق طرف من حديث سياتی بعد باب بتمامه وقد تقدم مع الكلام عليه مستوفی فی باب من جلس فی المسجد ينتظر الصلوة وهو اقوی الادلة علی افضلية اخفاء الصدقة واما الآية فظاهرة فی تفضيل صدقة السر ايضاً ولكن ذهب الجمهور الی انها نزلت فی صدقة التطوع ونقل الطبری وغيره الاجماع علی ان

الاعلان فی صدقۃ الفرض افضل من الاخفاء وصدقۃ التطوع علی العکس من ذالک۔ وخالف یزید بن ابی حبیب فقال ان الایۃ نزلت فی الصدقۃ علی الیھود والنصاریٰ قال فالمعنی ان تؤتوھا الفقراء کم سراً فھو خیر لکم۔ قال وکان یامر باخفاء الصدقۃ مطلقاً ونقل ابواسحاق الزجاج ان اخفاء الزکوٰۃ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان افضل فاما بعدہ فان الظن یساء بمن اخفاھا فلھذا کان اظہار الزکوٰۃ المفروضۃ افضل قال ابن عطیۃ ویشبہ فی زماننا ان یکون الاخفاء بصدقۃ الفرض افضل فقد کثر المانع لہا وصار اخراجہا عرضۃ للریاء انتہیٰ وایضاً۔

فکان السلف یعطون زکواتہم للسعادۃ وکان من اخفاھا اتہم بعدم الاخراج واما الیوم فصار کل احد یخرج زکوٰتہ بنفسہ فصار اخفاءھا افضل واللہ اعلم۔

قال الزین بن المنیر وقیل ان ذالک یختلف باختلاف الاحوال لما کان بعیداً فاذا کان الامام مثلاً جائراً ومال من جبت علیہ مخفیا فالاسرار اولیٰ وان کان المتطوع ممن یقتدی بہ ویتبع وتنبعث الہمم علی التطوع بالانفاق وسلم قصدہ فالاظہار اولیٰ واللہ اعلم۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

(فتاویٰ نذیریہ ص۴۹۱ ج ۱)

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص باوجود علم بفرضیت زکوٰۃ زکوٰۃ نہ دے، عند الشرع اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ کیا برتاؤ چاہیئے؟

جواب:۔ زکوٰۃ فرض ہے، اور اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے، جو لوگ اس کی فرضیت سے منکر و جاحد ہوں، وہ کافر ہیں، اور جو لوگ اس کی فرضیت کے قائل ہوں، اور باوجود علم بفرضیت زکوٰۃ نہ دیں، وہ فاسق ہیں، اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ چاہیئے، جو فساق کے ساتھ چاہیئے، ہدایہ میں ہے:۔ الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصابا ملکا تاما وحال علیہ الحول اما الوجوب فلقولہ تعالیٰ وآتوا الزکوٰۃ ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ادوا زکوٰۃ اموالکم وعلیہ اجماع الامۃ والمراد بالواجب الفرض لانہ لاشبہۃ فیہ انتہیٰ۔ اور ہدایہ کے حاشیہ میں ہے حتی کفر جاحدہا وفسقوا تارکہا انتہیٰ

حررہ عبدالوہاب عفی عنہ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۹۵ جلد ۱)

سید محمد نذیر حسین

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ مال مخلوط مال طیب ہے، یا خبیث اور مال مخلوط میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ اور ایسے مال سے اگر زکوٰۃ دی جائے، تو ادا ہو گی یا نہ ؟ اور فقراء، مساکین وغیرہ مصارف زکوٰۃ کو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- مال مخلوط نہ طیب ہے، نہ خبیث بلکہ مشتبہ ہے، زکوٰۃ مخلوط مال کی دینی چاہیئے،

حررہٗ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ صـ۱۱۳ جلد ۱)

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے پانچ سو روپیہ پر عمرو کی چند بیگھ زمین رہن رکھی، اس شرط پر کہ زید خراج کے بعد دس روپیہ سال بھر کے اپنے اصل روپیہ سے خارج کرتا گیا، اور ماحصل زراعت کو وصول کرتا گیا، تاوقتیکہ مالیقی روپیہ زید کو نہ ملے اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ پانچ سو روپیہ کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

جواب:- مذکورہ روپیہ کی زکوٰۃ زید پر فرض ہے، اس لئے کہ آیت کریمہ اِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ الیٰ قولہ فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ معاملہ رہن قرض ہے، اور قرض سے انتفاع جائز نہیں، موافق حدیث شریف لایغلق الرہن من صاحبہ الذی رہنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ رواہ الشافعی والدارقطنی وقال ہذا اسناد حسن متصل کذا فی المنتقی۔

پس زید کا یہ معاملہ رہن بوجہ اشتراط انتفاع ناجائز ہے، اور جبکہ ناجائز ہے تو زید کا روپیہ زید کے ملک میں رہا گو زید اپنے زعم میں سمجھے کہ روپیہ میری ملک میں نہیں ہے، بناءً علیہ روپیہ مذکورہ کی زکوٰۃ زید پر فرض ہے، اور اگر فرض کیا جائے، کہ رہن سے انتفاع جائز ہے، تو بھی زکوٰۃ زید ہی پر فرض ہو گی، کیونکہ معاملہ رہن قرض ہے، اور قرض دادہ شدہ روپیہ میں قرض دینے والے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ احمد عفی عنہ (فتاویٰ نذیریہ صـ۴۹ جلد ۱) | سید محمد نذیر حسین |

سوال:- جس شخص کی زکوٰۃ بہت ہو، اگر وہ اس میں سے سال پورا ہونے سے پہلے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی کسی محتاج کو جیسا موقع پیش آوے دیتا رہے، تو آیا وہ زکوٰۃ جس کا ابھی وقت نہیں آیا، اس طور سے ادا ہو جاوے گی، یا نہ؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اگر سال پورا ہونے سے پہلے بہ نیت زکوٰۃ مساکین کو مالک نصاب کچھ دے دیا کرے تو وہ زکوٰۃ میں بوقت حساب گنا جاوے گا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ان العباس سئل النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی تعجیل صدقتہ قبل ان تحل فرخص لہ فی ذالک رواہ احمد والبوداؤد۔

امام احمدؒ اور البوداؤدؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کو اس کے وقت آنے سے پہلے ادا کرنے کے بارے میں پوچھا تو آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بارے میں اجازت دی، حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہ

(فتاوےٰ غزنویہ ص۱۱۱ جلد۱)

قرض دار کے کل مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے پاس بہت سا مال ہے، اور وہ قرض دار بھی ہے اور قرض خواہ کو کسی خاص وجہ سے نہیں دیا، یا قرض خواہ نے اس کے پاس امانت رکھا ہے تو یہ شخص اس سارے مال سے زکوٰۃ ادا کرے یا قرض کا مقدار چھوڑ کر باقی اگر قابلِ زکوٰۃ ہو، اس سے ادا کرے بینوا توجروا۔

جواب:۔ کل مال کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں قرض کے مقدار اس سے منہا کر کے باقی اگر بقدر نصاب ہو اس کی زکوٰۃ دے، والا فلا اقناع میں ہے:۔

ولا زکوٰۃ فیمن علیہ دین یستغرق النصاب او ینقصہ ولا یجد ما یقضیہ بہ سوی النصاب او ما لا یستغنی عنہ۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما۔

جس شخص کے ذمہ اس قدر قرض ہو کہ نصاب کو کھا جائے یا اس سے کم کر دے اور اس کے پاس نصاب کے سوا اور کوئی چیز نہیں کہ جس سے وہ اپنا قرض ادا کرے، یا ہے تو کوئی ایسی ضروری چیز ہے کہ جس سے اس کو چارہ نہیں (جیسے رہنے کا مکان اور کپڑا پہننے کا) تو اس شخص کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(فتاویٰ غزنویہ ص۱۱۱ جلد۱)

سوال:۔ ایک شخص سے ایک مسلمان نے قرض لے رکھا ہے، ایک سال گذر چکا ہے، مگر ابھی قرضدار نے مالک کو روپیہ ادا نہیں کیا ہے، ایسی صورت میں ان روپوں کی زکوٰۃ کس کے ذمے یا قرض خواہ کے؟ (سائل خادم سنت پوری قلعہ شیخوپورہ)

جواب:۔ قرضدار کے ذمے کوئی زکوٰۃ نہیں، وہ رقم کا مالک نہیں ہے، ہاں قرض خواہ کو زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (اہلحدیث گزٹ جلد ۹ شمارہ ۱۱)

(حضرت مولانا مولوی محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی مدرس مدرسہ حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی (پھاٹک حبش خان دہلی)

سوال:۔ زید نے اپنا مکان مبلغ تین ہزار روپیہ میں فروخت کر دیا، اور وہ روپیہ دوسرا مکان خریدنے کے لئے محفوظ رکھا ہوا ہے، آٹھ سال سے روپیہ رکھا ہوا ہے، مکان خریدنے کی بات چیت ہو رہی ہے، کیا اس روپیہ میں زکوٰۃ فرض ہے یا معاف ہے؟

سائل عبدالرحمان کا سگنج خریدار اخبار ۱۹۸

جواب:۔ رقم مذکور پر آٹھ سال کی زکوٰۃ دینی ہوگی، ایک سال گزرتے ہی نقدی پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، چاہے وہ روپیہ کسی مقصد کے لئے بھی رکھے ہوئے ہوں، زکوٰۃ حولان حول پر فرض ہو جاتی ہے۔ (اہلحدیث گزٹ جلد ۹ شمارہ ۱۵)

(محمد یونس مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خاں دہلی)

سوال:۔ مال عشر یا زکوٰۃ مسکین شخص کو سفر حج کیلئے دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جمہور اہل علم کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما۔

(فتاویٰ غزنویہ ص۱۲۳ جلد ۱)

توضیح:۔ جب غریب اور مسکین کو عشر۔ زکوٰۃ لینا اور اس کو دینا جائز بلکہ مصرف ہے، تو وہ جہاں چاہے صرف کرلے، اس کا ملک ہے، عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الزکوٰۃ فی الحج یعنی زکوٰۃ کے روپیہ سے حج کرا دینا اور ابو داؤد میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹ سے ایک صحابی کو حج کرایا تھا، امام ابویوسف

کا بھی فتویٰ کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ مال زکوٰۃ سے حج کرایا جائے۔

(الراقم علی محمد سعیدی خانیوال)

مال زکوٰۃ سے حج کرنا

سوال:۔ ایک شخص موحد دین دار ہے، حج بیت اللہ کا نہایت ہی شائق ہے، لیکن وجہ غربت و ناداری حج نہیں کر سکتا اس لئے بعض امراء سے درخواست ہے کہ مجھے زکوٰۃ سے روپیہ دیں تاکہ حج کر آؤں کیا ایسے شخص کو حج کے لئے زکوٰۃ دینی جائز ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان فرمائے ہیں، جن میں ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے، اور وہ عام ہے، اور ہر کارِ خیر کو شامل ہے جس میں حج بھی شامل ہے، حضرت امام بخاری اس مصرف کو مانتے ہوئے، اپنی صحیح کتاب میں لکھتے ہیں، الزکوٰۃ فی الحج یعنی زکوٰۃ کے روپیہ سے حج کرا دینا، اور ابوداؤد شریف میں ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹ سے ایک صحابی کو حج کرایا تھا، امام ابویوسف کا بھی فتویٰ کتب فقہ میں مرقوم ہے، کہ مال زکوٰۃ سے حج کرا دیا جائے، تو اس صورت مذکورہ میں شخص مذکورہ کو حج کے لئے رقم مد زکوٰۃ سے دینا جائز ہے، اور وہ اس سے حج کر سکتا ہے۔ (محمد یونس دہلوی)

(اہلحدیث گزٹ شمارہ ۱۵ جلد ۸)

سوال:۔ حج میں زکوٰۃ کا مال دینا درست ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ قرآن مجید میں ایک مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ ہے، فی سبیل اللہ سے جہاد مراد ہے، بعض نے اس کو عام رکھا ہے، «روضۃ الندیہ» میں ہے فی سبیل اللہ سے عام مراد ہے، اور صحیح بخاری میں ہے، ویذکر عن ابن عباس یعتق من زکوٰۃ مالہ ویعطی فی الحج، وقال الحسن ویعطی فی المجاہدین والذی لم یحج۔ ویذکر عن ابی الآس حملنا اللنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج انتہی، اور فتح الباری میں ہے، وعن احمد واسحق الحج من سبیل اللہ اخرجہ ابو عبید باسناد صحیح انتہی۔

حاصل یہ کہ حدیث ابی الآس اور قول عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، امام حسن بصری، امام احمد اور امام اسحاق کے نزدیک حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے، امام بخاری بھی جواز کی طرف مائل ہیں، کیونکہ اس کے معارض کوئی اثر نہیں لائے، اور حج پر اطلاق جہاد صحیح ہے، چنانچہ امام بخاری کتاب الحج میں لائے ہیں، وقال عمر شدوا الرحال فی الحج فانہ احد الجہادین، وعن عائشۃ ام المؤمنین انہا قالت یارسول اللہ نری الجہاد افضل العمل افلا نجاہد قال لا لکن افضل الجہاد حج مبرور

(نیک محمد مدرس مدرسہ غزنویہ امرتسر) (الاعتصام جلد ۳ شمارہ ۶-۷، ستمبر ۱۹۵۱ء)

سوال: ۔ ایک آدمی کے پاس مال بہت ہے، مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتا، اس کا مال حلال ہوگا یا حرام؟ (طاہر ساہیوال)

جواب: ۔ مال کی حلت اور حرمت تو اس کی کمائی پر موقوف ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے اس کی حلت حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اس سے کفر لازم آتا ہے، اور کفر کی سزا قیامت ہی کو ملے گی،

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ شمارہ ۳۳)

سوال: ۔ اموال زکوٰۃ سال دو سال یا ایک دو ماہ تک جمع رکھ لینا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ اگر کوئی طالب اور مستحق نہیں مل رہا ہے، تو امانتہً جمع رکھا سکتا ہے،

(عبدالسلام بستوی دہلی) (اہلحدیث دہلی جلد ۳ شمارہ ۲۴ ۱۳۷۳ھ)

سوال: ۔ ایک شخص نے کسی مسکین کو صدقہ دیا، اس مسکین نے اسی مال سے اس معطی کی ضیافت کی اس کو معلوم ہو گیا، کہ یہ کھانا اسی مال سے تیار ہوا ہے، جو میں نے دیا تھا، تو اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس مال سے ضیافت نہ منظور کرنی چاہیئے، حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فی سبیل اللہ گھوڑا دیا، پھر اس کو خریدنا چاہا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا، (مشکوٰۃ باب من لا یعود فی الصدقۃ ص ۱۶۷) جب صدقہ خریدنا جائز نہیں، تو مفت کھانا کیسے جائز ہو گا؟

(تنظیم اہلحدیث جلد ۲۱ شمارہ ۹)

توضیح الکلام:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں یوں باب منعقد کیا ہے، باب اذا تحولت الصدقۃ۔ جب صدقہ کی ہیئت بدل جائے تو حکم بھی بدل جاتا ہے، پھر اس باب کے تحت ام عطیہ سے روایت لاتے ہیں: فقالت دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال ہل عندکم شیٔ فقالت لا الا شیٔ بعثت بہ الینا نسیبۃ من الشاۃ التی بعثت لہا من الصدقۃ فقال انہا قد بلغت محلّہا ص ۲۰۲۔

امام مسلم بھی اپنی صحیح میں یہ حدیث اور اس جیسی دیگر حدیثیں لاتے ہیں جن پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تبویب کی ہے، باب بیان ان الصدقۃ اذا قبضہا المتصدق علیہ زال عنہا وصف الصدقۃ وحلت لکلِ احد ممن کانت الصدقۃ محرمۃ علیہ (جلد اول ص ۳۴۵)

خلاصۃ الاحادیث سے یہ ثابت ہوا کہ صدقہ دینے والے کو اس کی دعوت قبول کرنا درست ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ علم الکتاب۔

(علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال:۔ مالِ زکوٰۃ میں سے صاحبِ زکوٰۃ تجارت کر سکتا ہے، یا نہیں جبکہ وہ حصہ رسدی کے طور سے حصہ بھی لیتا ہے، اور زمانہ خیر القرون میں بیت المال سے تجارت کرنا ثابت ہے، یا نہیں؟

(ماسٹر عبدالحفیظ لیہ ضلع مظفر گڑھ)

جواب:۔ زکوٰۃ میں سے صاحبِ زکوٰۃ کو تجارت کرنا اس کی دو صورتیں ہیں۔

نمبر ۱:۔ ایک یہ کہ سال پورا ہوتے سے پہلے زکوٰۃ نکال کر اس میں تجارت کرے، اور جب زکوٰۃ کا وقت آئے تو اصل زکوٰۃ ادا کرے، اور منافعہ میں تجارت کرتا رہے، اس میں اور تو کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی، صرف اتنا خدشہ ہے کہ زکوٰۃ کا منافعہ بھی زکوٰۃ کا حکم رکھتا ہے، اور اپنا صدقہ انسان کو کھانا منع ہے، یہاں تک کہ خرید بھی استعمال نہیں کر سکتا، تو تجارت میں حصہ رسدی لینا کیوں کر جائز ہوگا۔

نمبر ۲:۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ روک رکھے اور اس

میں تجارت کرے، تو اس میں گزشتہ خطرہ کے علاوہ زکوٰۃ کو روک رکھنے میں بھی خرابی ہے اگر ادا نہ کی، اور پہلے مرگیا تو مجرم ہوگا، ہاں صاحب زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی تجارت کرے، تو اس کا کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیت المال کے لئے بصرہ سے مال بھیجا تھا جس میں ان کو تجارت کی اجازت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کے مشورہ دینے پر اس کو مضاربت یعنی منافعہ میں حصہ رسدی پر تجارت بنا لیا۔

(عبداللہ امرتسری)

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۳ شمارہ ۲۱ ؁ ۱۹۶۰ء)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے روپیہ میں زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ وہ روپیہ اس کے قبضہ میں نہیں ہے، ملازمت ختم ہونے کے بعد وہ اس روپیہ پر قابض ہوگا، لیکن عمر کہتا ہے کہ پراویڈنٹ کے روپیہ میں بدستور زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ وہ روپیہ بھی بنک وغیرہ میں جمع کئے ہوئے روپیہ کی طرح ہے، جب بنک وغیرہ میں جمع کئے ہوئے روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے، تو پراویڈنٹ فنڈ کے روپیہ میں سے کیوں نہ ادا کی جائے،

(ب) نیز بعض تاجروں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ صرف سالانہ آمدنی کے روپے میں سے واجب ہے، اصل جمع کئے ہوئے روپے میں نہیں ہے، آیا یہ خیال ان کا درست ہے یا نہیں؟۔

(ج) نیز زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ (ا) ظاہر حدیث ما حال علیہ الحول سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ جو مال اپنے قبضہ میں ہوتا ہے، اس میں زکوٰۃ ہے، پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اب تک اس کے قبضہ میں نہیں آئی، جو رقم بنک میں جمع ہے، وہ اس کے قبضے میں ہے اور اسی نے جمع کرائی ہے،

(ب) جو سونا چاندی وغیرہ جس کے پاس ہو اس سے ہر سال زکوٰۃ دے، جب تک نصاب زکوٰۃ تک مال ہے، تب تک زکوٰۃ ہے

نیز میری ناقص تحقیق میں زیورات میں زکوٰۃ فرض نہیں، اگر دے تو اچھا ہے۔ واللہ

واللہ اعلم بالصواب :۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۸ اگست ۱۹۳۹ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۴۲

سوال :۔ زید نے ایک لاری قرضہ برداشت کر کے خرید کی، کچھ مدت بعد اسے فروخت کر دیا، حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد اتنی رقم بچ رہی جس پر زکوٰۃ واجب ہے اب اس رقم پر زکوٰۃ کب واجب ہو گی؟۔ (غلام نبی خریدار)

جواب :۔ جس روز قیمت وصول ہوئی ہے، اسی روز سے ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب الادا ہو گی۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۲۶ رجب ۱۳۶۲ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۱)

سوال :۔ زکوٰۃ، قربانی اور عقیقہ کی خیراتی رقوم کے احکام مختلف ہیں یا نہیں؟ (ایضاً)

جواب :۔ زکوٰۃ کے مصارف اس آیت میں بیان ہوئے ہیں، اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ الآیۃ قربانی یا عقیقہ کا چمڑا خاص مساکین کا حق ہے۔ (ایضاً)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۱)

سوال :۔ زکوٰۃ راس المال یعنی پونجی پر ہے، یا منافع پر ہے، مثلاً زید نے پانچ ہزار روپے سے تجارت شروع کی ایک سال گزرنے پر اس کو ایک ہزار منافع ہوا، اور دوسرے سال چھ ہزار سے تجارت کی تو سال گزرنے پر پھر ایک ہزار منافع ہوا تو پہلے سال اور دوسرے سال کتنے روپے کی زکوٰۃ ادا کرے، اسی صورت سے تیسرے سال سات ہزار سے تجارت شروع کی تو سال ختم ہونے پر اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوا، تو وہ زکوٰۃ دے گا، یا نہیں؟

(سیکرٹری انجمن فلاح المسلمین گریڈیہ)

جواب :۔ زکوٰۃ اصل مال پر ہے جس پر پورا سال گزرا ہو، صورت مرقومہ میں پہلے سال پانچ ہزار کی واجب ہو گی، اور دوسرے سال چھ ہزار کی۔ نفع بعد وصول آئندہ سال میں محسوب ہو گا، چونکہ زکوٰۃ اصل مال پر از قسم عبادت ہے اس لئے جس سال نفع نہیں ہوا، اس سال بھی زکوٰۃ واجب ہو گی (اہلحدیث ۳۰ رمضان ۱۳۵۰ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۸)

سوال :- زید کے پاس زمین مال مویشی پیدائش زمینداری زیورات وغیرہ ملکیت ہیں اور اس پر قرضہ بھی ہے، اگر زمین (غیر متحرک ملکیت) علیحدہ کردی جائے، تو قرضہ زیادہ ہوجاتا ہے، اگر زمین ساتھ ملالی جائے تو ملکیت زیادہ ہوجاتی ہے، کیا ایسی حالت میں زید پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں! (علی محمد خاں افغان خریدار)

جواب :- بہتر یہی ہے، کہ زمین کو الگ رکھ کر اس کی زکوٰۃ عشر یا نصف عشر ادا کی جائے باقی کو قرضہ میں محسوب کرلو یہ مناسب سمجھو ایسے امور کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔ استفت قلبك اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لو۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث ۱۹ جون ۱۹۴۵ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۴۷۴ـ

سوال :- دنیا میں حرفت پیشہ لوگ مثلاً درزی وغیرہ سال بھر میں ہزاروں روپے پیدا کرتے ہیں، اس میں زکوٰۃ ہے، یا نہیں؟

جواب :- خرچ کرنے کے بعد جتنا روپیہ بچ رہے، اور سال اس پر گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر آمد و خرچ برابر ہے، یعنی جتنی آمدنی ہوئی، اتنا ہی خرچ ہوگیا تو پھر زکوٰۃ کس چیز پر، اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۸ مئی ۱۹۴۵ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۴۷۲ـ

سوال :- کیا روپے کی زکوٰۃ پورا سال گزر جانے پر ہے، یا چند ماہ گزرنے پر۔

جواب :- زکوٰۃ سال کے بعد ادا کرنی واجب ہوتی ہے، اگر پہلے بھی ادا کردی جائے تو جائز ہے، (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۴۷۳ـ

سوال :- کیا زکوٰۃ بعد ختم سال فوراً ادا کردی جائے یا بتدریج موقعہ بموقعہ مستحقین کے ملنے پر بھی دے سکتے ہیں؟

جواب :- دونوں طرح جائز ہے وَاللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (اہلحدیث ۲۹ رجب ۱۳۴۰ھ)

تشریح :- زکوٰۃ کا مال بعد سال گزرنے کے مستحقین فقراء و مساکین وغیرہ کا ہے، اور مالک کے پاس وہ بطور امانت ہے، اور فرمان باری ہے، إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ پھر جب فقراء و مساکین مستحقین بھی ہوں، اور وہ تاخیر نہیں چاہتے تو پھر تاخیر جائز نہیں

ہے، ورنہ جائز نہ ہے، پھر خصوصاً قرب و جوار کو چھوڑ کر بہت دیر یعنی سال بھر تک منتظر رہنا جائز نہیں ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۷۸

سوال:۔ صاحب نصاب جس نے بقدر حاجت زکوٰۃ الگ کر رکھا ہے زکوٰۃ کا مال بوقت ضرورت خود خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بطور قرض کر سکتا ہے اگر ادا کرنے کی نیت رکھے۔

(۲۵ رجب ۴۳ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۷۹

سوال:۔ زید نے محض اس نیت سے سیونگ بنک میں روپیہ رکھا ہوا ہے کہ مناسب موقع ملنے پر اپنے لئے رہائشی مکان تعمیر کرے، سود حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہیں تو (ا) کیا ایسے روپے پر زکوٰۃ واجب ہے، (ب) سیونگ بنک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ایک سائل از جالندھر)

جواب:۔ صورت مرقومہ میں سیونگ بنک کا سود لینے کا فتویٰ جماعت اہلحدیث میں سے مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی نے دیا ہوا ہے جب تک روپیہ مکان پر نہ لگے زکوٰۃ واجب ہوگی مکان رہائشی پہ لگنے سے معاف ہوگی۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۸۰)

(۱۵ جمادی الاول ۴۶ھ)

سوال:۔ ایک زمین ایک شخص نے خریدی۔ ایک ہزار یا کچھ کم کی، اس کی زکوٰۃ بھی ہوگی زمین افتادہ ہے کوئی آمدنی نہیں ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں زمین کی بابت ارشاد ہے، وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ۔ یعنی زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرو، بغیر پیداوار کے زمین پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث ۱۲ مئی ۳۳ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۸۰

سوال:۔ زید مقروض ہے، مگر اس کے پاس اتنی رقم ہو گئی کہ جس سے وہ اپنا قرض ادا کر سکتا ہے، اگر زید اپنا قرض ادا کر دے تو ذریعہ معاش کا راستہ بند ہو جاتا ہے، ایسی مجبوری کے پیش نظر زید اپنا قرض ادا نہیں کرتا تو کیا صورت مذکورہ میں موجودہ رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ (دیکھئے از گیادی)

جواب: قرض ہر حال میں قرض ہے اس کے ہوتے ہوئے نصاب زکوٰۃ میں اس کا لحاظ رہے گا۔ یعنی مقروض پر بوجہ قرض زکوٰۃ واجب نہیں۔ اللہ اعلم

(۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۸۱

سوال: بکر زکوٰۃ کے روپے بیت المال کے کافی انتظام نہ ہونے کے باعث مستحقین پر خود اپنے ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب بیت المال کا انتظام باقاعدہ کسی معتمد کے ماتحت نہیں، تو پھر خود بخود نہ ادا کرے تو کیا کرے، حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جب امام نہ ہوگا تو سب سے علیحدہ ہو کر زندگی گزار لینا۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۸۶

سوال: زید کے پاس بسبب امین ہوتے کے دیگر اشخاص کی امانت ہر سال جمع رہتی ہے، یعنی ہزار دو ہزار تو کیا ایسے روپوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہے؟

جواب: زید (امین) پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۱۹ فروری ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۸۱)

توضیح: بلکہ اصل مالک پر زکوٰۃ فرض ہے، (سعیدی)

بیت المال شرعی نقطہ نظر سے

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

سوال: (ا) شرعی نقطہ نگاہ سے بیت المال کا قیام کیونکر ہو سکتا ہے، اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

(ب) کیا کسی امیر کے بغیر بیت المال بن سکتا ہے؟

(ج) بیت المال مرکز میں ہوتا ہے، یا بستی میں؟ بستی کا بیت المال الگ بھی ہو سکتا ہے؟

(د) کیا رائج الوقت انجمنیں اپنے خزانہ کا نام بیت المال رکھ سکتی ہیں؟

(ہ) کیا کوئی انجمن اپنے بیت المال میں ہر قسم کے صدقات، خیرات زکوٰۃ جمع کر کے اس سے

کتابیں چھاپ کر اُن کی تجارت کر سکتی ہے؟

جواب:۔ بیت المال دراصل نام ہے اسلامی خزانہ کا جس کے مختلف شعبے ہوتے ہیں، اور ہر شعبے کے مصارف جداگانہ اور الگ تھے، جس کا قائم کرنا اور اس کے مصارف پر صرف کرنا واجب تھا اور ہے، مثلاً۔

ایک شعبہ "بیت الخمس" کے نام کا ہوتا تھا جس میں غنائم و رکاز کے خمس جمع ہوتے تھے۔

دوسرا شعبہ "بیت الصدقات" کا تھا جس میں زکوٰۃ و صدقات کے اموال جمع ہوتے تھے۔

تیسرا شعبہ بیت المال کا "بیت الخراج والجزیہ والفیٔ" تھا۔

چوتھے شعبہ میں "لقطے اور لاوارث لوگوں کے ترکے" جمع ہوتے تھے۔

بیت المال کی اہمیت اور افادیت ایسی واضح اور کھلی ہوئی ہے، کہ اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بیت المال کے قیام کے لئے اسلامی حکومت و امارت کا ہونا شرط نہیں ہے، جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں بھی بیت المال قائم ہو سکتا ہے، اس لئے صرف جماعتی تنظیم کا ہونا ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ جماعتی تنظیم کا وجود بغیر سردار یا صدر یا امیر یا سربراہ اور اس کی سمع اور اطاعت کے نہیں ہو سکتا، اور اسلام غیر منظم زندگی کا متحمل بھی نہیں۔ پس جس مقام کے مسلمان اس قسم کا نظم قائم کر کے ایک نظام میں مربوط ہو جائیں، خواہ اس نظام کو انجمن یا جمعیت کہیں یا کچھ اور یا کوئی نام نہ رکھیں۔ بہر حال وہ اپنے یہاں "بیت المال" قائم کر سکتے ہیں، بلکہ ان کے لئے بیت المال کے بغیر چارہ نہیں۔ موجودہ وقت میں یہاں بیت المال میں مویشیوں کی زکوٰۃ، زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر، نقد سونے اور چاندی کی زکوٰۃ، مالِ تجارت کی زکوٰۃ، فطر، چرم قربانی، نفلی صدقات، لقطے اور لاوارث لوگوں کے ترکے جمع ہو سکتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ بیت المال کے لئے کوئی خاص عمارت اور مکان متعین ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے لئے کوئی مکان نہیں تھا، کیونکہ زکوٰۃ عشر اور خراج کی جو رقم آتی تھی، وہ فوراً تقسیم کر دی جاتی تھی، جمع اور محفوظ رکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی بیت المال

نہیں بنوایا، بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا، ہاں ابن سعد کی بعض روایتوں سے اتنا ثابت ہوتا ہے، کہ انہوں نے بیت المال کے لئے ایک مکان خاص کر لیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا،

سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی عمارت کی بنیاد ڈالی، اور دارالخلافہ (مدینہ منورہ) میں اسلامی خزانہ قائم کیا، اور اس کے لئے باقاعدہ افسر اور دوسرے عملہ مقرر کیے، مدینہ منورہ کے علاوہ تمام صوبوں اور اہم مقامات میں بھی بیت المال قائم کئے، معلوم ہوا کہ مرکز کے علاوہ دوسرے اہم مقامات مثلاً صوبوں اور ضلعوں میں بھی بیت المال قائم کئے جا سکتے ہیں، ان مقامی و ضلعی بیت المالوں کی رقوم کو ان کے مقامی مصارف میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ مرکز میں منتقل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مروجہ الوقت اسلامی انجمنیں اور جمعیتیں بلاشبہ اپنے خزانوں کا نام بیت المال رکھ سکتی ہیں، یہ نام اسلامی حکومت کے خزانے کے لئے نصاً مخصوص نہیں ہیں، اور نہ اس پہ کوئی دلیل اور قرینہ موجود ہے، پس مسلمان ایک نظم کے ماتحت جہاں کہیں ہوں، رقوم مذکورہ بالا جمع کر کے اس کا نام بیت المال رکھ سکتے ہیں، صدقات و خیرات کی رقم فقراء و مساکین و دیگر مصارف کا حق ہے، انجمن یا جمعیۃ وصول کر کے وکالۃً ان اموال کو ان کے مصارف منصوصہ میں صرف کرنے کا ذمہ دار ہے، اس رقم میں ایسی تجارت جس میں اصل رقم کے اندر نقصان و خسارہ کا ذرہ بھر بھی اندیشہ ہو قطعاً درست نہیں ہے، خاص صدقات کی رقم سے تجارت کرنے کے بارے میں خلافت راشدہ کے زمانہ کا کوئی واقعہ نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر بصرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادوں عبیداللہ اور عبداللہ کو بطور قرض کے بیت المال کی کچھ رقم، جو غالباً جزیہ یا خمس غنائم کی تھی، دی تھی، کہ اس سے تجارت کا مال خرید کر مدینہ لے جائیں، اور فروخت کر کے اصل رقم امیر المومنین کے حوالہ کر دیں، اور نفع خود رکھ لیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پسند نہیں کیا، پھر بعض مصاحبین کے مشورہ سے اس کو مضاربت قرار دے کر اصل رقم اور آدھا نفع بیت المال میں داخل کرا دیا، اور آدھا نفع دونوں لڑکوں کو مضارب ہونے کی حیثیت سے دے دیا۔

بیت المال کی جملہ رقوم اور آمد و خرچ باقاعدہ حساب و کتاب رکھنا ضروری ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے "عاملین" میں ساعی، جامع، محافظ، سائق، راعی، حامل، حاسب کاتب، کیال، وزان، عداد اور دوسرے اعوان کو داخل سمجھا ہے۔

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ شمارہ ۱)

سوال ۱:۔ میرا قریباً تین لاکھ روپیہ ایک بنک میں جمع ہے، قیام مارشل لاء تک میں باقاعدہ اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہا، لیکن جب پاکستان میں مارشل لاء نافذ ہوا، تو کسی نے میرے خلاف اس رقم کے متعلق درخواست دائر کردی، کہ اس نے میری اتنی رقم دھوکہ سے اپنے نام جمع کرائی ہے، اصل میں وہ اس رقم کا جائز مالک نہیں، یہ مقدمہ قریباً تین سال تک چلتا رہا، دوران مقدمہ میں میں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، آخر کار جولائی ۱۹۶۳ء میں میرے حق میں فیصلہ ہوگیا، اور مجھے اس رقم کا جائز مالک قرار دے دیا گیا،

اب سوال یہ ہے کہ میرے ذمے گزشتہ چار سال کی زکوٰۃ بھی ہے، یا صرف ایک سال کی جب سے مجھے اس رقم کا جائز مالک قرار دیا گیا۔

سوال ۲:۔ کیا زکوٰۃ کی رقم سے کچھ رقم تعمیر مسجد پر خرچ کی جاسکتی ہے؟

سوال ۳:۔ ایک سید جو نہایت ہی غریب اور مفلس ہے زکوٰۃ کی رقم سے اس کی امداد ہو سکتی ہے؟ (السائل عبدالرشید از سرگودھا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوھاب:۔ جواب ۱:۔ اس قسم کے مال کو مال ضماد کہتے ہیں، جو انسان کی ملک میں ہو، لیکن اس پر قبضہ نہ ہو، یعنی اس میں تصرف کی قدرت نہ ہو، جیسے صورت مسئولہ یا وہ قرض جو وصول نہیں ہوتا، ایسے اموال کے متعلق عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کا فیصلہ یہ ہے کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ ہے، جب کہ وصول ہو خواہ کئی سال گزر جائیں، (ملاحظہ ہو موطا امام مالکؒ مع زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ وغیرہ)

جواب ۲:۔ مسجد چونکہ وقف ہے، اس لئے اس پر زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی، اس کی

تفصیل آج کے فتوے جواب (الف ب) میں ہو چکی ہے۔

جواب ۳:۔ احادیث شریف میں تو یہی آیا ہے، کہ اہل بیت کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں، متاخرین علماء کرام نے یہ فتویٰ دیا ہے، کہ چونکہ خمس وغیرہ سے اہل بیت کے وظیفے مقرر تھے، اس لئے ان کے لئے زکوٰۃ جائز نہ تھی۔ اب مجبوری کی وجہ سے جائز ہو سکتی ہے، لیکن یہ فتویٰ ایک رائے ہے، اس لئے تسلی نہیں۔ ہاں کوئی زیادہ ہی مجبور ہو، جو اضطراری حال تک پہنچ جائے خود کما نہیں سکتا، اور بچے چھوٹے ہیں، یا کسی وجہ سے مجبور ہیں، تو ایسے حال میں کچھ گنجائش نکل سکتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہ ہو، اور معافی ہو جائے، لیکن پھر بھی جہاں تک پرہیز ہو سکے اچھا ہے۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ اہلحدیث لاہور) تنظیم اہلحدیث جلد ۱۶ شمارہ ۲۷

سوال:۔ زکوٰۃ کے صحیح مصارف کیا ہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ کے صحیح مصارف قرآن مجید نے آٹھ بیان کئے ہیں، فقیر، مسکین، زکوٰۃ جمع کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، غلام آزاد کرنا، تاوان، فی سبیل اللہ، مسافر،

(الاعتصام لاہور ۲۴ جنوری ۱۹۶۹ء) جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۲۶

سوال:۔ زکوٰۃ کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے کیا حکم دیا ہے، کس طرح ادا کرنی چاہیے، اکثر لوگ زکوٰۃ کو اور صدقۃ الفطر کو اپنے ہاتھ سے مصارف کو تقسیم کرتے ہیں، اور مصارف بھی جو خدا اور رسول نے نہیں بتائے، ان کو دیا جاتا ہے، جیسے ہمیشہ گھر گھر مانگنے والے کرتے ہیں، کو دیتے ہیں، دو آنے کسی کو چار آنے کسی کو روپیہ اس طرح کر کے تقسیم کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کی یہ زکوٰۃ و صدقہ فطر عند اللہ مقبول ہوئے کہ نہیں۔ قرآن و حدیث سے بدلیل جواب ہو؟

جواب:۔ زکوٰۃ، صدقۃ الفطر امام یا اس کے نائب کے حوالہ کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ ص ۶۸)

تشریح:۔ سائل کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ از خود تقسیم کرتے ہیں، وہ عند اللہ مقبول ہے یا نہیں، قرآن اور حدیث سے بیان فرمادیں، لیکن مفتی علیہ الرحمۃ نے صرف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اور دلائل سے مستفتی کی تشفی نہیں کی، اس مسئلہ کی تفصیل زیر عنوان

مالِ زکوٰۃ از خود تقسیم کرنا افضل ہے، یا سردار اور رئیس اعظم امیر المومنین کی طرف ارسال ضروری ہے، السید نذیر حسین علیہ الرحمۃ نے قرآن اور حدیث سے مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے، ارجع الیہ۔

(الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال ۲/۱۲)

سوال:۔ ایک شخص کا روپیہ نصاب ایسی جگہ پر قرض دیا ہوا ہے، رہن گرد کی صورت پر کرنہ چیز پہ قبضہ ہے، اور نہ ان روپیوں میں کوئی ترقی کی صورت ہے، نہ وصول کی کوئی امید غالب آتی ہے، اب ایسی صورت میں روپیہ والے پر زکوٰۃ ہے، کہ نہیں؟ صرف رہن کی تحریر تو کرائی ہے، حاکم وقت کے قانون کے کاغذ پر قرض دار بھی ہے؟

جواب:۔ وصولی کی امید ہے تو زکوٰۃ ادا کرے، ورنہ جب کبھی وصول ہوا اگلا پچھلا رہن حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے،

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۲۸)

توضیح الکلام:۔ سب سالوں کی زکوٰۃ نہیں بلکہ ایک سال کی زکوٰۃ ہے،

(الراقم علی محمد سعیدی)

سوال:۔ یہ جو اللہ پاک نے پارہ دس کے چودھویں رکوع میں فرمایا ہے، کس کو فرمایا ہے، یعنی اللہ کی طرف سے یہ فرض کس پر ہے، حاکم پر فرض ہے یا امام وقت پہ یا ہر زکوٰۃ دینے والے پر، زید کہتا ہے، زکوٰۃ دینے والے پر، عمرو کہتا ہے، زید جھوٹا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تقسیم کیا کرتے تھے، جیسے اس آیت سے پہلے تیرھویں رکوع میں فرماتا ہے، اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود تقسیم کیا کرتے تھے، اسی طرح امام وقت حاکم اسلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے اپنے ہاتھ سے تقسیم کرے یا اپنے ماتحت کے امیر کو حکم کر کے تقسیم کرائے، جیسے مشکوٰۃ میں ہے، معاذؓ کو فرمایا یمن کو رخصت کرتے وقت خذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم اب ان میں زید کی دلیل ٹھیک ہے یا عمرو کی، یعنی زید حق پر ہے یا عمرو۔ جواب موافق قرآن وحدیث کے عنائت ہو اللہ پاک جزا دے گا؟

جواب:۔ عمرو حق پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تقسیم کرتے تھے، امام نائب رسول

ہے. لہذا امام تقسیم کرے گا، یا اس کی اجازت سے تقسیم کی جائے گی،

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان ۱۳۶۳ھ جلد ۴ نمبر ۹) (فتاوی ستاریہ جلد ۱ ص ۶۸)

سوال:۔ تحصیلدار کو کوئی صاحب زکوٰۃ سوائے سرکاری مال کے اگر کچھ خاص طور سے دے دے تو اسے لے لینا، اور امیر یا امام کے پاس جمع کرانا اور یہ کہدینا کہ یہ مجھ کو الگ ملا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(سائل ابوالحفیظ جودھپور)

جواب:۔ ہرگز جائز نہیں کیوں کہ عامل یا تحصیلدار کو جو بیت المال سے تنخواہ ملتی ہے بس اس کا وہی حق ہے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تحصیلدار زکوٰۃ اگاڑی کر کے لایا اور کہا کہ یہ تو سرکاری مال ہے، اور یہ اس نے مجھ کو خاص طور سے دیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ سخت ترش الفاظ بولے اور آپ بہت ناراض ہوئے وغیرہ (کتب حدیث)

فتاوی ستاریہ جلد اول ص ۹۳)

صاحب مال اپنے مال کی زکوٰۃ خود تقسیم کرے یا اپنے امام وقت کے حوالہ کرے

السؤال:۔ ماتقول ایها السادة العلماء!

هل یصرف ملاك الاموال زکوة اموالهم وصدقة فطرهم بانفسهم الی الفقراء والمسکین وغیرهم من المصارف کیف شاءوا اویجب علیهم ان یدفعوها الی الامام او یطلب منهم الامام ویصرفها بنفسه اوبنائبه الی مصارفها وکیف کانت العادة الجاریة فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلفاء الراشدین رض بینوا توجروا۔

سوال:۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ مال کی زکوٰۃ اور عشر اور عید کا صدقہ ہر نکالنے والا اپنے طور پر غرباء و مساکین کو بانٹ دے یا اپنے سردار کے حوالہ کر دے یا خود سردار طلب کر کے اپنے طور پر تقسیم کرے، یا اس کا نائب طلب کر کے اس کے مصارف میں خرچ کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد شریعت میں کیا دستور تھا؟

بینوا توجروا۔

الجواب:۔ لا یجوز لملاك الاموال ان یصرف زکوٰۃ اموالهم و صدقة نظرهم بانفسهم کیف ماشاء وابل یجب علیهم ان یدفعوها الی الامام او نائبه او یطلب منهم الامام و یصرفها بنفسه او بنائبه الی مصارفها هکذا کانت العادة الجاریة فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و خلفاء الراشدین نفی الفصل الاول من کتاب الزکوٰۃ من مشکوٰۃ المصابیح عن ابن عباس ان رسول الله صلے الله علیه وسلم بعث معاذا الی الیمن فقال انك تاتی قوما اهل الکتاب فادعهم الی شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فان هم اطاعون لذلك فاعلمهم ان الله قد فرض علیهم خمس صلوٰت فی الیوم واللیلة فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله قد فرض علیهم صدقة توخذ من اغنیاءهم فترد علی فقرائهم متفق علیه۔

جواب:۔ زکوٰۃ اور عید کا صدقہ دینے والا اور نکالنے والا اپنے طور پر غرباء و مساکین وغیرہ کو نہ بانٹے بلکہ واجب ہے کہ اپنے سردار یا اس کے نائب کے حوالہ کر دے یا سردار و نائب خود طلب کر کے اپنے طور پر تقسیم کرا دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد شریف میں یہی دستور تھا مشکوٰۃ شریف کی کتاب الزکوٰۃ کی فصل اول میں ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے ان کو ہدایت کرنا کہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ خدا کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ اس کو مان لیں، تو ان کو یہ تعلیم کرنا کہ اللہ نے ان پر رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو یہ سکھلانا کہ اللہ پاک نے زکوٰۃ بھی فرض کی ہے کہ ان کے مالداروں سے لی جاوے، اور ان کے فقیروں میں بانٹی جائے، آخر حدیث تک متفق علیہ۔

اور فتح الباری چھاپہ مصری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۸۴ میں ہے کہ یہ ہے۔

قوله توخذ من اغنیاءهم استدل به علی ان الامام هو الذی یتولی قبض الزکوٰۃ وصرفها

اما بنفسہ واما بنائبہ فمن امتنع عنہا اخذت قہرا وفی التلخیص الجبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر صفحہ ۱۷۸ ان سعد ابن ابی وقاص وابا ھریرۃ وابا سعید الخدری سئلوا عن الصرف الی الولاۃ الجائرین فامروا بہ رواہ سعید بن منصور عن عطاف ابن خالد وابی معاویۃ وابن ابی شیبۃ عن بشر ابن المفضل ثلاثتہم عن سہیل ابن ابی صالح عن ابیہ اجتمع نفقۃ عندی فیہا صدقتی یعنی بلغت نصاب الزکوٰۃ فسالت سعد ابن ابی وقاص وابن عمر وابا ھریرۃ وابا سعید الخدری ان اقسمہا او ادفعہا الی السلطن فقالوا ادفعہا الی السلطن ما اختلف علیّ منہم احد وفی روایۃ قلت لہم ھذا السلطن یفعل ما ترون فادفع الیہ زکوٰتی فقالوا نعم رواہ البیہقی عنہم وعن غیرہما ایضا وروی ابن ابی شیبۃ من طریق قزعۃ قال قلت لابن عمر ان لی مالا فالی من ادفع زکوٰتہ قال ادفعہا الی ھؤلاء القوم یعنی الامراء قلت اذا یتخذون بہا ثیابا وطیبا قال وان وعن نافع قال قال ابن عمر ادفعوا صدقۃ اموالکم الی من ولاہ اللہ امرکم فمن بر فلنفسہ ومن اثم فعلیہا وفی الباب عندہ عن ابی بکر الصدیق وعن مغیرۃ ابن شعبۃ وعائشۃ واما ما رواہ ابن ابی شیبۃ ایضا عن خیثمۃ قال سالت ابن عمر عن الزکوٰۃ قال ادفعہا الیہم ثم سالتہ بعد ذلک فقال لا تدفعہا الیہم قد اضاعوا الصلوٰۃ فہو ضعیف لانہ عن روایۃ جابر الجعفی واصل ھذا الباب ما رواہ مسلم من حدیث جریر مرفوعا ارضوا مصدقیکم قال مجیبا لمن قال لہ من الاعراب ان ناسا من المصدقین یاتوننا فیظلموننا وعند ابی داؤد عن جابر ابن عتیک مرفوعا سیاتیکم رکیب مبغضون فاذا اتوکم فرحبوا بہم وخلوا بینکم وبین ما یبتغون فان عدلوا فلانفسہم وان ظلموا فعلیہم وارضوھم فان تمام زکوٰتکم رضاھم وعند الطبرانی فی الاوسط عن سعد ابن ابی وقاص مرفوعا ادفعوہا الیہم ما صلوا الخمس وعند احمد والحارث وابن وھب من حدیث انس قال اتی رجل من تمیم فقال یا رسول اللہ اذا ادیت الزکوٰۃ الی رسولک فقد بریت منہا الی اللہ ورسولہ قال نعم ولک اجرھا واثمہا علی من بدلہا حدیث:۔ ان ابن عمر کان یبعث صدقۃ الفطر الی الذی تجمع عندہ قبل

الفطر بیومین۔ مالک فی الموطا والشافعی بیومین اوثلاثة وروی البخاری من حدیث ابن عمر انه کان یعطیها الذین یقبلو نها وکانوا یعطون قبل الفطر بیوم ویومین وفی المجلد الثالث من فتح الباری صفحه ۲۵۸ قوله کان ابن عمر یعطیها الذین یقبلونها ای الذین ینصبه الامام لقبضها وبه جزم ابن بطال وقال الهیثمی معناه من قال انا فقیر والاول اظهر ویؤیده ما وقع فی نسخة الصغانی عقب الحدیث قال ابو عبد الله هو المصنف کانوا یعطون للجمع لا للفقراء وقد وقع فی روایة ابن خزیمة من طریق عبد الوارث عن ایوب قلت متی کان ابن عمر یعطی قال اذا قعد العامل قلت متی یقعد العامل قال قبل الفطر بیوم او یومین ومالک فی الموطا عن نافع ان ابن عمر کان یبعث زکوة المال الی الذی تجمع عنده قبل الفطر بیومین او ثلثة واخرج الشافعی عنه وقال هذا حسن وانا استحب یعنی تعجیلها قبل الفطر اه ایضاً فی المجلد الثالث منه ۲۶۵ وفی الحدیث بعث الامام العمال بجبایة الزکوٰة اھ ایضا فی المجلد الثالث صفحه ۲۸۵ وفیه بعث السعاة لاخذ الزکوٰة اھ۔ وفی التلخیص الحبیر صفحه ۱۷۶ حدیث ۱- ان رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلفاء بعده کانوا یبعثون السعاة لاخذ الزکوٰة هذا مشهور۔ ففی الصحیحین عن ابی هریرة بعث عمر علی الصدقة وفیهما عن ابی حمید ان النبی صلی الله علیه وسلم بعث ابا مسعود ساعیاً وفی مسند احمد انه بعث اباجهم ابن حذیفة متصدقا وفیه انه بعث عقبة ابن عامر ساعیا۔ وفیه من حدیث قرة ابن دعموص بعث الضحاک ابن قیس ابن اسعد ساعیا وفی المستدرک انه بعث قیس ابن سعد ساعیا وفیه من حدیث عبادة ابن الصامت انه صلی الله علیه وسلم بعثه علی اهل الصدقات وبعث الولید ابن عقبة الی بنی المصطلق ساعیا وروی البیهقی عن الشافعی ان ابابکر وعمر کان یبعثان علی الصدقة واخرجه الشافعی عن ابراهیم ابن سعد عن الزهری بهذا وزاد لا یؤخرون اخذها فی کل عام۔ وقال فی القدیم وروی عن عمر انه اخرها عام الرمادة ثم بعث مصدقا فاخذ عقالین۔ وفی الطبقات لابن سعد ان النبی صلی الله علیه وسلم بعث المصدقین الی العرب فی هلال المحرم سنة تسع وهو فی المغازی للواقدی باسانیده مفسراً اھ۔ وقال الشوکانی فی سیل الجرار الزکوٰة فقد کان الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا شک ولا شبهة وکان

يبعث السعاة لقبضها ويامرهم عليهم الزكوٰة بدفعها اليه وارشادهم واحتمال معرتهم وطاعتهم
ولم يسمع في ايام النبوة ان رجلا اواهل قرية صرفوا زكوٰتهم بغير اذن من رسول الله صلى الله
عليه وسلم وهذا الامر لا يجحده من له معرفة بالسيرة النبوية والسنة المطهرة وقد انضم الى
ذلك التوعد عن الترك والمعاقبة باخذ شطر المال وعدم الاذن لارباب الاموال بان يكتموا
بعض اموالهم من الذين يقبضون الصدقة منهم لعدات ذكروا انهم يعتدون عليهم ولو
كان اليهم صرف اموالهم لاذن لهم في ذلك وايضا جعل الله سبحانه للعامل على الزكوٰة
جزء منها في الكتاب العزيز فالقول بان ولايتها الى ربها يسقط مصرفا من مصارفها صرح به
الله سبحانه في كتابه العزيز وايضا روى الشيخان عن ابي هريرة قال بعث رسول الله صلى
الله عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم ما ينقم ابن جميل الا انه كان فقيرا فاغناه الله ورسوله واما خالد
فانكم تظلمون خالدا وقد احتبس ادراعه واعتده في سبيل الله واما العباس فهي علي
ومثلها معها ثم قال يا عمر اما شعرت ان عم الرجل صنو ابيه - وهذا الحديث اوضح
الدليل على ان ولاية صرف الزكوٰة ليست الى اربابها بل عليهم ان يدفعوها الى الامام
او الى نائبه ولو كان الولاية اليهم لجاز لهم صرفها الى مصارفها بانفسهم ولم يتوقف قبولها
على من لم يدفعها اليه لاحتمال انه قسمها بنفسه في مصارفها وايضا قال الشوكاني في سيل
الجرار والحاصل انه ليس في مقام ما يدل على ان امر الزكوٰة الى اربابها في زمن النبوة قط
وبه يندفع جميع ما ذكره الجلال في شرحه ههنا فانه لم يات بشيء يعتد في المعارضة
واذا تقرر هذا فقد ثبت ان ما كان امره الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو الى الائمة من
بعده - ومن ذلك ما في الصحيحين وغيرهما من حديث ابي مسعود ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال انها ستكون بعدي اثرة وامور تنكرونها قالوا يا رسول الله فما تامرونا قال
تؤدون الحق الذي عليكم وتسئلون الله الذي عليكم - واخرج مسلم وغيره من حديث
وائل بن حجر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجل يساله ارايت امراء يمنعونا

حقنا وسالونا حقهم فقال اسمعوا واطيعوا فانما عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم وفی الباب احاديث واذا عرفت هذا علمت ان الدفع الی الامام واجب لجميع انواع الصدقات الا ان ياذن لرب المال بالصرف جاز له ذلك انتهی ۔ واللہ اعلم ۔

ترجمہ:- یہ جو آپ نے فرمایا کہ مالداروں سے لے جائے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سردار ہی زکوٰۃ کے لینے اور اس کے بانٹنے کا مالک ہے، خود سردار ہی تحصیل کرے یا اپنے نائب کے ذریعے تحصیل کرا دے، تو جو شخص تحصیلدار کو نہ دے، اس سے جبراً لی جاوے گی۔ الخ تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۷۸ میں ہے کہ سعید بن ابی وقاص اور ابوہریرہ اور ابوسعید خدری سے ظالم سرداروں کو زکوٰۃ دینے کا فتویٰ پوچھا گیا تو اُن لوگوں نے اُن کے دینے کا حکم کیا، اُس کو سعید بن منصور نے عطاف بن خالد اور ابومعاویہ سے روایت کی ہے، اور ابنِ ابی شیبہ نے بشر بن مفضل سے روایت کی ہے، اور تینوں نے ابوصالح سے روایت کی ہے اور ابوصالح نے اپنے باپ سے کہ میرے پاس اتنا مال ہو گیا تھا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، تو میں نے سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر اور ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا میں خود اس کو بانٹ دوں یا سردار کے حوالہ کر دوں تو کسی نے اختلاف نہ کیا، بلکہ سب نے بالاتفاق یہی جواب دیا کہ سردار کے حوالہ کر دو، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے یہ بھی کہا کہ یہ سردار جو کچھ کرتے ہیں، وہ تو آپ دیکھتے ہی ہیں، کیا اس پر بھی اپنی زکوٰۃ ان کے حوالہ کر دوں، فرمایا ہاں، اس کو بیہقی نے ان لوگوں سے اور نیز دیگر لوگوں سے روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے قزعہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں مالدار ہوں، پس اس کی زکوٰۃ کس کو دوں؟ کہا کہ اِن لوگوں کے حوالہ کر یعنی سرداروں کے میں نے کہا کہ وہ تو اس کو اپنے کپڑے اور خوشبو میں خرچ کر ڈالیں گے، کہا تمہاری بلا سے، اور ابن ابی شیبہ نے نافع کی سند سے روایت کی ہے، اور ابن عمرؓ نے فرمایا اپنے مالوں کی زکوٰۃ ان سرداروں کے حوالہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے کام کا والی بنایا ہے، جو سردار نیک برتاؤ کرے گا، اپنا بھلا کریگا اور جو بُرا برتاؤ کرے گا، اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا، اور اس باب میں ابوشیبہؓ نے ابوبکر صدیق اور مغیرہ بن شعبہ اور عائشہ سے بھی روایت کی ہے، اور جو ابن ابی شیبہ نے خیثمہ سے روایت کی ہے کہ

ابن عمر سے زکوٰۃ کے باب میں پوچھا تو کہا انہیں سرداروں کے حوالہ کر، پھر اس کے بعد ان سے پوچھا تو کہا ان کو مت دے کیونکہ انہوں نے نماز کو ضائع کر ڈالا ہے، یہ روایت ضعیف ہے، اس میں راوی جابر جعفی بہت ضعیف ہے، اور اس امر کی دلیل کہ سردار کیسا ہی ہو، مگر زکوٰۃ اسی کو دینا چاہیئے، وہ حدیث ہے جس کو مسلم نے جریر سے روایت کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ لینے والوں کو راضی رکھو، یہ اس وقت فرمایا تھا جب بدوؤں نے نالش کی تھی، کہ زکوٰۃ لینے والے اگر ہم پر ظلم کرتے ہیں، اور ابوداؤد نے جابر بن عتیکؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ قریب ہے، کہ تمہارے پاس ظالم تحصیلدار آدیں گے، وہ جب آدیں تمہارے پاس تو تم خوش کیجیو، اور جو وہ چاہیں، ان کو لینے دیجیو اگر وہ انصاف کریں گے، تو اپنا بھلا کریں گے، اور بے انصافی کریں گے، تو اس کا وبال انہیں پر ہے، بہر حال ان کو راضی رکھو، کیونکہ تمہاری زکوٰۃ کا پورا ہونا ان کو راضی رکھنے میں ہے، اور طبرانی نے اوسط میں سعد بن ابی وقاصؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اس زکوٰۃ کو سردار کے حوالہ کرو، جب تک کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں، اور احمد اور حارث اور ابن وہب نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی یا رسول اللہ جب میں زکوٰۃ آپ کے تحصیلدار کے حوالہ کر دوں تو کیا میں اللہ اور رسول کے نزدیک اس سے بری ہو جاؤں گا فرمایا ہاں اور تیرے لیئے اس کا ثواب ہے، اور اس کا گناہ اس پر ہے، جو اس کو بدل ڈالے، ابن عمرؓ صدقہ فطر دو دن پہلے اس کے پاس بھیجدیا کرتے تھے، جس کے پاس فطرہ جمع کیا جاتا تھا، اس کو امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے، اور امام شافعی کی روایت میں دو دن یا تین دن ہے اور بخاری کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، صدقہ فطر لینے والوں کو دے دیا کرتے تھے، اور عید کے دو ایک دن پہلے ادا کر دیا کرتے تھے۔ فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۱۱ میں ہے کہ راوی کا یہ قول کہ ابن عمر صدقہ فطر لینے والوں کو دے دیا کرتے تھے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کے حوالہ کر دیا کرتے تھے، جس کو امام نے فطرہ تحصیلنے کے لیئے مقرر کیا تھا، اور ابن بطال نے بھی یہی معنی سمجھا ہے، اور ہیثمی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہے کہ جو اپنے کو فقیر کہتا ہو، اس کو دیتے اور پہلی بات (یعنی تحصیلدار کو دے دیا کرتا تھا) زیادہ صاف

معنیٰ یہی ہے، اور وہ روایت اس معنیٰ کی تائید کرتی ہے، جو صنعانی کے نسخہ میں اسی حدیث کے تحت ہے۔ کہ امام ابو عبداللہ بخاری نے کہا کہ وہ لوگ جمع کرنے کے لئے دے دیتے تھے، نہ کہ لوگ خود فقیروں کو بانٹ دیتے تھے، اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے کہ عبدالوارث کی سند سے ایوبؒ سے مروی ہے کہ میں نے کہا کہ ابن عمر کب دیتے تھے، کہا تحصیلدار جب تحصیلنے کے لئے بیٹھتا۔ میں نے کہا تحصیلدار کب بیٹھتا تھا، کہا عید کے دو ایک دن قبل۔ اور امام مالک کی مؤطا میں نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عید کے دو تین دن پہلے ہی زکوٰۃ فطر اس کے پاس بھیجدیا کرتے تھے جس کے پاس جمع ہوتا تھا، اور امام شافعیؒ نے بھی انہیں سے روایت کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ بہتر ہے، اور ہم عید کے پہلے صدقہ فطر تحصیلدار کے پاس بھیجدینے کو مستحب جانتے ہیں، اور یہی فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۶۵ میں ہے، اور اس حدیث سے امام کا تحصیلداروں کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجنا ثابت ہے، تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۷۶ میں ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد اور آپکے خلفاء تحصیلداروں کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا کرتے تھے، یہ مشہور بات ہے، چنانچہ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدقہ تحصیلنے کے لئے بھیجا، اور صحیحین میں ابی حمیدؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کیلئے بھیجا، اور امام احمدؒ کی مسند میں ہے کہ آپ نے ابوجہم بن حذیفہ کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کے لئے بھیجا، اور اسی میں ہے کہ آپ نے عقبہ بن عامر کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کے لئے بھیجا، اور اسی میں قرہ بن دعموص سے روایت ہے، کہ آپ نے ضحاک بن قیس کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کیلئے بھیجا، اور حاکم کی مستدرک میں ہے کہ حضرت نے قیس بن سعد کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کے لئے بھیجا، اور اسی میں عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ دینے والے کے پاس بھیجا، اور ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق کے پاس زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا، اور بیہقی نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے، کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تحصیلدار کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا کرتے تھے، اس کو شافعی نے ابراہیم بن سعد سے انہوں نے زہری

سے روایت کی ہے، اور اس قدر زیادہ کیا ہے، کہ اس کی تحصیل میں کسی سال دیر نہیں کرتے تھے اور شافعی نے قدیم قول میں کہا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ انہوں نے عام الرماد میں زکوٰۃ کے لئے تحصیلدار بھیجنا اٹھا رکھا۔ پھر دوسرے سال تحصیلدار بھیج کر دونوں سال کی زکوٰۃ وصول کرائی۔ اور ابن سعد کے طبقات میں ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ تحصیلنے والے کو عرب کی طرف ہجرت کے نویں سال محرم کے شروع مہینے میں بھیجا اور یہ امام واقدی کے مغازی میں ان کی اسناد سے مفصل مذکور ہے، اور امام شوکانی نے سیل الجرار میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ تحصیلنے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیشک وشبہ حاصل تھا، اور آپ تحصیلدار تحصیلنے کے لئے بھیجا کرتے تھے، اور جن پر زکوٰۃ فرض ہوتی اُن کو حکم فرماتے تھے، کہ تحصیلداروں کو دو، اور ان کو راضی رکھو، اور ان کی سختی برداشت کرو، اور ان کی اطاعت کرو، اور زمانہ نبوت میں یہ بات کبھی نہیں سنی گئی کہ کسی شخص نے یا کسی بستی والوں نے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زکوٰۃ خود بانٹ دی ہے[1] اور یہ ایسی بات ہے جس کا ایسا شخص انکار نہیں کر سکتا جس کو سیرت نبویہ اور سنت مطہرہ کی معرفت ہے، اور این ہمہ اس کے ترک پر آدھا مال چھین لینے کی دھمکی وسزا بھی ہے، مالک مال کو تحصیلداروں سے تھوڑا مال بھی چھپانے کی اجازت نہیں ہے، باوجودیکہ آپ سے لوگوں نے تحصیلداروں کی زیادتی بھی بیان کی، اور اگر لوگوں کو مال زکوٰۃ کے بانٹنے کا خود اختیار ہوتا تو آپ اُن کو ضرور اس کی اجازت دیتے، اور نیز اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں زکوٰۃ میں سے اُس کے تحصیلدار کا بھی ایک حصہ مقرر فرمایا ہے تو یہ کہنا کہ زکوٰۃ کے بانٹنے کا اختیار اس کے مالک کو ہے، تہ زکوٰۃ کے مصرفوں میں سے ایک ایسی مصرف کو بیکار کر دینا ہے، جس کی صراحت خود خدا نے قرآن مجید میں فرما دی ہے، اور نیز بخاری اور مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ، کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا تو پیغمبر صاحب نے عرض کیا گیا کہ ابن جمیل اور خالد بن ولید اور عباس زکوٰۃ نہیں دیتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل تو زکوٰۃ دینا اس وجہ سے نامنظور کرتا ہے، کہ وہ ایک غریب

[1] وفد تجیب کا واقعہ صد۹۱ میں زاد المعاد کے حوالہ سے پڑھیں (سعیدی)

آدمی تھا، اللہ ورسول نے اس کو مالدار کر دیا ہے، اور خالد پر تم خواہ مخواہ زبردستی کرتے ہو، اس نے تو اپنی ساری زرہیں، اور کل اسباب فی سبیل اللہ وقف کر دیا ہے، باقی عباس کی زکوٰۃ، تو وہ زکوٰۃ اور اسی قدر اور بھی میرے ذمہ ہے، پھر فرمایا اے عمر! تم کو خبر ہے، چچا باپ ہی کے مثل ہے، اور یہ حدیث اس بات کی صاف دلیل ہے کہ زکوٰۃ بانٹنے کا اختیار مالکِ مال کو نہیں ہے، بلکہ مالک مال پر واجب ہے کہ زکوٰۃ سردار یا اُس کے نائب کے حوالہ کر دے، اگر مالک نصاب کو اختیار ہوتا تو اُس کو زکوٰۃ کے مصرفوں میں خود تقسیم کرنے کا ضرور اختیار ہوتا اور اس کی قبولیت سردار کے یا اُس کے نائب کے حوالہ کر دینے پر موقوف نہ ہوتی نہ ادا ہوتی، نہ سردار کو یہ حق ہوتا کہ جو اپنی زکوٰۃ سردار کے حوالہ نہ کر دے اس کو عتاب کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس نے اپنی زکوٰۃ سردار یا اُن کے نائب کو نہ دی اُس نے خود زکوٰۃ کے مصرفوں میں بانٹ دیا ہو، اور بھی امام شوکانی نے سیل الجرار میں فرمایا ہے، خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ بات ہرگز دلیل سے ثابت نہیں ہے، کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود بانٹ دیا ہو، اور اس بیان سے وہ شبہ بھی دور ہو گیا، جو جلال الدین نے اسی بیان میں اس کی شرح میں لکھا ہے، کیوں کہ وہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے، جو معارضہ کے قابل ہو، اور یہ بھی سیل الجرار میں ہے کہ جب یہ ثابت ہوئی تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو دستور آپ کے زمانہ شریف میں تھا، آپ کے بعد بھی وہی دستور اماموں کے وقت میں بھی رہا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم وغیرہما میں ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ میرے بعد خرابیاں اور ایسے ایسے کام ہوں گے جن کو تم ناپسند کرو گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت آپ ہم لوگوں سے کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا سرداروں کا جو حق تم پر ہے، اس کو ادا کیے جاؤ، اور اپنا حق سردار پر ہے، وہ خدا سے مانگیو۔ دوسری دلیل یہ ہے جو مسلم وغیرہ نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ایک شخص آپ سے پوچھتا تھا کہ جب سردار لوگ ہمارا حق ادا نہ کریں، اور اپنا حق ہم سے مانگیں تو کیا کرنا چاہیے، تو فرمایا ان کی اطاعت اور تابعداری کرتے رہو۔ اس لئے کہ سرداروں پر جو تمہارا حق ہے، اس کی جواب دہی، اُن کے ذمہ ہے، اور اس مسئلہ میں اور بھی حدیثیں ہیں جب تم

نے یہ مسئلہ جان لیا تو یہ بھی جان لیا کہ امام کو کل قسم کے صدقے حوالے کر دینے واجب ہیں، ہاں اگر سردار مالکِ مال کو اس کے بانٹنے کی اجازت دے، تو البتہ مالکِ مال کو اس کا خود بانٹ دینا درست ہے انتہیٰ واللہ اعلم۔ المجیب محمد عبداللہ غازی فوری

الجواب صحیح الحقیر حسین بن محسن الانصاری الیمانی عفی عنہ

الجواب صحیح محمد بشیر عفی عنہ الجواب صحیح سلامت اللہ عفی عنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہِ رمضان ۱۳۴۲ھ مطابق ماہِ اپریل ۱۹۲۴ء جلد ۳ نمبر ۹) فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ ص ۳۵

توضیح:۔ مندرجہ بالا جواب میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ جب امام یا نائب امام نہ ہو جو شرعی احکام اور حدود اللہ قائم کر سکے تو اس وقت عوام صاحب نصاب اپنی زکوٰۃ کیسے ادا کریں، یا اس اصول پر عمل کریں، اذا فات الشرط فات المشروط. مشکوٰۃ شریف میں مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی یکثر المال ویفیض حتی یخرج الرجل زکوٰۃ ماله فلا یجد احداً یقبلها منه (صفحہ ۴۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ خود بخود مصارف الزکوٰۃ تک پہنچا دینے سے بھی ادا ہو جاتی ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے کہ صاحب نصاب زکوٰۃ کا مال لے کر مستحقین کو دربدر تلاش کرے گا، اس کو کوئی زکوٰۃ کا مال لینے والا نہ ملیگا تلاش کی کیا ضرورت سیدھا امام وقت کے پاس بیت المال میں جمع کرا دے ص ۹۱ میں حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی میں گزر چکا ہے، کہ زاد المعاد جلد دوم سے ایک حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قوم تجیب کے قاصد آئے تو اپنے ساتھ مالِ زکوٰۃ صدقات بھی لیتے آئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت کی اور فرمایا کہ ان صدقات کو اپنے فقیروں میں تقسیم کرو، انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے فقیروں سے جو کچھ بچا ہے وہی لائے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے امام کی شرط نہیں اپنے ہاں کے فقیروں پر خود بھی تقسیم کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اور امام کو اس کی اطلاع ضرورت بھی نہیں۔ صدقہ فطر اور زکوٰۃ امام کے بغیر بھی ادا ہو سکتے ہیں، میرے

ناقص علم ہیں جیسے صحت نماز کے لئے مسجد اور جماعت شرط نہیں، بلکہ افضل ہے، اسی طرح ادائیگی زکوٰۃ کے لئے بھی امام کی شرط نہیں، بلکہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی تہمت سے بچنے کے لئے امام ایک ذریعہ ہے، ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال ۲۸/۷/۳

سوال :- محمودہ کے تین لڑکے اور لڑکی جن کی عمریں چھ سے بارہ سال تک ہیں احمد کی زیر نگرانی ہیں، محمودہ کی کچھ جائیداد اور تھوڑا سا زیور تھا، جس کو محمودہ خود مرنے سے قبل ان بچوں کے نام تقسیم کر چکی ہے، جس کی آمدنی احمد ان بچوں کی نگرانی پر خرچ کرتا ہے، اور زیور ان بچوں کی شادی میں دے دیا جائے گا، احمد چاہتا ہے کہ اس زیور کی زکوٰۃ دی جاوے، کیونکہ ان بچوں کی آمدنی اتنی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے، مگر زید کہتا ہے کہ احمد ان بچوں کا نگران اور ان کے مالوں کا محافظ ہے، علاوہ ازیں بچے چھوٹے ہیں، جن پر کوئی چیز مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ فرض نہیں اس لئے احمد کو ان زیوروں پر زکوٰۃ دینے کا حق نہیں، کیا زید کا کہنا ٹھیک ہے ؟ جواب مدلل ہو۔

جواب :- جو لوگ یتیم کو غیر مکلف ہونے کی وجہ سے مامور بالزکوٰۃ نہیں سمجھتے ہیں ان کی دلیل کو راجح سمجھتا ہوں، زیور میں جن علماء کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہیں ان سے متفق ہوں، سوال میں زیور کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۴/ نومبر ۱۹۳۶ء)

شرفیہ :- یتیم کے مال کی زکوٰۃ میں حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کو جامع ترمذی میں قائلین میں لکھا ہے اور سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک کو مانعین میں۔

مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی　　فتاویٰ ثنائیہ ص۴۹۴ جلد اول

سوال :- کیا قرآن میں تجارت پیشہ والوں کو مسکین کہا گیا ہے ؟

جواب :- کہا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ الخ

(مولانا عبدالسلام بستوی دہلی)　　(اہلحدیث دہلی جلد ۳ شمارہ ۲۲، ۱۳۷۳ھ)

سوال:۔ زکوٰۃ نکل جانے پر یعنی مال سے علیحدہ حساب کر لینے پہ کتنے دن کے اندر تقسیم کر دے زیادہ سے زیادہ کتنے دن رکھ سکتا ہے، اور ایک آدمی کو کم از کم کتنا دے، اور سیدوں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے، اور دوسرے گاؤں میں بھیج سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ کتنے دنوں میں تقسیم کرے، اس کی بابت کوئی حدیث یاد نہیں البتہ قیاس چاہتا ہے کہ آئندہ سال کے اندر اندر تقسیم کر دے، جتنا مناسب ایک آدمی کو دے، چاہیے اس کے گزارے جتنا دے چاہے اتنا دے کہ آئندہ سوال کرنے سے مستغنی ہو جائے، سید بلکہ بنی ہاشم سب کو دینا منع ہے جس کا حال معلوم نہ ہو، دریافت کر لے، اپنے گاؤں سے زیادہ ہو تو دوسرے میں بھی بھیج دے جائز ہے۔ (۲۹ ذیقعد ۵۳۹) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۷۹

سوال (ا) ایک مولوی صاحب لوگوں سے ہزاروں روپیہ زکوٰۃ لے کر ایک کتاب تالیف و طبع کر کے مفت تقسیم کرتے ہیں، عام متمول لوگوں کو، اور کچھ تھوڑی سی غرباء کو بھی۔ کیا یہ امیر لوگ وہ کتاب مفت لے سکتے ہیں، اور کیا زکوٰۃ کا یہ مصرف صحیح ہے؟

(ب) نیز ایک مولوی صاحب نے لوگوں سے قربانی کے چمڑے وصول کر کے اس رقم سے لاؤڈ سپیکر خرید لیا، اور اپنے قبضہ میں کر لیا، لاؤڈ سپیکر کی قیمت سولہ سو روپیہ ہے، کیا قربانی کی کھالیں کا یہ مصرف صحیح اور موافق حدیث پاک ہے؟

(سائل خریدار آ س ۱۴۱۷ از سیالکوٹ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب۔ بعون الوھاب۔ (ا) زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے اور حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے، کہ حج عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، (ملاحظہ ہو تنظیم جلد ۴ ص ۳۶) صورت مسئولہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں، کیونکہ اگر وہ کتاب بطور وقف اغنیا کو دی جاتی ہے، تو زکوٰۃ کا وقف کرنا ثابت نہیں، اور اگر بطور ملک اغنیاء کو دی جاتی ہے، تو غنی کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں، بہر حال صورت مسئولہ ناجائز ہے۔

(ب) قربانی کی کھالوں کے متعلق بھی حدیث میں ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پہ حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ قربانی کے چمڑے وغیرہ خیرات کر دے، لاؤڈ سپیکر وقف چیز ہے،

جس سے امیر غریب سب فائدہ اٹھاتے ہیں، اسلئے یہ صورت بھی جائز نہیں، ہاں قربانی کی کھال بعینہٖ کسی امیر (غنی) کو دے دے تو وہ جائز ہے، جیسے قربانی کا گوشت امیر کو دینا جائز ہے، فروخت کرکے پیسے نہ خود کھا سکتا ہے، نہ امیر کو دے سکتا ہے، سوال میں جو لکھا ہے، کہ مولوی صاحب نے لاؤڈ سپیکر قبضہ میں کر لیا، اس قبضہ سے مراد اگر تولیت ہے، اور لاؤڈ سپیکر وقف ہے، تو اس کا جواب ہو چکا ہے، اور اگر ملکیت ہے تو پھر بھی جائز نہیں کیونکہ کھالیں اس خاطر نہیں دی گئیں، ہاں اگر وہ غریب ہے، اور لوگوں نے کھالیں غریب سمجھ کر دی ہیں، اور لاؤڈ سپیکر خریدنے اور قبضہ میں رکھنے سے مطلب اس کا یہ ہے کہ کرایہ پر دے کر فائدہ اٹھاؤں تو یہ جائز ہے، اگر غنی ہے تو اس کا جواب بھی ہو چکا کہ غنی کے لئے قیمت جائز نہیں، تفصیل کے لئے تنظیم کے وہ پرچے جن میں مسائل قربانی ہیں ملاحظہ ہوں۔ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۶ شمارہ ۲۷)

سوال:۔ کیا فنڈ زکوٰۃ وغیرہ اپنے گاؤں میں خود جمع کرکے انجمن اہل حدیث قائم کی جائے اور باہمی مشورے سے سالانہ آمدنی کا اندازہ کرکے اس جمع شدہ رقم بیت المال کو حسب ذیل مصارف پر خرچ کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے؟ جواب قرآن شریف اور حدیث مبارک سے ہو؟

(۱) ماتحت تنظیم توحید و سنت کی اشاعت بذریعہ تقریر و تحریر خصوصاً گمراہ فرقوں کی روک تھام جو اپنے نظام کے ماتحت مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

(۲) خرید کتب وغیرہ، سامان انجمن جن کتابوں سے اشاعتِ اسلام و تدریس طلبہ مقصود ہو۔

(۳) امداد طلبہ مقامی بذریعہ کتب، پارچہ جات و ضروریات خوراک وغیرہ جو طلباء علم دینیات حاصل کر رہے ہوں۔

(۴) ایسی انجمن کسی ایسے مدرسہ عربیہ کو جو قرآن و حدیث کی خدمت کر رہا ہو، امداد دیں۔

(۵) اسی صورت پر کسی ایسی انجمن اہلحدیث کی امداد جو جماعت کی تنظیم میں کوشش کر رہی ہو۔

نوٹ:۔ دوسرا طریق تمام سائلوں کو خود زکوٰۃ تقسیم کرنا جن کی حالت کا کچھ علم نہیں ہوتا ہے، ان میں کون سا طریق بہتر اور کارِ ثواب ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں جو مصارف مذکور ہیں، ان میں سے ایک فی سبیل اللہ بھی ہے، اس کی

تفسیر میں اختلاف ہے جہاد کے داخل ہونے پر تو سب متفق ہیں حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، اس کی بابت ابوداؤد باب العمرہ میں صریح حدیث موجود ہے، اور نیل الاوطار کتاب الزکوٰۃ باب الصرف فی سبیل اللہ میں بعض اور روایتیں بھی ذکر کی ہیں جن میں تصریح موجود ہے، کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے، اور بعض روایتوں میں عمرہ کی بابت بھی تصریح ہے، اگر عمرہ کی تصریح نہ ہوتی تو بھی عمرہ حج کے احکام میں تھا، لیکن روایتوں میں تصریح آنے سے اور پختگی ہوگئی بعض کہتے ہیں فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے، کوئی کار خیر ہو اس میں خرچ کر سکتے ہیں، تفسیر فتح البیان جلد ۴ صفحہ ۲۲۴ میں ہے: وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک والاول اولی لاجماع الجمہور علیہ۔ یعنی کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ، لفظ عام ہے، اس کو ایک قسم پر بند کرنا جائز نہیں، اور اس میں تمام کار خیر داخل ہیں، جیسے مردوں کو کفن دینا، پل بنانا، قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ اور پہلی صورت جہاد (مع حج) مراد ہونا بہتر ہے، کیوں کہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ میں ہے: وقال بعضھم ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی الغزاۃ فقط ولھذا اجاز بعض الفقہاء صرف سھم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک قال لان قولہ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیرہ والقول الاول ھو الصحیح لاجماع الجمہور علیہ۔

یعنی بعض نے کہا ہے کہ لفظ عام ہے پس اس کو صرف غازیوں پر بند کرنا جائز نہیں، اس لئے بعض فقہائے نے سبیل اللہ کا حصہ ہر کار خیر میں صرف کرنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً مردوں کو کفن دینا پل بنانا، قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ انہوں نے (یعنی فقہاء نے) کہا ہے، کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے، ایک قسم کے ساتھ بند نہیں ہوگا، اور پہلا قول صحیح ہے، کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۱ میں ہے: واعلم ان ظاھر اللفظ فی قولہ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ لا یوجب القصر علی کل الغزاۃ فلھذا المعنی نقل القفال فی تفسیرہ عن بعض الفقہاء انھم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارۃ المساجد لان قولہ

وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَامٌ

یعنی اس بات کو جان لے، کہ لفظ فی سبیل اللہ کا ظاہر عام ہے، غازیوں پر بند کرنے کو واجب نہیں کرتا، اسی وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہا سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے تمام امورِ خیر میں صدقات کا صرف کرنا جائز رکھا ہے، جیسے مردوں کو کفنانا، قلعے مسجدیں تعمیر کرنا"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں، اگر اس پر کوئی عمل کرے، تو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا، مگر چونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے، اس کو ایسی طرز پر ادا نہ کرنا چاہیئے جس میں تردد رہے، دیکھئے نماز میں جب شک ہو جاتا ہے، ایک رکعت پڑھی یا دو، تو حکم ہے کہ ایک رکعت پڑھے تاکہ شک سے نکل جائے، پس زکوٰۃ بھی قرآن میں نماز کے ساتھ ذکر ہوئی ہے، اس لئے اس میں بھی احتیاط چاہیئے پس بہتر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا جائے، یا حج عمرہ کیونکہ جہاد تو بالاتفاق مراد ہے، اور حج و عمرہ حدیث نے داخل کر دیا۔ باقی کے داخل ہونے میں شبہ ہے، لفظ اگرچہ عام ہے، مگر جیسا عام ہے، ویسا رکھا جائے، تو پھر فقراء و مساکین وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، حالانکہ اس آیت میں فقراء و مساکین وغیرہ کا الگ ذکر کیا ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے، کہ اس سے مراد خاص ہے، اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہو سکتا، اور دلیل یا تو آیت ہے، یا اتفاق مفسرین ہے جیسا جہاد کے مراد ہونے پر اتفاق ہے، یا حدیث اور تفسیر صحابہؓ ہے، جیسے حج عمرہ مراد ہونے پر ہے، باقی کی بابت کوئی دلیل نہیں ہے، اور جہاد جیسا تلوار سے ہوتا ہے، ویسا ہی زبان سے بھی ہوتا ہے، حدیث میں ہے:۔

فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک حبۃ خردل من الایمان رواہ مسلم (مشکوٰۃ صـ۲۹ـ)

"یعنی جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے، وہ مؤمن ہے، اور جو زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے، وہ مومن ہے، جو دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے، وہ مومن ہے، اور اس کے

ورے رائی برابر بھی ایمان نہیں۔

پس اس میں مناظرے اور اشاعت اسلام پر خرچ کرنا داخل ہوگیا، لیکن اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے، وہ یہ کہ ایسی شے پر صرف نہ کرے، جو وقف ہو، جیسے مدرسہ کی عمارت، خرید کتب وغیرہ، چونکہ اس سے پھر وہی صورت پیدا ہو جائے گی جس میں اختلاف ہے جیسے مسجدوں اور قلعوں کا تعمیر کرنا۔ حالانکہ قلعے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے اور اس سے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں، اور مسجدیں نماز و تعلیم کے لئے ہوتی ہیں، خاص کر قرآن و حدیث کا پڑھنا، پڑھانا مسجدوں ہی کے لائق ہے، اور قرآن و حدیث کا پڑھنا پڑھانا عین اشاعت اسلام ہے، مگر پھر بھی جمہور مفسرین اس کے خلاف ہیں، اس لئے زکوٰۃ کا مال مدارس کی بنا پر اور خرید کتب وغیرہ پر صرف ہونے میں ذرا شبہ ہے، اس میں احتیاط چاہیئے، ہاں زکوٰۃ کی مد سے طلبہ کی امداد کی جائے، وہ اس سے کتب خریدیں یا کسی اور ضرورت میں خرچ کریں، تو بہت اچھا ہے، اسی طرح مدرسین کی تنخواہیں، اور مناظرین اور مبلغین کا کرایہ اور دیگر اخراجات زکوٰۃ سے ہو سکتے ہیں لیکن اگر غنی ہو تو اس کو بچنا بہتر ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ جنگ میں زکوٰۃ وہی شخص لے سکتا ہے جس کے پاس خرچ نہ ہو، پس جب جنگ میں غنی کی بابت اختلاف ہوا، تو تعلیم و تعلم کا معاملہ تو اس سے بہت نازک ہے کیونکہ فی سبیل اللہ سے اصل مراد تو جنگ ہے، اور حدیث کی تصریح نے حج عمرہ کو بھی اس میں داخل کر دیا ہے، اور تعلیم و تعلیم مناظرہ وغیرہ کی بابت تصریح نہیں آئی، صرف ایک قسم جہاد ہونے کی وجہ سے داخل کیا گیا ہے اس لئے اس میں احتیاط برتنا چاہیئے، اور غنی کو پرہیز رکھنا چاہیئے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ﴾ (الآیۃ) اس آیت سے پہلے صدقات کا ذکر ہے پھر فرمایا ہے۔ یہ صدقات ان فقیروں کے لئے ہیں، جو اللہ کے راستے میں بند ہیں، زمین میں سفر نہیں کر سکتے، یعنی سوداگری وغیرہ نہیں کر سکتے (کیوں کہ سفر کرنے سے دین کا کام بند ہوتا ہے)

یہاں تک تو سوال کے پانچ نمبروں کا جواب ہوا۔ چھٹے نمبر کا جواب یہ ہے کہ جو کام جماعت

کی صورت میں ہو، وہ بالاتفاق بہتر ہے، بلکہ اس کی بہت فضیلت ہے، اور جماعتی صورت میں کام ہونا یہ کسی مستحق سائل کو دینے سے مانع نہیں، بیت المال میں سب زکوٰۃ جمع کی جائے، اور اسی سے آئے گئے سائل کو بھی دے دیں، یہ بہت اچھی صورت ہے، مگر سائل مستحق ہو، اس کے غنی ہونے کا علم نہ ہو، آثار سے معلوم ہو کہ وہ نیک ہے، کیونکہ زکوٰۃ مسلمان فقراء کی ضرورت کے لئے ہے، نہ بدمعاشوں کی بدمعاشی کے لئے، ایسوں کو کھلانے پلانے سے ان کی بدمعاشی بڑھتی ہے، حدیث میں ہے۔ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ ھِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِ ھِمْ۔ یعنی مسلمانوں کے غنیوں سے لے کر ان کے فقیروں کو دی جائے۔

نیز زکوٰۃ ایک فرض ہے، جو خود بخود ادا کرنی پڑتی ہے، اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ کوئی سوال کرے، تو دی جائے، اور جو شئے خود بخود دی جاتی ہے، اس میں نیک تلاش کرنا ضروری ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، لَا یَاْکُلُ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ (مشکوٰۃ ص۴۲۶ باب الحب فی اللہ) "یعنی تیرا کھانا سوائے متقی کے اور نہ کھائے مشکوٰۃ باب الانفاق صفحہ ۱۶۵ میں ایک اور حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ایک شخص نے چور پر اور رنڈی (کنجری) پر اور غنی پر صدقہ کیا، بعد میں اس کو پتہ لگا تو افسوس کیا، خواب میں اس کو دکھائی دیا کہ تیرا صدقہ خالی نہیں گیا، شاید چور چوری سے رنڈی (کنجری) زنا سے باز آ جائے، اور غنی عبرت پکڑے۔"

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ زکوٰۃ بدمعاش کا حق نہیں۔ ورنہ صدقہ کرنے والے کو اپنے صدقہ کے ضائع ہونے کا افسوس نہ ہوتا، اور خواب میں تسلی کی ضرورت نہ پڑتی۔

بعض لوگ دروازے دروازے لقمہ لقمہ مانگنے والوں کو زکوٰۃ سے دے دیتے ہیں، وہ بڑی غلطی کرتے ہیں، کیوں کہ ایسے سائل اکثر بے دین ہوتے ہیں، نیز ایک غلطی اور کرتے ہیں، وہ یہ کہ سال بھر زکوٰۃ گھر میں بند رکھتے ہیں، اور تھوڑی تھوڑی آئے گئے کو دیتے ہیں، خدانخواستہ اگر درمیان سال کے موت آ گئی، تو زکوٰۃ اپنی زندگی میں ادا نہ ہوئی، اور یہ فرض ذمے رہ گیا، اگر بیت المال میں دے دی جائے، تو اس کی طرف سے ادا ہو گئی، پھر خواہ آہستہ آہستہ ہی خرچ ہو، بہرصورت بیت المال والی صورت بہت عمدہ ہے، جس میں بہت فوائد ہیں، اور شبہ سے خالی ہے۔

تنبیہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مال میں صرف زکوٰۃ اللہ کا حق ہے، اور نہیں، حالانکہ قرآن اور حدیث سے اور بھی حق ثابت ہے، مشکوٰۃ میں ہے۔

عن فاطمہ بنت قیس قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ ثم تلا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (الایۃ) رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی۔ مشکوٰۃ فضل الصدقۃ فصل ۲ ص۱۶۱) یعنی فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔ پھر آیۃ کریمہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ (الایۃ) پڑھی۔

اس آیت میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی مسکینوں محتاجوں کو دینے کا ذکر ہے، پس معلوم ہوا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی ادا نہ کرنی چاہیئے، کیونکہ اس آیت وحدیث میں زکوٰۃ کے علاوہ جس حق کا ذکر ہے، یہ وہی ہے، جو موقع بموقع آپڑتا ہے، جیسے کوئی سائل آگیا، یا کسی مسافر کو دینا پڑگیا، یا کسی پر ناگہانی مصیبت پڑگئی، تو اس کی امداد ضروری ہوگئی یا کسی بھوکے کو کھانا کھلانا پڑا۔ غرض اس قسم کی مدات کے لئے شریعت نے زکوٰۃ کے سوا مال میں حق رکھا ہے، کیونکہ معلوم نہیں کہ ایسی صورت کب آپڑے، اگر زکوٰۃ پاس رکھ کر سال میں تھوڑی تھوڑی دینی جائز ہوتی تو پھر زکوٰۃ کے سوا مال میں حق رکھنے کی ضرورت نہ تھی، اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ فوراً دے دینی چاہیئے، پاس نہ رکھنی چاہیئے، ہاں بیت المال میں زکوٰۃ کا جمع رہنا اس حدیث کے خلاف نہیں، کیوں کہ بیت المال تو کسی خاص جگہ میں ہوتا ہے، اور ایسی صورتیں عموماً ہر جگہ پیش آتی رہتی ہیں، جن کے لئے بیت المال میں جمع ہونا کفایت نہیں کرتا، پس ضرور ہوا کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں حق ہو، تاکہ ان ضرورتوں کو متکفل ہو۔

اس کی مثال ایسی ہے، جیسے آج کل کی حکومتوں نے کہیں معاملہ لگا رکھا ہے، کہیں ٹیکس لیتی ہے، کہیں چنگی کا قانون جاری ہے، کہیں اسٹامپ فروشی اور سکہ فروشی ہے، اس قسم کی خاص عام بہت سی مدات ہیں، جن سے حکومت پیسہ وصول کرتی ہے، لیکن اسلامی احکام کی بنا پر محض ہمدردی ہے، اور موجودہ زمانہ میں عموماً ہر سلطنت میں پیٹ پر دری زیادہ ہے رہی

وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ طلائی یا نقرائی کوئی دفینہ مل جائے تو اس کی حقدار سرکار بن جاتی ہے، اور اسلامی قانون کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا ہے، جو یتیموں اور مسکینوں کے کام آتا ہے، اور باقی چار حصے پانیوالے کو دیئے جاتے ہیں،

اسی طرح کا خون ہو جائے، یا کوئی اور نقصان پہنچ جائے، تو اس کا مالی جانی فائدہ سرکار کو ہے، قاتل پر مقدمہ چلایا جاتا ہے، جیل میں جلئے، یا جرمانہ ہو، ہر صورت میں سرکار کا گھر بھرتا ہے۔ بر خلاف اسلامی روایات کے ان میں اولیاء مقتول کا اختیار ہے، خواہ معاف کر دیں، یا دیّت (مالی معاوضہ) لیں یا قتل کریں، اسلامی احکام سب اسی قسم کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ یا امیرالمؤمنین اپنی ذاتی ضرورتوں میں عام مسلمانوں کی طرح سادہ رہتا ہے، اور دیگر حکومتیں اپنی من مانی کاروائی کرتی ہے،

(عبداللہ امرتسری روپڑی، دارالعلوم جامعہ اہلحدیث لاہور)

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ شمارہ ۲۲)

سوال: زید کی کچھ زمین اپنی مملوکہ ہے، لیکن وہ تھوڑی ہے، اس کی پیداوار سے نصاب عشر پورا نہیں ہوتا، نیز اس نے کچھ زمین اجارہ پر لی ہوئی ہے، اس کی پیداوار کے صرف اپنے حصے کو اگر پہلی زمین کی پیداوار سے ملا دیا جائے، تو نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں دونوں زمینوں کی پیداوار کو ملا کر عشر نکالنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(عبدالرؤف بلتستانی متعلم مدرسہ سعودیہ کراچی)

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

عشر نکالنا پڑے گا، کیوں کہ قرآن مجید میں ہے، وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ اس میں اجارہ اور غیر اجارہ کا فرق نہیں کیا، اس لئے جب نصاب پورا ہو جائے، خواہ دوسرے کا حصہ ملا کر پورا ہو پھر بھی عشر دینا پڑے گا۔ اگر دوسرا نہ دے تو اپنے حصے کا نکال دیا جائے۔

اتنا ہو سکتا ہے کہ اجارہ کے پیسے کاٹ کر باقی کا عشر دیا جائے، کیوں کہ یہ درحقیقت اس کی چیز نہیں بلکہ غیر کی ہے، فقط عبداللہ امرتسری روپڑی (۹ھ ۱۳۸۰/۵ – ۶۰/۱۰/۳۰ء) (لاہور)

(ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث، لاہور ۴ دسمبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۲۰ جلد ۱۷)

ضمیمہ کتاب الزکوٰۃ

سوال :- علمائے کرام مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں
(۱) تبلیغ کا کام کسی جگہ کے مسلمان اگر جماعت بنا کر اور اس کا ایک امیر مشوروں سے انتخاب کر کے انجام دیں تو شرعاً کیسا ہے؟

۲:- فطرہ قربانی زکوٰۃ وغیرہ اموال کے حساب وکتاب کا مطالبہ عوام کی طرف سے جائز ہے، یا نہیں جو سردار حساب وکتاب کے رکھنے یا اس کے سمجھانے اور پیش کرنے سے انکار کرے، تو اس کو معزول کر کے دوسرا امیر منتخب کرنے کا عوام کو حق ہے یا نہیں؟

(۳) کیا اب تک خراسانی سلسلہ کا وجود ہے، اگر اس نام پر کوئی مسلمانوں سے رقم مانگے، تو مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

(السائل عبدالتواب مقام اسلامپور سنتھال پرگنہ)

جواب :- ۱:- تبلیغ نیک کام ہے تمام انبیاء کی سنت ہے، عام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، یہ کام انفراداً بھی کیا جا سکتا ہے، اور جماعت بنا کر بھی جو کام جماعت کے ساتھ کیا جائے، شرعاً اس کا امیر مشورے سے منتخب کرنا ضروری ہے۔

۲:- بیت المال کا حساب وکتاب خلافت راشدہ میں رکھا جاتا تھا، جب تک آمد وخرچ کا حساب نہ رکھا جائے، انتظام اور عمدگی کے ساتھ کوئی کام انجام پا نہیں سکتا، جو شخص حساب رکھنے اور سمجھانے سے انکار کرے، اس کا معاملہ مشتبہ ہے، اور مشتبہ آدمی قوم کا سردار نہیں رہ سکتا۔

۳:- خراسان کا قیام سکھوں اور انگریزوں کے ظلم کو مٹانے کے لئے تھا، وہ ختم ہو گیا، پنجاب میں نہ انگریزوں کی طاقت ہے، اور نہ سکھوں کی، جس علاقہ کو خراسان کا نام دیا جاتا ہے، وہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان ہے، اور یہ دونوں مسلمانوں کے ملک ہیں، اس زمانے میں اس نام سے اگر کوئی کچھ مانگے تو مسلمان اس کو کچھ نہ دیں۔

(حررہ محمد اسرائیل نائب صدر المدرس مدرسہ اسلامیہ عبداللہ پور سنتھال پرگنہ)

حسب ذیل علماء کرام نے تائید کی

۱:۔ ابوالمتین زین العابدین بڑھیٹی۔ ۲:۔ مولانا محمد عفان سلہٹی صدر مدرس مدرسہ نجم الہدیٰ آمتلہ۔ ۳:۔ مولانا محمد عبدالمجید صدر المدرسین مدرسہ صالح ڈانگا۔

۴:۔ مولانا ابوبکر ہارونی مدرس اول مدرسہ اصلاحیہ سیماپور۔ پورنیہ۔

۵:۔ مولانا عبدالستار رحمانی مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین۔ ٹانڈا۔

۶:۔ مولانا عبدالتواب مدرس مدرسہ مظہر العلوم۔ پٹنہ۔

۷:۔ مولانا فضل حق محمدی شمس پوری مغربی دیناج پور۔

۸:۔ مولانا محمد اسحاق سلفی مدرس مدرسہ تنظیم المسلمین۔

۹:۔ مولانا محمد داؤد راز خطیب بمبئی۔

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی صدر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے حسب ذیل جواب عنایت فرمایا، جوابات ثلثہ صحیح ہیں صرف جواب نمبر تین میں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ انگریزوں اور سکھوں کے مظالم کے استیصال کے لئے جو مرکز قائم کیا گیا تھا، اس کی جائے وقوع سرحد ہندوستان سے باہر آزاد قبائل میں تھی، اور آزاد قبائل کے علاقہ ہندوستان وافغانستان کے درمیان واقع ہے، اس علاقہ کو خراسان کہنا یا تو پرلے درجے کی سادہ لوحی ہے، یا انتہائی عیاری تاکہ خراسان کے متعلق جو حدیث آئی ہے اس کو اس علاقہ پر چسپاں کرکے عوام کو اپنے دام تزویر میں پھنسایا جائے اس لئے کہ خراسان کے ہمیشہ سلطنت ایران کا حصہ رہا ہے، اور آج بھی ہے، آزاد قبائل سے خراسان کا علاقہ بہت ہی دور ہے، اور دونوں کے درمیان افغانستان کا ملک حائل ہے۔ اللھم احفظنا من ھذہ الکید کتبہ عبدالوہاب آروی۔

مولانا ابومسعود قمر بنارسی جنرل سیکریٹری صوبائی اہلحدیث کانفرنس صوبہ یو۔پی نے حسب ذیل جواب عنایت فرمایا پہلے سوال جواب میں عرض ہے کہ توحید وسنت کی تبلیغ اور خاص طور سے اس دہریت کے زمانہ میں بہت ضروری ہے، اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے،

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (بخاری شریف) اس قسم کی تبلیغ انفرادی حیثیت سے بھی کی جا سکتی ہے اور اجتماعی حیثیت سے بھی اجتماعی تبلیغ کے لئے جو منظمہ مجلس کا صدر ہو اس لفظ امیر سے یاد نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ شرعی حیثیت سے امیر وہی ہو سکتا ہے جو شرعی امور کو شرعی طاقت سے جاری کر سکے، جو ایسا نہیں کر سکتا اس کو امیر ہی نہیں ہونا چاہیئے، ورنہ وہ طبرانی کی روایت کے مطابق ملعون ہوا، جس طرح سفر کے لئے ایک عارضی امیر ہوتا ہے، اسی طرح مجلس منظمہ کے لئے صدر بنا لے تو میرے نزدیک یہ خدشہ جاتا رہے اگر ایسا صدر یا سروار آمد و خرچ کو مجلس منتظمہ یا جماعت کے سامنے جان بوجھ کر اور بغیر کسی عذر شرعی کے نہیں پیش کرتا تو ایسے صدر یا امیر کو ضرور علیحدہ کر دینا چاہیئے، ورنہ اس گناہ میں سب شریک ہوں گے، ورنہ لفظ امیر کے استعمال سے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اور غلط فہمی بھی اس لئے اس سے بچنا بہتر ہے سفر کے امیر کی طرح اگر یہاں بھی امیر ہی نام رکھا جائے، اور صدر کا لفظ استعمال نہ کیا جائے، تو بھی جائز ہے،

۳:۔ انگریزوں کی حکومت کے وقت زکوٰۃ وخیرات کی جو رقم بغرض جہاد ہندوستان سے باہر آزاد قبائلی علاقہ میں بھیجی جاتی تھی، وہ میرے نزدیک بے کار اور فضول تھی، اور اس کو شریعت کی رو سے اجازت نہیں تھی، جہاد فی سبیل اللہ (جو جنگ کر کے کی جائے) کے لئے با اختیار وہ صاحب طاقت امیر ہو، اور وہ اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے لئے جہاد کرے تو اس وقت مالی امداد کرنا ہمارا فرض ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے، تو ہمیں ہرگز اپنی زکوٰۃ وخیرات کو اس باطل وہم و خیال سے نہیں دینا چاہیئے، ورنہ وہ زکوٰۃ وخیرات عند اللہ مقبول نہ ہو گی، یہی شرعی حیثیت اس وقت تھی، جب ہم انگریزوں کے غلام تھے، اور اب تو ہم ہندوستانیوں میں آزاد ہیں، اور یہاں پر ہم سب ہندوستانیوں کی مشترکہ حکومت ہے، اور ایسی حالت میں تو اور بھی جائز نہیں،

واللہ اعلم بالصواب۔ راقم عاجز ابو مسعود قمر بنارسی محلہ ساہوکارہ چندوسی ضلع مراد آباد یو۔پی

توضیح:۔ جہاد صرف تلوار سے بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ جہاد کا معنی کوشش کرنا ہے، زبان سے ہو یا تحریر سے ہو۔ یا تلوار وغیرہ سے یہ لحاظ سے جہاد ہے۔ اور جہاد کی شکلوں پر مال زکوٰۃ

عشر وغیرہ کو صرف قرآن اور حدیث کی نصوص سے ثابت ہے، یہ ان لوگوں کے جہاد کا نتیجہ ہے، کہ آج ہندوستان کا کچھ آزاد ہے، لہٰذا انما الاعمال بالنیات کے مطابق ادائیگی زکوٰۃ ہو جائے گی۔

(سعیدی)

مولانا اسماعیل صاحب گوجرانوالہ جو ایک مشہور اہلحدیث عالم ہیں، اس وقت مغربی پاکستان میں اہلحدیث کانفرنس کے جنرل سیکرٹری ہیں، ان سے بھی خراسان کے متعلق فتوئے طلب کیا گیا تھا، اور لکھا گیا کہ اگر کوئی اپنے کو خراسان کے امیر کا نائب بنا کر بلا حساب و کتاب بیت المال جمع کرے، تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ اس کا انہوں نے حسب ذیل جواب دیا۔

الجواب:۔ مدعی نیابت دماغی مریض معلوم ہوتے ہیں خراسان میں آج کل کوئی خلافت کا مداعی ہی نہیں تو نیابت کیسے ہوگی، اِن علاقوں میں آج کل بے دینی روز بروز بڑھ رہی ہے، یا ہے کوئی عیار جس نے شکم پروری کے لئے عوام کو دھوکا دینا شروع کیا اسے ایک کوڑی بھی نہیں دینی چاہیئے، تاکہ حساب کی ضرورت ہی نہ رہے، شرعاً ایسے اموال کا حساب رکھنا ضروری ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے اعمال سے حساب لیتے تھے، حضرت عمر سے لوگ حساب پوچھا کرتے تھے، اور سرِ محفل پوچھا کرتے تھے، ابو عبید قاسم ابن سلام قاضی ابو یوسف نے الخراج میں ایسے واقعات لکھے ہیں، محمد اسماعیل گوجرانوالہ چاہ شاہاں

نوٹ:۔ غلام رسول مہر نے سید احمد شہید کے حالات میں ایک کتاب چار جلدوں میں لکھی ہے، آخیر جلد میں صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے، کہ مولانا اسمٰعیل گوجرانوالہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ اس جماعت کے اخیر زمانہ کے اکثر حالات ہمیں ان کے ذریعہ معلوم ہوئے بغیر اس کے جو خط انہوں نے جواب میں لکھا اس کا دام اس شہادت کے بعد اس کی قیمت اور بڑھ جائے تو ہے تیرا اس علاقہ کے وہ بالکل قریب رہتے ہیں، اور وہاں سے جتنی واقفیت ان کو ہوگی کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتی۔

(المرسل شمس الہدیٰ۔ عبداللہ پور ضلع سنتھال پرگنہ)

(اخبار ترجمان دہلی جلد ۸ شمارہ ۲ ۱۵ رمئی ۱۹۶۰ء)

احکام ومسائل

مولانا محمد علی جانباز مدرس جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ

"مؤلفۃ القلوب" کی تحقیق

سوال:۔ قرآن میں زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں، ان میں سے ایک مصرف مؤلفۃ القلوب ہے، اس مصرف میں کس قسم کے لوگ آتے ہیں! کیا یہ مصرف اب بھی باقی ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو چکا؛ نیز اس مصرف میں کفار بھی داخل ہیں یا نہیں؟

(حاجی شیخ عبدالکریم پوری، مجید بلڈنگ۔ مجید پورہ۔ سیالکوٹ)

جواب:۔ تالیفِ قلب کے معنی ہیں، دل موہنا اس حکم کا مقصد عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں، اور مال دے کر ان کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہو، اور وہ مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، اور ان کی سابقہ عداوت یا کمزوریاں دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر ان کی مالی مدد نہ کی گئی، تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، یا جو لوگ خود تو پکے مسلمان ہوں، مگر ان کی قوم کو ان کے ذریعہ ہدایت پہ لانا اور پختہ کرنا مقصود ہو یا غیر مسلموں میں ایسے لوگ ہوں جن کے بارے میں تجربہ ہو کہ یہ لوگ نہ تعلیم و تبلیغ سے متاثر ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکورہ مقاصد کے لئے ہر وہ تدبیر کرتے تھے، جس سے یہ لوگ متاثر ہو سکیں، یہ سب قسمیں عام طور پر مؤلفۃ القلوب میں داخل سمجھی جاتی ہیں، جن کو صدقات کا چوتھا مصرف سورۂ توبہ میں قرار دیا گیا ہے، (فقہ الزکوٰۃ ص۵۹۵ ج۲)

یہ امر تو متفق علیہ ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بہت سے لوگوں کو بطور تالیفِ قلب عطیے دیئے گئے، لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ آپ کے بعد بھی یہ مد باقی رہی یا ختم ہو گئی؛ اس میں علماء کے تین مسلک ہیں۔

(۱)۔ پہلا مسلک یہ ہے:۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں جب کہ اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہو گئی، اور کفار کے شر سے

بچنے یا تو مسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت ختم ہوگئی، اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا، لہٰذا اب مؤلفۃ القلوب کو کچھ نہیں دینا ہے یہ رائے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی ہے، نیز حسن بصریؒ، عامر شعبیؒ اور امام مالکؒ کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے، (فتح القدیر للشوکانی ص ۳۰۷ ج ۲ ہدایہ ص ۱۸۲ ج الزکوٰۃ ص ۶۰ ج ۲)

ان حضرات کا استدلال اس واقعہ سے ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی۔ آپ نے ان کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا، انہوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لئے دوسرے اعیان صحابہؓ بھی اس فرمان پر گواہیاں ثبت کردیں، چنانچہ گواہیاں بھی ہوگئیں، مگر جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس گواہی کے لئے گئے، تو انہوں نے فرمان پڑھ کر اسے ان کی آنکھوں کے سامنے چاک کردیا، اور ان سے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی تالیف قلب کے لئے تمہیں دیا کرتے تھے، مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے، اس پر وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس شکایت لے کر آئے، اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ لیکن نہ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے اس کا کوئی نوٹس لیا، اور نہ دوسرے صحابہؓ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اختلاف کیا۔ (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۰۰ جلد ۲ بدائع الصنائع ص ۴۵ ج ۲۔ فقہ السنہ ص ۳۸۹ جلد ۱)

مذکورہ واقعہ سے حنفیہ اور بعض مالکیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہوگئے، اور ان کو یہ طاقت حاصل ہوگئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں، تو وہ سبب باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے ابتداءً مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا، اس لئے باجماع صحابہ یہ ہمیشہ کے لئے منسوخ ہوگیا (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۰۰ ج ۲) رد المحتار۔ (ج ۲ ص ۸۲) میں ہے کہ جس علت کی بنا پر اس حکم کا اجرا ہوا تھا، وہ علت جب زائل ہوگئی تو اس پر مرتب ہونے والا حکم بھی ختم ہوگیا۔

احناف کے دلائل کا جائزہ:۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دلائل کے لحاظ سے یہ مسلک کمزور ہے، اور اجماع صحابہ اور نسخ کا دعویٰ غیر صحیح ہے، چنانچہ مشہور محقق شیخ یوسف القرضاوی اس

سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

والحق ان کلا الامرین غیر صحیح فالنسخ لم یقع والحاجة الی تالیف القلوب لم ینقطع وما دعوی النسخ بفعل عمرؓ فلیس فیه ادنی دلیل فان عمرؓ انما حرم قوماً من الزکوٰة کانوا فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ورأی انه لم یعد هنالك حاجة لتألیفهم وقد اعز اللّٰه الاسلام واغنی عنهم ولم یجاوز الفاروق الصواب فیما منع فان التالیف لیس وضعاً ثابتاً دائماً ولا کل من کان مؤلفاً فی عصر یظل مؤلفاً فی غیره من العصور (فقه الزکوٰة ص۶۰۱ ج۲)

"امر واقعہ یہ ہے کہ احناف کی دونوں دلیلیں صحیح نہیں ہیں، نہ نسخ واقع ہوا ہے، اور نہ ہی تالیفِ قلب کی علت منقطع ہوئی ہے، فعلِ فاروقؓ سے نسخ کا دعویٰ، اس بنا پر صحیح نہیں ہے کہ اس میں مذکورہ دعویٰ کے لئے کوئی ادنیٰ دلیل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے مسلمان لوگوں کو اس وقت حصہ سے محروم کیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے وظیفہ خوار چلے آرہے تھے، لیکن دورِ صدیقیؓ میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا تو وہ وظیفہ جاری رکھنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، اس بنا پر فاروق اعظمؓ نے جو کچھ کیا اس میں راہ حق سے سرمو انحراف نہیں کیا، کیونکہ تالیف قلوب کا حصہ دائمی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ بات ہے کہ جو شخص ایک وقت تالیف قلب کا مستحق ہے، وہ ہر وقت ہی مستحق رہے۔"

لہٰذا اگر اسلامی حکومت تالیفِ قلب کے لئے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ صرف کرے، لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لئے جو گنجائش رکھی ہے، اسے باقی رہنا چاہیئے، حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اجماع جس امر پر ہوا تھا، وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں جو حالات تھے ان میں تالیف قلب کے لئے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے، اس لئے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، کہ صحابہؓ کے اجماع نے اس کو قیامت تک کے لئے ساقط کر دیا، جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لئے رکھی گئی تھی۔

دوسرا مسلک:۔ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ منسوخ نہیں ہوا، اب بھی باقی ہے، لیکن اس

مَدّ سے صرف فاسق مسلمانوں کی تالیف کی جاسکتی ہے کفار کی نہیں۔ یہ رائے حضرت امام شافعیؒ ا
بعض دیگر ائمہ کی ہے۔ (فقہ السنہ ص۳۹ ج۱، فقہ الزکوٰۃ ص۵۹۷ ج۲)

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ تالیف قلب کے لئے کفار کو مالِ زکوٰۃ دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت نہیں ہے، جتنے واقعات حدیث میں ہم کو ملتے ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے کفار کو تالیفِ قلب کے لئے جو کچھ دیا وہ مالِ غنیمت سے دیا نہ کہ مالِ زکوٰۃ سے (فقہ الزکوٰۃ ص۵۹۷ ج۲)

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ان سب لوگوں کے نام بالتفصیل گنائے ہیں، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دلجوئی کے لئے مد صدقات سے حصہ دیا ہے، پھر بعد میں لکھتے ہیں "وبالجملۃ فکلھم مؤمن ولم یکن فیھم کافر۔" یعنی "درعہد نبویؐ کے مؤلفۃ القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے، ان میں کوئی کافر نہیں تھا۔"

امام ابن جوزیؒ نے اس مسئلے پر ایک خاص رسالہ بھی لکھا ہے جس میں انہوں نے ایسے حضرات کی تعداد پچاس بتائی ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رقمطراز ہیں۔ "لم یثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی احداً من الکفار للایلاف شیئاً من الزکوٰۃ" (تفسیر مظہری ص) یعنی "یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کافر کو مالِ زکوٰۃ میں سے اس کی دلجوئی کے لئے حصہ دیا ہو۔" قاضی صاحب کی تائید امام زمخشری کی اس بات سے بھی ہوتی ہے، کہ مصارف صدقات کا بیان یہاں ان کفار و منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم صدقات کے بارے میں اعتراض کیا کرتے تھے، کہ ہم کو صدقات نہیں دیئے۔ اس آیت میں مصارفِ صدقات کی تفصیل بیان فرمانے سے مقصد یہ ہے کہ ان کو بتلا دیا جائے کہ کافر کا کوئی حق مال صدقات میں نہیں ہے، اگر مؤلفۃ القلوب میں کافر بھی داخل ہوتے تو اس جواب کی ضرورت نہ تھی۔
(تفسیر کشاف ص ۵۵۸ جلد ۱)

صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں جو مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو کافر ہونے کے زمانہ میں کچھ عطیات دیئے تھے، تو اس کے متعلق امام نووی کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ

یہ عطیات زکوٰۃ کے مال سے نہ تھے، بلکہ غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا ان میں سے دیئے گئے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کی اس مد سے مسلم وغیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا سب کے نزدیک جائز ہے، پھر فرمایا کہ امام بیہقی ابن سید الناس۔ امام ابن کثیر وغیرہم سب نے یہی قرار دیا ہے، کہ یہ عطا مالِ زکوٰۃ سے نہ تھی، بلکہ خمسِ غنیمت سے تھی۔ (تفسیر مظہری)

۲ عام صدقات:۔ زکوٰۃ کے علاوہ عام صدقات کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، وہ مسلم غیر مسلم دونوں طرح کے لوگوں کو دیئے جا سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، تَصَدَّقُوا عَلٰی اَھْلِ الْاَدْیَانِ کُلِّھَا (مصنف ابن ابی شیبہ) یعنی ''ہر مذہب والے پر صدقہ کرو''۔

لیکن صدقہ زکوٰۃ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی۔ کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِھِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِھِمْ (صحیح بخاری ص۱۸۷ جلد۱) ''مال زکوٰۃ صرف مسلمانوں کے اغنیاء سے ہی لیا جائے، اور انہی کے فقراء پر صرف کیا جائے''، صحیح بخاری کی اس حدیث کی تشریح میں علامہ قسطلانی رقمطراز ہیں، والاضافۃ فی قولہ فقراءھم تقید منع صرف الزکوٰۃ للکافر (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ص۳ ج۳) یعنی ''حدیث میں لفظ فقراء کی جو اضافت مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ کافر کو زکوٰۃ دینی منع ہے''، اور حافظ ابن حجرؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان الزکوٰۃ لا تدفع الی الکافر لعود الضمیر فی فقراءھم الی المسلمین (فتح الباری ص۱۰۲ ج۴) ''مال زکوٰۃ سے کافر کو ہرگز نہ دیا جائے، کیونکہ حدیث میں فقراءھم کی ضمیر مسلمانوں کی طرف عود کرتی ہے''۔ مالِ زکوٰۃ سے کافر کی اعانت کے سلسلے میں بعض حضرات نے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے، جو حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور ان کی ماں کے درمیان پیش آیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ کافرہ تھیں اور ہجرت کے بعد مکہ ہی میں رہ گئیں تھیں، حضرت اسماء انہی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب مدینہ اور مکہ کے درمیان آمد ورفت کا راستہ کھل گیا، تو وہ بیٹی سے ملنے کے لئے مدینہ آئیں، اور کچھ تحفہ تحائف بھی لائیں، حضرت اسماءؓ کی اپنی روایت یہ ہے، کہ میں نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اپنی ماں سے مل لوں؟ اور کیا میں ان سے صلہ رحمی بھی

کرسکتی ہوں؟ حضورؐ نے جواب دیا ان سے صلہ رحمی کرو (صحیح بخاری ص ۸۴۸ ج ۲ مسلم ص۳۲۲ ج ۱)

حضرت اسماءؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس واقعہ کی مزید تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ در پہلے حضرت اسماءؓ نے ماں سے ملنے کا انکار کر دیا تھا، بعد میں جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی اجازت مل گئی، تب وہ ان سے ملیں (مسند احمد۔ ابن جریر) امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے، باب الصدقة علی اهل الذمة (ذمی کفار کو مالِ صدقات میں سے دینا) مگر اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اسماءؓ نے اپنی والدہ کو زکوٰۃ کے مال میں سے دیا تھا۔ انہوں نے جو اپنی والدہ سے صلہ رحمی کی یا ان پر کچھ خرچ کیا تو وہ عام نوعیت کا صدقہ تھا صدقہ زکوٰۃ نہ تھا یہی بات علامہ محمود محمد خطاب السبکی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں، فاما دفع الزكوة الواجبة اليها فلا يجوز لانها حق للمسلم لا تصرف لغيره المنهل العذب المورود (شرح سنن ابی داؤد ص۳۱۶ ج ۹) "زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے، کسی غیر مسلم کو نہیں دی جا سکتی۔"

تیسرا مسلک:۔ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی باقی ہے، اگر اس کی ضرورت پیش آجائے، تو پھر مسلم غیر مسلم دونوں طرح کے لوگوں کو دیا جا سکتا ہے، یہ مسلک بھی بہت سے ائمہ و فقہاء کا اختیار کردہ ہے، ہمارے نزدیک بھی اقرب الی الصواب یہی مسلک ہے، چنانچہ علامہ سید سابق مصری فرماتے ہیں۔ الظاهر جواز التاليف عند الحاجة اليه (فقہ السنۃ ص ۳۹۰ ج ۱) "عند الضرورت مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی باقی ہے" علامہ رشید رضاؒ فرماتے ہیں:۔ هذا هو الحق فی جملته (تفسیر المنار ص ۵۷۷ ج ۱۰) "حق بات یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی موجود ہے۔"

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف دامت برکاتہم فرماتے ہیں:۔ قد اختلف فی هذا السهم هل هو باق ام نسخ فالاكثرون على الاول والحنفية الى الثانی والحق البقاء (التعليقات السلفيه شرح نسائی ص۲۹۴ ج ۱) "یعنی مؤلفۃ القلوب کے بارے میں اختلاف ہے، کہ آیا یہ حصہ اب بھی باقی ہے، یا منسوخ ہو گیا ہے، اکثر ائمہ دین کا خیال ہے کہ یہ حصہ اب بھی باقی ہے،

صرف علماء احناف کا خیال ہے کہ منسوخ ہو چکا ہے. لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حصہ اب بھی باقی ہے، منسوخ نہیں ہوا۔

رہی امام شافعیؒ کی رائے تو وہ اس حد تک تو صحیح معلوم ہوتی ہے، کہ جب تک حکومت کے پاس دوسری مدات آمدنی سے کافی مال موجود ہو تو اسے تالیف قلب کی مد پر زکوٰۃ کا مال صرف نہ کرنا چاہیئے، لیکن جب زکوٰۃ کے مال سے اس کام میں مدد لینے کی ضرورت پیش آجائے، تو پھر یہ تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسے فاسقوں پر صرف کیا جائے، اور کافروں پر نہ کیا جائے، اس لئے کہ قرآن میں مؤلفۃ القلوب کا جو حصہ رکھا گیا ہے، وہ ان کے ایمان کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ اس بنا پر ہے کہ اسلام کو اپنے مصالح کے لئے ان کی تالیف قلب مطلوب ہے، اور وہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ ان کی تالیف قلب صرف مال ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے، یہ حاجت اور صفت جہاں بھی متحقق ہو وہاں امام المسلمین بشرط ضرورت زکوٰۃ کا مال صرف کرنے کا از روئے قرآن مجاز ہے، علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:- اقول: واذا كانت كلمة «المؤلفة قلوبهم» تشتمل الكافر والمسلم ففيها دليل على جواز تاليف الكافر واعطائه من الزكوٰة. (فقہ الزکوٰۃ ص۵۹۷ ج ۲) یعنی «المؤلفۃ قلوبہم» کے الفاظ عام ہیں مسلمان اور کافر دونوں اس میں شامل ہیں، لہٰذا اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے کافر کی تالیف کی جا سکتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس مد سے کفار کو کچھ نہیں دیا، تو اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کے پاس دوسری مدات کا مال موجود تھا، یہ بات نہیں تھی، کہ آپ زکوٰۃ کے مال سے کفار کی تالیف قلب جائز نہیں سمجھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو آپؐ اس کی وضاحت فرما دیتے۔

حضرت علامہ وحید الزمانؒ فرماتے ہیں، یعنی ولا تدفع الی ذمیّ وحربی الا للتالیف (کنز الحقائق ص۲۶) «ذمی اور حربی کافر کو زکوٰۃ نہ دی جائے، ہاں تالیف قلب کے طور پر دی جا سکتی ہے۔»

اب یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ زیر بحث مصرف کے سلسلے میں مال

صرف کرنے کا حق رب المال کو اپنے طور پر حاصل ہے یا یہ حق صرف امام المسلمین کا ہے کہ وہ اپنی صواب دید کے مطابق جہاں چاہیے صرف کرے، سو اس میں علماء کے دو مسلک ہیں، ایک مسلک تو یہ ہے کہ یہ حق صرف امام المسلمین کا ہے، ہر شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ اپنے خیال کے مطابق جس کو چاہیے، تالیف قلب کے طور پر اپنی زکوٰۃ دے دے جمہور امت کی یہی رائے ہے، علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں "ان جواز التألیف وتقدیر الحاجۃ الیہ مرجعہ الی اولی الامر من المسلمین (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۰۸ ج ۲) "تالیفِ قلب اور اس کی ضرورت کا اندازہ لگانا یہ کام صرف مسلمانوں کے اولی الامر ہے (حکام) کا ہے" یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء ہیں اس کام کو سر انجام دیتے رہے ہیں، کیونکہ اس کا تعلق ہے بھی ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی سے۔ بدیں وجہ یہ کام ہر شخص کے کرنے کا نہیں ہے، لیکن اگر کسی ملک کا نظام اسلامی نہ ہو یا زکوٰۃ اکٹھی کرنے کا اہتمام حکومت نہ کرے، تو پھر ایسے حالات میں وہاں کوئی دینی جماعت اگر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر چلائے، تو بھی ٹھیک ہے، لیکن جہاں زکوٰۃ کے مال سے کافر کی تالیفِ قلب کر سکتا ہے، یا نہیں اس سلسلے میں علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں۔ "الرای عندی انہ لا یجوز لہ ذالک الا اذا لم یجد مصرفا آخر (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۰۸ ج ۲) یعنی "جب دوسرا کوئی مصرف موجود ہو تو پھر کافر کی تالیفِ قلب پر زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں" ایسی صورت میں میری رائے یہ ہے کہ مثال کے طور پر بعض وہ مسلمان جو غیر مسلم ممالک میں رہتے ہیں، اور وہاں کوئی مسلمان آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہ ملے، اور وہاں بعض غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کر کے ان کے دل اسلام کی طرف اگر مائل کئے جا سکتے ہوں، تو ایسی صورت میں اگرچہ کافر کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، لیکن پھر بھی بہتر یہی ہے، کہ ایسے مقامات میں زکوٰۃ کے فنڈ کو اسلام کی اشاعت پر خرچ کرنا چاہیے، شرح الازہار ص ۱۳ ا ج ا میں ہے:- "ان التالیف جائز للامام فقط لمصلحۃ" دینیۃ "واما لغیرہ فلا یجوز" "دینی مصلحت کیلئے تالیف قلب کے لئے صرف امام المسلمین کا حق ہے، کسی دوسرے شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے"

دوسرا مسلک یہ ہے کہ رب المال کیلئے بھی جائز ہے کہ تالیفِ قلب کے سلسلے میں از خود بھی زکوٰۃ کا مال صرف کر سکتا ہے، یہ رائے یہ فرقہ کے بعض لوگوں کی ہے[1] (فقہ الزکوٰۃ ص ۶۰۸ جلد ۲)

---

[1] امام شوکانی رحمہ اللہ کی رائے بھی معلوم ہوتی ہے دیکھیے السیل الجرار ص ۵۸ ج ۲ (ع ، ح)

فہرست ابواب "فتاوی علماء حدیث"

جلد اوّل ۱

باب المیاہ
باب قضاء الحاجۃ
باب السواک
باب الوضو
باب المسح
باب التیمم
باب الغسل

جلد دوم ۲

باب تعمیر المساجد
باب تولیۃ المساجد
باب اوقات المساجد
باب آداب المساجد
باب المسجد الضرار
باب اوقات الصلوۃ
باب الامامۃ
الضمیمہ

جلد سوم ۳

باب الجماعۃ
باب السترۃ
باب الصف
باب النیۃ
باب وضع الیدین
باب القراءۃ
باب التامین
باب الرکوع
باب رفع الیدین
باب مدرک الرکوع
باب التشہد
باب السہو
باب المسبوق
باب الوتر
باب القنوت
باب الدعاء بعد الصلوۃ
الضمیمہ

جلد چہارم ۴

باب الجمعۃ
باب العیدین
باب السفر والقصر
باب الجمع بین الصلوتین
باب السنن والنوافل
باب الکسوف
باب التہجد
باب الاستخارۃ
باب التسبیح
باب الاستسقاء
باب جامع الصلوۃ

جلد پنجم ۵

باب التمنی
باب المحتضر
باب الغسل والکفن والدفن
باب الجنائز
باب القراءۃ
باب القبر
باب ایصال الثواب
باب السماع
باب الروح
باب التعزیت
الضمیمہ

جلد ششم ۶

باب تشریحات الصیام
باب الخطبۃ للصیام
باب رؤیۃ الہلال
باب الحکمۃ للصیام
باب الاذان للسحور
باب التراویح
باب الصیام
باب الصیام فی السفر
باب قضاء الصیام
باب کفارۃ الصیام
باب الاعتکاف
باب لیلۃ القدر
باب صیام شعبان وغیرھم

جلد ہفتم ۷

باب الزکوۃ فی مال التجارۃ
باب مصارف الزکوۃ
باب العشر فی ارض الخراج
باب تارک الزکوۃ
باب تقسیم الزکوۃ بغیر امیر
باب احکام صدقۃ الفطر
باب نصاب الذہب والفضۃ
باب صرف الزکوۃ فی المدارس

جلد ہشتم ۸

کتاب الحج

قیمت ۱۵/۰۰

جلد اوّل ۔ دوم ۔ سوم مجلد ۳۹.۰۰ ۔ جلد چہارم ۲۴.۰۰ ۔ جلد پنجم ۳۰.۰۰ روپے جلد ششم ہفتم مجلد ۵۰.۰۰ ...

ملنے کا پتہ :- مکتبہ سعیدیہ ۔ خانیوال ۔ ضلع ملتان